مقالاتِ محمد علی

حصۂ اوّل

مرتّبہ

رئیس احمد جعفری

اِدارہ اشاعتِ اُردو
حیدرآباد (دکن)
[redacted]

باراوّل
ایکہزار

ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۳ء

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس ایجوکیشنل پرنٹرز و پبلیشرز۔ حیدرآباد (دکن)

مقالاتِ محمدؐ علی

حصۂ اوّل

من کہ بہرِ دیگراں سوزم چو شمع
بزمِ خود را گریہ آموزم چو شمع

دل بدوش و دیدہ بر فردا ستم
درمیانِ انجمن تنہا ستم

در جہاں یارب ندیمِ من کجاست
نخلِ سینایم کلیمِ من کجاست

ظالمم بر خود ستمہا کردہ ام
شعلۂ را در بغل پروردہ ام

شعلۂ غارتگرِ سامانِ ہوش
آتشے افگندہ در دامانِ ہوش

عقل را دیوانگی آموختہ
علم را سامانِ ہستی سوختہ

شمع را سوزِ عیاں آموختم
خود نہاں از چشمِ عالم سوختم

شعلہ ہا آخر ز ہر مویم دمید
از رگِ اندیشہ ام آتش چکید

سینۂ عصرِ من از دل خالی است
می تپد مجنوں کہ محمل خالی است

شمع را تنہا تپیدن سہل نیست
آہ یک پروانۂ من اہل نیست

انتظارے غمگسارے تا کجا
جستجوئے رازدارے تا کجا

من مثالِ لالۂ صحرا ستم
درمیانِ محفلے تنہا ستم

(اقبالؒ)

فہرست مضامین

(۱) چند باتیں — چودھری اقبال سلیم گاہندری

(۲) محمد علی — رئیس احمد جعفری

(۱) سیاسیات عالم اسلام

(۱) معاملات مصر	صفحہ	۱۹
(۲) اس برس کا حج	"	۳۴
(۳) حج اور اس کا فلسفہ	"	۴۵
(۴) گنبد خضرا پر گولہ باری	"	۷۲
(۵) حالات حجاز	"	۹۲
(۶) تمسک بسنۃ الانکلیز	"	۱۰۱
(۷) حجاز پر حملہ کی تحریک	"	۱۱۰
(۸) عالم اسلام کی موتمر	"	۱۵۲

(۲) رزمگاہِ حق و باطل

(۱) لکھنؤ کا جلسہ صفحہ ۱۹۱

(۲) شاندار جلسہ اور شاندار تقریر 〃 ۲۰۵

(۳) تقاضائے وفا 〃 ۲۴۱

(۳) اسلامیات

(۱) ایک اُمی کی تقریر 〃 ۲۵۷

(۲) فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین 〃 ۲۹۲

(۳) اسلامی نظام 〃 ۳۰۵

محمد علی!

تاریخ ساز ـــــ تاریخ نگار

اسلامی ہند نے گزشتہ نصف صدی میں کئی گراں مایہ اولوالعزم اور زندہ جاوید شخصیتیں پیدا کیں۔ محمد علی بھی انہیں اعاظم رجال میں سے ایک ہیں۔ لیکن ان میں ایک خصوصیت ایسی ہے جس میں وہ یکتا اور یکتا نہیں تو کم از کم وحید عصر ضرور نظر آتے ہیں وہ کیا؟ وہ یہ کہ محمد علی بیک وقت HISTORY WRITTER اور (تاریخ ساز) HISTORY MAKER (تاریخ نگار) بھی تھے۔

آج کا ہندوستان جو آزادی کے لئے تڑپ رہا ہے منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے ہر طرح کے خطرات و مہالک کو دعوت دے رہا ہے۔ جو ہر قیمت پر آزادی حاصل کرنیکا عزم بالجزم کر چکا ہے، کل کیا تھا؟

کیا اس میں یہی جذبہ تھا؟ کیا اس میں یہی ولولہ موجود تھا؟ کیا اس میں یہ تڑپ، یہ خلش، اور کھٹک تھی۔ جس نے اسے آج بیقرار کر رکھا ہے

واقعات کا جواب انکار میں ہے۔ اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جدید ہندوستان کی تعمیر میں محمد علی کا اتنا ہی حصہ ہے۔ جتنا موہن داس کرم چند گاندھی کا۔ جواہر لال کا۔ ولبھ بھائی پٹیل کا، لیکن اگر مبالغہ نہ سمجھئے تو عرض کروں، محمد علی ان سب کا ہراول تھا۔ یہ سب اسکے نقش قدم پر چلنے والے تھے، محمد علی کی گرج کے سامنے گاندھی کا نغمہ اور نہرو کا نعرہ بے معنی تھا، یہ وہ ساز تھا جس میں ہرنے گم ہو جاتی تھی۔ یہ وہ آواز تھی جس کے سامنے ہر آواز طوطی کی صدا سے بھی زیادہ بے وقعت ہو جاتی تھی۔ یہ وہ شخصیت تھی جسکے سامنے آکر دشمن بھی دوست ہو جاتے تھے۔

ہندوستان پر جب کبھی کوئی مصیبت آئی، مسلمانوں پر جب کوئی طوفان بلا آیا۔ ملت اسلامیہ پر جب کوئی آفت آئی۔ عالم اسلام پر جب کسی مصیبت کا نزول ہوا، بیت المقدس۔ شام۔ حجاز عراق، مصر، مراقش، یمن، فارس، غرض کسی اسلامی خطہ پر جب کبھی ادبار اور ہلاکت کی گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آئیں، محمد علی طوفان بنکر اُٹھا اور انہیں اڑا لے گیا۔

پھر محمد علی نے صرف یہی نہیں کیا کہ ابتلا اور آزمایش کے وقت وہ سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں اُتر آیا ہو، اگر وہ صرف اسی پر اکتفا کرتا تو بھی اسکی قیادت ایک مسلمہ حقیقت ہوتی۔ لیکن وہ جمال کردار محمد علی کا نہ رہتا۔ محمد علی کا جمال کردار تو یہ تھا کہ وہ طوفان خیز بحر بیکراں میں شناوری

کے جوہر دکھاتا تھا۔ اور پھر اپنی اور طوفان بلاخیز کی لڑائی کی کہانی بھی سناتا تھا۔ وہ جمہور امت سے اپنے ضمیر و دیانت کے مطابق اختلاف کرتا تھا اور بغیر یہ پرواکئے ہوئے کہ دنیا اسے کیا کہے گی، مخالف کیا کچھ نہ کریں گے، خود دوستوں کی پیشانی سے کیا کچھ ظاہر نہ ہوگا وہ سب کچھ کہہ ڈالتا تھا جو اسے کہنا ہوتا تھا۔

وہ کام بھی کرتا تھا اور روداد بھی لکھتا تھا، وہ تقریر بھی کرتا تھا اور "رپورٹنگ" بھی کیا کرتا تھا، وہ لیڈری بھی کرتا تھا اور واقعہ نگاری بھی کرتا تھا۔ وہ قیادت کی گرانبار ذمہ واریوں سے بھی عہدہ برآ ہوتا تھا اور "پرچہ نویسی" کے کارِ دشوار کو پوری مورخانہ شان روایت و درایت کے ساتھ بزم و انجمن کے لئے قلم بند بھی کرتا تھا۔ حکومت کے ایوان میں، بادشاہ کے دربار میں، مؤتمر کے اجلاس میں، کانگریس کے پنڈال میں، خلافت اور مسلم لیگ کے شامیانہ میں دوستوں کی محفل اور اغیار کی مجلس میں ہر جگہ نظر آتا تھا۔ گولیاں چلتیں تو وہ پیچھے نہ رہتا تھا، عظیم الشان اور پرشوکت استقبال کے مواقع آئے تو وہ آگے بڑھنے میں تامل کرتا تھا وہ صحیح معنوں میں قائد تھا۔ داستان گو بھی، اور ملا عبد القادر بدایونی سے زیادہ بیباک، راست گو، اور محتاط مورخ بھی۔

وہ جب تاریخ بناتا تھا تو ایک ایک مرحلہ پر دوستوں سے، عزیزوں سے مخالفوں اور موافقوں سے ساتھیوں اور کام کرنیوالوں سے الجھتا تھا جھگڑتا تھا۔ وہ جب تاریخ لکھتا تھا تو کسی کی رعایت نہیں کرتا تھا جو اس کا

مشاہدہ ہوتا تھا، جو اسکی رائے ہوتی تھی، جو اسکے ضمیر کا تقاضا ہوتا تھا، بے درنگ وہی لکھ دیتا تھا۔ اس نے اسکی کبھی پروانہ کی کہ اس "تاریخ نگاری سے لوگ خوش ہوں گے یا دشمن بنجائیں گے؟ گاندھی جی ہوں یا مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد ہوں یا مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالقادر ہوں یا مولوی ظفر علی خاں، مسٹر محمد علی جناح ہوں، یا راجہ صاحب محمود آباد، محمد علی کی تاریخ میں ان سب کا ذکر آتا ہے اور اس صفائی کے ساتھ جو ایک مورخ کی شایان شان ہے! وہ کسی کی رعایت نہیں کرتا

جو دل میں وہ زباں پر اللہ جانتا ہے!

محمد علی کے مضامین کم از کم تین ورنہ چار جلدوں میں شایع ہونگے محمد علی تاریخ سازی میں اتنے محو رہے کہ تاریخ نگاری کی مہلت انہیں بہت کم ملی، پھر بھی انہوں نے لکھا اور بہت کافی لکھا، جو کچھ لکھا اس کا عطر اور خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

مکتبۂ جامعہ کی طرف سے دو جلدوں میں مضامین شایع ہوئے ہیں میں نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہے، کہ مضامین و مقالات کے بارے میں، میں قند مکرر کا قائل نہیں۔ شاید ایک مضمون ایسا ملیگا جس کا کچھ حصہ مضامین میں شایع ہوا ہے لیکن مجھے چونکہ پورا مقالہ لینا تھا اسلئے اس حصہ کو لینا پڑا

اس مجموعہ میں محمد علی کے جو مقالات درج کئے جارہے ہیں وہ بے انتہا اہم ہیں۔ ان واقعات پر محمد علی نے خامہ فرسائی کی ہے جنہوں نے اسلامی ہند کی سیاسیات میں ایک طوفان، ایک ہیجان برپا کر دیا تھا۔ جن سے

محمد علی کو بہت قریبی تعلق تھا۔ ایسے واقعات کے متعلق خود محمد علی کا بیان کتنا اہم ہوگا۔ ان مقالات کے ملاحظہ کے بعد آپ مان لینگے بیحد اہم !

محمد علی اپنی تقریروں اور مضمونوں میں "مکررات" سے کام بہت لیتے تھے۔ میں نے تمام غیر ضروری مکررات کو حذف کر دیا ہے۔ ہر مقالہ کے آغاز میں میں نے ایک مختصر سا نوٹ لکھ کر اس فضا، اس ماحول کو بھی اُجاگر کر دیا ہے جس میں محمد علی نے مقالہ لکھا، یعنی مقالہ اگر "منظر" ہے، تو میرا تمہیدی اور تعارفی نوٹ اس کا "پس منظر" کہیں کہیں اہم اور تشریح طلب امور کی تشریح بھی کر دی ہے۔

محمد علی کے مضامین خاصے طویل ہوتے تھے، جہانتک ممکن ہو سکا ہے میں نے انکی طوالت کم کرنیکی کوشش کی ہے، لیکن اس شغف سے کچھ غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا ہے اسلئے کہ محمد علی کا دماغ صحیح معنوں میں انسائکلو پیڈیا تھا۔ ہر علم وفن پر اتنی گہری اور وسیع نظر، محاکمہ کی صلاحیت اور تنقیدی ملکہ رکھنے والا شخص، مغربی تعلیم یافتہ اصحاب میں تو کیا خالص مشرق کے ژرف نگاہوں میں بھی مشکل ہی سے کوئی ملیگا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک موضوع پر نہیں قایم رہ پاتا تھا۔ اور ضمناً بہت سی ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جن کا نفس مضمون سے کچھ بہت زیادہ تعلق نہیں ہوتا تھا لیکن انکی افادیت اور اہمیت بجائے خود مسلم ہوتی تھی یہ محمد علی کی جامع کمالات شخصیت کے ساتھ ناانصافی ہوتی، اگر میں صرف موضوع سے "غیر متعلق" ہونے کے جرم میں محمد علی کے ان جواہر پاروں

کو قلمزد کر دیتا، پھر بھی غیر متعلق اور غیر دلچسپ، حصوں کو قلمزد کر دینے میں تکلف سے کام نہیں لیا ہے۔

بعض مقالات ہمدرد کے کئی کئی نمبروں میں لکھے گئے تھے، انہیں بھی ضروری تہذیب و ترمیم کے بعد لکھا گیا ہے، لیکن ان کا امتیاز اسطرح قایم رکھا کہ ہر مقالہ کے ختم ہونے کے بعد نمبر دیدئے گئے ہیں۔

سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ مقالات محمد علی مرتب کیسے ہوں؟ ہمدرد کے فائل اب کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں، خلافت بمبئی کے پاس تو خود خلافت کا فائل دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا تو ہمدرد کا کیا ملتا؟ بیگم محمد علی نے ہمدرد کا سارا ذخیرہ جامعہ کی نذر کر دیا۔ لیکن اب جامعہ کے پاس بھی بہت محدود ذخیرہ ہمدرد کے پرچوں کا ہے پھر کیا کیا جائے؟

محمد علی کے چہیتے دوست اور اپنے پرانے مخدوم مولینا عبد الماجد دریابادی پر نظر پڑی۔ مایوسی کی تاریکی میں امید کا سورج چمکنے لگا۔ عریضہ لکھا، امید کے مطابق حوصلہ افزائی کی۔ اسی شان سے والانامہ آیا جس نے

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ!

کا مجھے نمونہ بنا رکھا ہے۔

میرا دوسرا عریضہ پہنچا، اور مولینا نے سنہ ۱۹۲۴ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۹ء تک کے سارے مجلد فائل ہمدرد کے روانہ فرما دئے، اس عنایت و اعتبار کی کوئی حد ہے؟ کوئی اسکی توقع کر سکتا ہے! میں کر سکتا تھا اور الحمد للہ کہ وہ پوری ہوئی۔ اب اس تمہید کے بعد اگر میں شکر و سپاس کے جذبات کا

کا اظہار کروں تو شاید اسے رسم اور تقریب کی بجا آوری پر محمول نہیں کیا جائیگا
میں اپنے دوست چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری کی ہمدردی کا شکریہ
ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انہوں نے کاغذ کی اس گرانی اور کمیابی
کے زمانے میں مجھے مجبور کیا کہ میں اپنی ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل کروں
یعنی مقالات محمد علی مرتب کر ڈالوں۔

الحمد للہ کہ یہ کام انجام پا گیا۔

رئیس احمد جعفری
نومبر ۱۹۴۳ء

چند باتیں!

عرصہ ہوا میں نے جعفری صاحب کی مشہور کتاب "سیرۃ محمد علی" کا مطالعہ کیا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے، کتاب تو خوب مشہور ہوئی، مگر کتاب کا لکھنے والا، کتاب لکھنے کے بعد، کسی ایسے گوشۂ اعتکاف میں جا کر بیٹھ رہا کہ سرے سے اسکی زندگی پر شک کیا جانے لگا۔

جعفری صاحب سے میری پہلی ملاقات چند مہینے ہوئے بمبئی میں ہوئی۔ یہ گفتگو زیادہ تر انکی مرتبہ اور مجوزہ کتابوں سے متعلق تھی۔ میں خود چاہتا تھا کہ سیرۃ محمد علی کا مرتب، مقالات محمد علی اگر مرتب کرے تو اسکی کوشش ضرور مشکور ہوگی۔ میں نے یہ دعوت دی اور انہوں نے اسے منظور کر لیا۔

غالباً مقالات کی تین یا چار جلدیں ہونگی لیکن سب ایسے اہم احوال کوائف پر مشتمل ہیں کہ اگر کوئی آدمی انکا مطالعہ کر لے تو اسلامی ہند کی سیاسیات پر اسکی نظر بہت وسیع ہو سکتی ہے اور اسکی معلومات میں گراں بہا اضافہ ہو سکتا ہے مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ہم حصہ دوم وسوم ماہ دسمبر سنہ ۴۳ء تک پیش کر سکیں گے۔

محمد اقبال سلیم گاہندری

سیاسیاتِ عالمِ اسلام

فہرست مضامین

۱	معاملات مصر	۱۹
۲	اس برس کا حج	۳۴
۳	حج اور اس کا فلسفہ	۴۵
۴	گنبد خضرا پر گولہ باری	۷۲
۵	حالات حجاز	۹۲
۶	تمسک بسنۃ الانگلیز	۱۰۱
۷	حجاز پر حملہ کی تحریک	۱۱۰
۸	عالم اسلام کی موتمر	۱۴۲

معاملاتِ مصر

(ہمدرد ۴-۵- دسمبر سنہ ۲۴ء)

(۱۸۲۰ء میں محمد علی پاشا خدیو مصر نے سوڈان کو فتح کیا، اور اس وقت سے یہ مصر کا ایک حصّہ بن گیا، ۱۸۸۰ء سے برطانیہ نے اپنے مخصوص مفاد اور مصالح کے پیش نظر سوڈان کو اپنانے کی کوشش شروع کر دی، ۱۸۹۹ء میں انگریزوں کی ریشہ دوانیاں، اور معرکہ آرائیاں کامیاب ہوئیں اور وہاں برطانیہ کا عمل دخل ہو گیا۔ اور اب یہ طے پایا کہ سوڈان پر مصر اور برطانیہ کی مشترک حکومت رہے۔ یہ بھی طے ہوا کہ سوڈان کا (انگریز) گورنر جنرل مصری افواج کا سردار یعنی کمانڈر انچیف بھی ہوگا۔ لارڈ کچنر کے وقت سے لیکر سر دار سر لی اسٹیک کے وقت تک یعنی ۱۸۹۹ء سے لیکر ۱۹۲۴ء تک یہی صورت رہی۔

گزشتہ جنگ عظیم میں، جو ۱۸ء میں ختم ہوئی، آئرلینڈ، مصر، اور ہندوستان اپنی آزادی کے لئے ساعی تھے، آئرلینڈ نے خونریزی کی اور آزادی کامل حاصل کر لی، مصر میں شورش ہوئی اور وہ بھی کسی حد تک آزادی سے ہمکنار ہوا

ہندوستان میں طوفان آیا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ حکومت نے وعدے کئے تھے کہ جنگ کے بعد جو مانگو گے مل جائیگا۔ لیکن مصر کو سوڈان نہ ملا۔ جو اس کا حق تھا۔ ان وعدہ خلافیوں سے مصر میں انگریزوں کے خلاف سخت غم و غصہ کے جذبات پیدا ہو گئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر کے کمانڈر انچیف اور سوڈان کے گورنر سردار سرلی اسٹیک کو چند آدمیوں نے اسکندریہ میں پستول سے فیر کر کے ۲۰ نومبر ۱۹۲۴ء کو ہلاک کر دیا۔ مصریوں کے غم و غصہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۲ نومبر کو شاہانہ جاہ و تجمل سے موصوف کا جنازہ اٹھا تو اگرچہ اس میں لارڈ ایلنبائی وغیرہ کے ساتھ سعد پاشا زغلول بھی موجود تھے، مگر مصری عوام مٹھیاں دکھا دکھا کر اشارے کر رہے تھے کہ انگریزوں کو فنا کر دو،

سرلی اسٹیک کے قتل پر انگلستان میں طوفان مچ گیا اور لنڈن ٹائمز تک نے حکومت کو "سخت گیری" کا مشورہ دیا۔ حکومت برطانیہ نے مصری حکومت کو الٹی میٹم دیکر حسب ذیل مطالبات اس سے کئے:-

(۱) واقعہ قتل پر حکومتِ مصر اظہار افسوس کرے۔

(۲) سیاسی مظاہروں کو بند کرے۔

(۳) مجرموں کو گرفتار کرے اور سزا دے۔

(۴) سوڈان سے فوج ہٹالے، اور سوڈان کے مطالبۂ الحاق و آزادی سے دست بردار ہو جائے۔

(۵) سوڈان کے اس استحقاق کو تسلیم کرے کہ دریائے نیل سے جتنا چاہے پانی آبپاشی کے لئے حاصل کر سکتا ہے

(۶) مصر میں غیر ملکیوں کی حفاظت کا ذمہ دار برطانیہ کو تسلیم کرے۔

(۷) ۵ ، لاکھ روپیہ تاوان ادا کرے، اور اندرونی نظام میں برطانوی افسروں کو بحال رکھے۔

زاغلول پاشا وزیر اعظم مصر نے اس الٹی میٹم کے ماننے میں تامل کیا، تو لارڈ ایلنبائی نے انہیں متنبہ کیا کہ "مناسب کارروائی کیجائیگی" اور چند گھنٹوں کے اندر ایک بحری جمعیتہ نے اسکندریہ کے محکمہ محصولات بحری پر قبضہ کر لیا۔ آخر زغلول پاشا نے استعفا دیدیا۔ زوار پاشا کی وزارت قائم ہوئی، اور اس نے یہ مطالبات حکومت برطانیہ کے منظور کر لئے۔

یہ تقریر جامع مسجد کے ایک عام احتجاجی جلسہ میں کی گئی تھی۔ مؤلف)

" یہاں سے چند ہزار میل کے فاصلہ پر ایک ملک ہے جس سے نہ ہمارے تجارتی تعلقات ہیں نہ سیاسی رشتے، وہاں ایک واقعہ ہوتا ہے، تم اسے بالکل بھول جاؤ کہ ان کے اخبارات میں تمہارا بھی کوئی ذکر آتا ہے یا نہیں، انکو تمہارے معاملات سے بھی کوئی دلچسپی ہے یا نہیں، وہ تمہارے غم و درد میں کبھی شریک ہوتے ہیں یا نہیں مگر تمہیں اسے خوب یاد رکھنا چاہئے کہ وہ بھی لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں ہمارے بھائی ہیں۔ ہمیں ان سے اسی طرح تعلق ہے جس طرح ہمیں اپنے ملک کے مسلمان بھائیوں سے ہے۔ ہم اور وہ ایک ہی رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ مذہب سارے رشتوں کو توڑ کر صرف خدا کے رشتہ سے سب کو باندھ دیتا ہے۔ اور جب یہ رشتہ ٹوٹا تو پھر کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ تم کو یاد ہے کہ طوفان نوح کے موقعہ پر جب حضرت نوح کی ایک اولاد ڈوب رہی تھی اور آپ نے خداوند کریم کو

اپنی اولاد کے بچانے کا وعدہ یاد دلایا تو صاف جواب ملا کہ یہ تیری اولاد ہی نہیں

پسر نوح با بداں بہ نشست
خاندانِ نبوتش گم شد

مصری ہم سے تعلق نہ رکھتے ہوں، سوڈانیوں کو بھی ہم سے کوئی مطلب نہ ہو لیکن ہمیں اُن سے تعلق اور مطلب ہے، مجھے آپ کے دلوں کا حال معلوم نہیں کہ آپکے دلو نہیں کیا ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ آپ بھی اس ایک وحدہٗ لاشریک کو مانتے ہیں جس طرح میں خود مانتا ہوں۔ اور جو درد میرے دل میں میرے مصری اور سوڈانی کلمہ گو بھائیوں کے لئے ہے آپ کے دلوں میں بھی ہونا چاہئے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کا پیشہ قتل کرنا تھا، اپنی حکومت کے حکم سے اسی فرض پر مامور تھا قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس کا قتل شہر قاہرہ میں ایک یا چند اشخاص سے عمل میں آتا ہے۔ اس قتل پر مقتول کی حکومت قاتل کا پتہ لگانے کے لئے، جو کچھ کر رہی ہے وہ عجیب و غریب ہے۔ قاتل کا پتہ چلانے کے لئے جو کچھ پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے وہ تو ہے ہی۔ مگر آج اس ملک کی آزادی کو صرف ایک قتل کے بدلے میں سلب کیا جا رہا ہے۔ سوڈان کو مصر سے چھینا جا رہا ہے، یہ فعل نہ صرف مصریوں ہی کے خلاف ہے بلکہ سوڈانی خود بھی اسکے بالکل مخالف ہیں باوجودیکہ مصر میں برطانیہ کی فوج مصر کی فوج سے پہلے ہی سے زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی جہاز اور فوجیں برابر بھیجی جا رہی ہیں۔ اخباروں میں نہایت گھمنڈ کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ فلاں سور ہا تھا گرفتار کر لیا گیا۔ فلاں کو جھرنے کے نیچے نہاتے وقت پکڑ لیا گیا بندرگاہ اسکندریہ کے چھاپہ کو فخر کے ساتھ مشتہر کیا جا رہا ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں

جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کس فرعونی غرور و گھمنڈ کے ساتھ یہ پکڑ دھکڑ کی جا رہی ہے۔

تعلقات مصر و سوڈان

مصر و سوڈان کے تعلقات پر صدہا ضخیم کتابیں موجود ہیں اور اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ تاہم میں اختصار کے ساتھ بیان کروں گا۔

محمد علی پاشا جو مقدونیہ کے تمباکو فروش تاجر تھے مصر جا کر قوت حاصل کی اور سلطان المعظم کے فرمان سے وہاں کے گورنر ہوئے۔ اُن کی اولاد کو نہر سویز کے بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ گو وہ اُن سے نہ بن سکی۔ اور ایک فرانسیسی انجینئر اور ایک انگریزی کمپنی نے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا۔ حضرت عمرؓ نے بحر روم کو بحر احمر سے ملا کر یورپ کی عیسائی سلطنتوں کے لئے مقامات مقدسہ کی طرف راستہ بنانے کو گوارا نہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی ممانعت اسلامی مفاد اور اسلامی حکومتوں کے لئے جو عرب و مصر میں تھیں کس قدر ضروری تھی۔ مغرب کی تہذیب و تمدن نے محمد علی پاشا کی اولاد اور مصری حکمرانوں پر اپنا اثر کیا اور وہ یورپ کے حکمرانوں کی طرح عیش و عشرت اور فسق و فجور میں محو ہو گئے۔

میں جب مصر گیا وہ وقت رات کا تھا۔ آدھی شب گزر چکی تھی۔ تاہم اسٹیشن روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اسٹیشن کے باہر بھی سارا شہر روشن تھا اور چہل پہل تھی اور لوگ عیش میں رات گزار رہے تھے، یہ یورپ کی تہذیب کا ثمرہ تھا۔ اور اسی مردود تہذیب کے لئے خدیو مصر کو قرضے لینے پڑے تھے۔ یورپ کے یہودیوں نے اور نصرانیوں نے بھی مہاجنی کی اور بلا روک قرضے دئے گئے تھے۔ یہ سچ ہے

کہ بہت سا روپیہ ملکی اصلاحات کے لئے قرض لیا گیا تھا۔ لیکن خدیو نے بہت کچھ عیش و عشرت میں بھی اڑا دیا تھا۔ یورپ سے ایکٹرسیز آتی تھیں جنہیں پانچ پانچ ہزار دس دس ہزار فیس دی جایا کرتی تھی۔ ملک کی حالت یہ تھی کہ رعایا پر کثیر ٹیکسوں کا بوجھ تھا اور وہ مفلوک الحال ہو رہی تھی۔ چنانچہ ملک کی عام خواہش کے مطابق جو خدیو مصر کے خلاف تھی اعرابی پاشا نے آزادی کی تحریک کی ابتداء کی۔ اور حکومت کی اصلاح کرنی چاہی۔ اعرابی پاشا کی اس تحریک کو بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔ حالانکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ خدیو کو ملک کا سچا خادم بنائے اور رعایا آرام و آسائش سے رہے مگر اس تحریک کو بھی جو مصری فلاح و بہبود کے لئے تھی اس برطانوی حکومت کی امداد سے دبا دیا گیا۔ خود اسکندریا کے شہر میں بلوہ کرا دیا گیا۔ اس کا جواب انگریزی جہازوں کی گولہ باری اور انگریزی فوج کے اوتارنے سے دیا گیا۔

آخرش طل الکبیر میں اعرابی پاشا کو اسی انگریزی فوج سے شکست دی گئی۔ نام کو خدیو کی حمایت اور اسکے خلاف جو فوجی "بغاوت" ہوئی تھی اس کا فرو کرنا مقصود تھا۔ مگر اس دن سے آج تک انگریزی فوج کا قبضہ ہے۔ اور خدیو کا سچا جانشین جنگ یورپ کے زمانہ سے جلاوطن اور تخت و تاج سے محروم ہے۔

برطانیہ نے باوجود اعلانات کے ہمیشہ مصر پر قبضہ جمانے کی کوشش کی ہے۔ نہر سویز کو دونوں طرف سے (مصر اور عرب) قبضہ میں رکھنے کے معنے یہ ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ غلام رکھا جائے۔ لارڈ گرینول کے مراسلہ میں جو ۱۰ جون ۱۸۸۳ء میں لکھا گیا تھا کہ برطانیہ اپنی فوجوں کو مصر سے واپس بلا لے گی بشرطیکہ دول یورپ اس پر متفق ہوں۔ کیا آج برطانیہ دول یورپ سے یہ پوچھنے کیلئے

تیار ہے کہ مصر سے فوج واپس بلالی جائے؟

ابھی جب مصر نے ان معاملات کو مجلس بین الاقوام میں پیش ہونے کے لئے تحریر بھیجی تو مجلس کے سکریٹری نے (جو برطانوی رعایا ہیں) یہ جواب دیا تھا کہ چونکہ تحریر حکومت مصر کی طرف سے نہیں ہے بلکہ صرف مصر کی صحیح نمائندوں کے پارلیمنٹ کی طرف سے ہے اس لئے وہ پیش نہیں ہوسکتی۔ سلطان فواد بادشاہِ مصر کون ہیں! یہ انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے آدمی ہیں۔ اگر دستخط ہوتے تو کیونکر آپ بالکل اسیطرح ہیں جسطرح سلطان وحید الدین تھے۔ اور جس طرح انہوں نے برطانیہ سے یہ کہدیا تھا کہ انہیں تھوڑی سی پنشن دی جائے اور وہ نام کے سلطان رہیں اور برطانیہ جو چاہے کرے۔ اسطرح بہ ظاہر سلطان فواد آج مصر پر حکمراں ہیں

(۲)

فرانس اور برطانیہ کے مابین مصر کے متعلق ہی معاہدہ ہوچکا ہے، تاہم فرانس کی عام رائے اس معاملہ کو مجلس بین الاقوامی میں پیش ہونے پر راضی معلوم ہوتی تھی۔ مصر کو قبضہ میں رکھنے کے لئے برطانیہ نے ۱۹۰۴ء میں فرانس سے یہ سمجھوتہ کرلیا ہے کہ فرانس مراقش پر قابض رہے اور برطانیہ کو مصر پر قابض رہنے دے جب فرانس کی یہ خواہش دیکھی کہ وہ برطانیہ کی نگاہِ آز کو جو مصر پر ہے پسند نہیں کرتا تو اخبارات میں ٹیونس اور مراقش سے یہ خبریں آنے لگیں کہ اہل ٹیونس و مراکش فرانس کے قبضے میں نہیں رہنا چاہتے اسکے بعد مشکل ہے کہ فرانس اس معاملہ میں مصر کی کوئی زیادہ مدد کرسکے۔ برطانیہ نے مصر کی آزادی کو خدیو کی امداد کے نام سے بالکل سلب کرلیا تھا۔ اور سلطان المعظم خلیفۃ الرسول سلطان

ترکی کے اختیارات کو مصر پر جو ان کا ایک باجگزار صوبہ تھا بالکل کالعدم کر دیا تھا۔ جب طرابلس پر اٹلی نے حملہ کیا تھا اور سلطنت ترکی اسکی حقدار تھی کہ مصر کی ولایت موروثی کی شرائط کے مطابق جو محمد علی پاشا نے ٹرکی سے حاصل کی تھی ۱۸ ہزار مصری فوج سے ترکوں کی مدد کی جائے۔ تو لارڈ کچنر نے اس فوجی امداد ہی کو بند نہیں کیا بلکہ ترکی کو بھی اپنی فوج مصر کے راستہ سے طرابلس نہ لے جانے دی برخلاف اسکے تونس نے طرابلس والوں کی ہر قسم کی مدد کی حالانکہ وہاں بھی غیروں کا یعنی فرانس کا قبضہ تھا۔ گو یہ امداد بھی فرانس کی خلاف مرضی کی گئی تھی۔

مصر سے فوج لیجانے سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں کے ہاتھ سے وہ ملک نکل گیا۔ ان واقعات سے آپ برطانیہ کی حرکات کا اندازہ کیجئے۔ مصر سے ہمیشہ انہوں نے یہ کہا کہ اگر وہ چپ رہے تو اُسے سب کچھ ملیگا بیچارے مصری زمانۂ جنگ میں خاموش رہے مگر کبھی کچھ نہ پایا۔ اور ملا تو یہ کہ جس صیانت سے پہلے برطانیہ نے ہمیشہ محترز رہنے کا اقرار کیا تھا وہی قائم کر دی۔

انہیں جو کچھ ملا کب ملا؟ جب انہوں نے ہنگامہ شروع کیا اور ایک طرف تو کشت و خون ہوا اور دوسری طرف مہاتما گاندھی کی طرح انہوں نے عدم تعاون شروع کر دیا۔ اور برطانوی صیانت کے خلاف ترک موالات کا اعلان کیا سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں۔ تمام دفاتر خالی ہو گئے اور حکومت کا کام چلنا محال ہو گیا۔ اسوقت جاکر برطانیہ نے صیانت سے دست برداری کا اعلان کیا۔ فروری ۱۹۲۲ء میں کئی سال کی جد و جہد کے بعد مصر کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ مگر پھر بھی چار امور کو طے نہیں کیا گیا۔ اور کسی آئندہ وقت کے لئے ان امور پر

گفت وشنید کو اور آخری فیصلے کو ملتوی کر دیا گیا۔ اس میں سے ایک تو سوڈان کا مسئلہ تھا دوسرے نہر سویز پر تحفظ کے لئے سپاہ رکھنے کا معاملہ اور تیسرا مصر میں مالی اور عدالتی معاملات میں برطانی مشیروں کے "مشورہ" کا مسئلہ، اور چوتھا مصر کو غیر ملکی حملے سے بچانے کا معاملہ تھا۔

مصر و ہندوستان

ایک طرف نہر سویز پر اور دوسری طرف فلسطین پر قبضہ رکھنے کی مثال گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے دو رکابوں کی مثال ہے جن میں سوار اس لئے اپنے پیر ڈالے رہتا ہے کہ گھوڑے پر ران خوب جمائی جا سکے۔ دونوں رکابیں مصر و فلسطین بلکہ سارا جزیرۃ العرب ہے اور گھوڑا جس پر سواری کی جا رہی ہے یہ غلاموں کا ملک ہندوستان ہے اسی کی غلامی کے لئے ساری اسلامی دنیا اور کل مشرق کو غلام بنایا جا رہا ہے۔

آپ کو معلوم ہے مصر میں برطانیہ کا کس طرح داخلہ ہوا۔ کہا تو جاتا ہے کہ ہندوستان کو انگریزوں نے فتح کیا۔ گو ہماری فوجوں اور ہمارے ہی روپے سے ہندوستان کی فتح ہوئی۔ مگر کیا مصر کو اس انوکھے طریقے سے بھی فتح کیا گیا؟ ایک موقعہ پر بھی اور ایک جگہ بھی برطانوی فوج نے ملک مصر کو فتح کرنے کے نام سے مصری فوج کا مقابلہ نہیں کیا۔

مصر نے محمد علی پاشا ہی کے زمانہ میں برطانیہ کے ورود سے ساٹھ برس پیشتر سوڈان کو فتح کر لیا تھا۔ برطانیہ کے ورود کا تو الٹا یہ اثر ہوا تھا

کہ برطانوی افسروں کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور سوڈان مصر کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہکس پاشا کپتان بے۔ جنرل ہکس اور خود گارڈن پاشا نے شکستیں کھائیں اور بالخصوص موخر الذکر کی شکست و موت کا باعث تو لارڈ کرومر اور حکومت برطانیہ کا تساہل تھا۔

مصر سے برطانیہ کا ایجنٹ حکومت برطانیہ کو سوڈان میں مدد دینے کے لئے لکھتا تھا مگر جواب یہی ملتا تھا کہ ہم فوجی مدد نہیں دے سکتے۔ خدیو کے وزراء کو مشورہ دو کہ سوڈان پر صبر کریں اور اسکی واپسی کے خیال کو چھوڑ دیں جب تک سید احمد مرحوم الملقب بہ مہدی زندہ رہے انگریزی افسران فوج کو پیہم شکستیں ہوتی رہیں۔ جب ۱۸۸۵ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے خلیفہ کو تقریباً بارہ برس تک مصر کی انگریزی فوج سے کچھ بھی صدمہ نہ پہونچ سکا البتہ جب مصر کی مالی حالت بہتر ہوئی اور مصری فوج تیار ہو گئی تو اسوقت لارڈ سالسبری نے پھر پھریری لی اور لارڈ کچنر کی سرکردگی میں مصری فوج نے مصری روپے سے سوڈان کو انیسویں صدی کے اختتام پر فتح کیا۔ جب سوڈان دوبارہ فتح ہوا تو سوڈانی حکومت میں برطانیہ نے اپنا حصہ طلب کیا۔ اور حکومت ساری دنیا سے انوکھی کانڈومینیم یعنی مشترک حکومت قائم کی گئی۔ یہی وہ سانجھے کی ہنڈیا ہے جسے آج چوراہے میں پھوڑا جا رہا ہے۔ تین برس کے عرصہ ہی میں سوڈان پر فوج کشی کے اخراجات تقریباً چار کروڑ روپے ہوئے تھے۔ جس میں سے برطانیہ نے کل ایک لاکھ بیس ہزار دیا تھا اور باقی سارے خرچ کا بار مصری خزانہ پر پڑا تھا۔ سوڈان کے اسطرح دوبارہ فتح ہونے کے

بھی ہر سال بجٹ کی کمی کو صرف مصری خزانہ پورا کرتا رہا۔ یہانتک کہ کوئی دس بارہ برس ہوئے کہ یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آئندہ سوڈانی بجٹ میں کمی نہ ہوا کرے۔ سوڈان پر جو مصر کا صرف ہوا اسکا فائدہ آج صرف برطانیہ اُٹھانا چاہتی ہے۔ وہاں ایک بند باندھا گیا ہے جس سے اگر چاہیں تو انگریز مصر کو تباہ کر سکتے ہیں یعنی نیل کے پانی کو جس کی طغیانی پر نہ کہ آسمانی بارش پر مصر کی زرخیزی کا دارومدار ہے۔ سوڈان ہی میں روک سکتے ہیں۔ دریائے نیل مصر کی "حبل الورید" ہے اور جو شخص سوڈان پر قابض ہوگا اسی کے ہاتھ میں بظاہر مصر کی جان ہوگی۔ انیسویں صدی کے اختتام سے آجتک سوڈان کی حالت یہ رہی ہے کہ مصری فوج کا انگریزی سردار سوڈان کا گورنر جنرل ہوتا ہے اور انگریزی فوجی افسر صوبوں کے گورنر یا مدبر ہوتے ہیں اور ان کے تحت ہیں مصری فوجی افسر ضلعوں کے حاکم یا مامور ہوتے ہیں۔ مصری فوج کے دستے سوڈان میں انگریزی فوج کے ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مصری فوج سوڈانیوں میں برطانیہ کے خلاف پروپگنڈا کرتی ہے اسلئے اسے سوڈان سے نکالا جا رہا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ سوڈانی یہ کہتے ہیں کہ مصری افسروں کو بھی جو سوڈان میں مامور ہیں نکال دیا جائے۔

حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ سراسر غلط ہے، اور سوڈانی ہرگز انگریزی حکام کو، یا انگریزی حکومت کو، مصری حکام، یا مصری حکومت پر ترجیح نہیں دیتے۔

سوڈان کی اہمیت

سوڈان کی قدر و منزلت انگریزوں کے نزدیک زیادہ تر اسلئے ہے کہ مانچسٹر کے پارچہ بافی کے کارخانوں کے لئے سوڈان کی زمین میں کپاس پیدا کی جائے۔ کوئی ان بندگانِ خدا سے پوچھے کہ تم ۱۸۸۲ء میں مصر میں اس نیت سے آئے تھے کہ مقبوضہ ملک میں تمہارے کارخانوں کے لئے روئی مہیّا کی جائے؟ اور کیا آج دو قومیں مصری، اور سوڈانی جو دراصل ایک ہی اسلامی ملّت ہیں اپنی آزادی کو تمہارے کارخانوں کے فائدہ پر نثار کر دیں؟

مصر میں بھی وہی ہو رہا ہے جو بنگال میں ہوا۔ لوگ بلا کسی ثبوت کے گرفتار کر لئے جاتے ہیں، اور کچھ اسکی بھی قید نہیں ہے کہ سرلی اسٹیک کے قتل سے ان کا تعلق ہو۔ بعض سر برآوردہ اصحاب اور ممبران وزارت کے متعلق تو یہ کہا گیا ہے کہ ان پر لارڈ الینبی کے قتل کرنے کی نیّت کا شبہہ کیا جاتا ہے۔

مصر میں آج ایک انگریز قتل ہو جاتا ہے تو اس پر اتنا کہرام مچایا جاتا ہے اور سارے ملک کی آزادی کا خون کیا جاتا ہے تو اس پر ایک شخص بھی ایک آنسو گرانے تک کے لئے تیار نہیں۔ بظاہر آج مصر کمزور اور بے یار و مددگار ہے۔ مگر خداوند کریم، کمزوروں کی قوتِ بازو ہے۔ اور انہیں طاقتوروں پر فتح عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ حق پر ہوں۔ کَم مِن فِئَۃٍ قَلِیلَۃٍ غَلَبَتۡ فِئَۃً کَثِیرَۃً بِاِذنِ اللّٰہ پر آج بھی ہمارا ایمان ہے۔ جس پروردگار نے فرعون اور

اسکی فوج کو تباہ کیا تھا۔ اور بنی اسرائیل کو ان کی غلامی سے نجات دی تھی آج بھی وہ فرعونیت کو غرق دریا کرے گا اور ہمارے مصری بھائیوں کو غلامی سے نجات دلائے گا۔

مصر سے تو آپ سب واقف ہیں البتہ سوڈان اور اسکی گرد دنواح کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہاں کون لوگ بستے ہیں۔ میں جب وفد خلافت میں ۱۹۲۰ء میں یورپ جا رہا تھا تو باوجود ہر طرح کی کوشش کے یہ ممکن نہ ہوا کہ عدن میں اتر سکوں اسلئے کہ ڈاکٹر طبی معائنہ کے لئے جہاز کی روانگی سے پہلے نہ آسکا، اور میں عرب کی پاک سرزمین پر قدم نہ رکھ سکا بعد کو سوچا تو اس میں بھی میرے لئے ایک انتباہ تھا۔ جزیرۃ العرب کی سرزمین پر کفار کا قبضہ تھا اور اب تک ہندوستان کے مسلمانوں نے اسکے چھڑانے کے لئے کچھ نہ کیا تھا، بلکہ الٹا ہندوستانی اور عربی افواج ہی نے اس پر کفار کا قبضہ کرایا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ خداوند کریم مجھ سے پوچھتا کہ

تو بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی!

عدن میں تو اُترنا نہ ہوا، البتہ افریقہ کے ساحل پر مصوّع کی بندرگاہ میں جس پر اٹلی کا قبضہ ہے، اٹلی کی کمپنی کا جہاز جس میں ہم جا رہے تھے لنگر انداز ہوا۔ اور وہاں ہم سورج غروب ہوتے وقت اترے۔ حی علی الصلاح حی علی الفلاح کی آواز میں خاص کشش تھی اور ہم مسجد میں داخل ہوئے۔ یہاں چند سیاہ فام حبشی، گھونگر والے بال والے۔ موٹے موٹے لال ہونٹوں والے ہمارے ساتھ نماز میں شریک تھے۔ نہ معلوم میرے متعلق وہ اسوقت کیا سمجھے کیونکہ ایک اجنبی

شخص انگریزی وضع کا لباس پہنے ان کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ اور اسکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میرے رونے کا سبب وہی تھا جو ایک بار اذان کی آواز سننے پر حسین علیہ السلام اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے پھوٹ پھوٹ کر رونے کا سبب ہوا تھا۔ نماز کی صف کے ساتھیوں کو دیکھتے ہی مجھے اسلام کا وہ پہلا موذن یاد آ گیا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کو صلوٰہ، و فلاح کی طرف بلایا کرتا تھا۔ انگریز حدیث نبوی کا یہ ٹکڑہ تو سیکھ گئے ہیں کہ امامت قریش میں ہے لیکن یہ بھول گئے کہ اذان حبشہ میں ہے۔ اے برادرانِ ملت! ہم اور آپ اپنے کاروبار کے علاوہ تمام دنیا و ما فیہا سے بیخبر ہیں لیکن آج بلالؓ حبشی کی برادری ہم کو اصلی فلاح کی طرف بلا رہی ہے جو اسلام کے رشتۂ اخوت کے قایم رکھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ میں خود تو ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ بھی برادرانہ برتاؤ کرنے کی مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں۔ لیکن اگر اس دعوت پر مسلمان لبیک نہ کہیں اور یہ عذر کریں کہ ہندو ہمارے دینی بھائی کہاں ہیں؟ تو کیا سوڈانیوں اور مصریوں کو بھی اسلامی بھائی چارہ سے محروم کیا جائیگا۔ آپ میری پہلی دعوت کو مانیں یا نہ مانیں، کیا آپ مسلمانوں سے بھی برادری کا برتاؤ نہ کریں گے؟ اور کیا آپ حکومت ہی کے ساتھ تعاون، اور اسی کے ساتھ موالاۃ کریں گے؟ میں تو ہر اس ہندوستانی سے جو مصر و سوڈان کا گلہ گھوٹنے بھیجا جائے کہوں گا کہ مصریوں کا گلا نہ گھونٹو۔ سوڈان کے حبشیوں کے گلے پر چھری نہ چلاؤ۔ اسکی بجائے تمہیں گلا گھونٹنے کے لئے دو موٹے موٹے گلے محمد علی و شوکت علی کے یہیں مل سکیں گے۔ ہم تو غلام ہیں ہم مصریوں یا

یا سوڈانیوں کی مدد کر ہی کیا سکتے ہیں۔ تاہم ہمیں ان کے غم میں شریک ہونا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

میں نے جیسا کہ پہلے کہا تھا آج پھر کہتا ہوں کہ جب مصریوں کو غلام بنالیا جائیگا تو ہندوستان کو بھی انہیں کے ذریعے سے پابند زنجیر رکھا جائے گا۔ آپ کو یاد ہوگا، ستیہ گرہ کے زمانہ میں دلّی میں نیپالی فوج کو استعمال کیا گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے نیپال کیونکر قبضے میں آیا تھا۔ نیپال کو فتح کرنے کے لئے سو برس ہوئے کہ ہندوستان کی فوج گئی تھی۔ اور آج انہیں کی فوج ہماری غلامی کو قائم رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ میں تو کہوں گا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ پارسی عیسائی ہندو سب اس سے انکار کر دیں اور صاف اعلان کر دیں کہ وہ مصر و سوڈان کی غلامی میں بالکل الگ رہیں گے اور برطانیہ کو کوئی مدد نہ دیں گے۔ تاکہ مصر کی فوج ہمیں غلام بنانے کے لئے نہ استعمال کی جاسکے۔

اس برس کا حج

(ہمدرد - ۳۰ - اپریل ۱۹۲۵ء)

یہ وہ زمانہ ہے کہ حجاز میں سلطان ابن سعود نمایاں ہو رہے ہیں خاندان شریفی سے حرب بیکار کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے سر حبیب اللہ، وائسرائے کونسل کے ممبر تھے انکی کوشش تھی کہ اس سال راستہ پُر خطر ہے لہذا حج ملتوی کر دیا جائے - علی برادران اس خیال کے شدید مخالف تھے - محمد علی دہلی میں تھے اسلئے وہ حکومت کی خوب خوب خبر لے رہے تھے -

مضمون ذیل سے انکے تاثرات کا اندازہ ہوگا - مؤلف

الحمد للہ کہ حکومت نے اس برس کے حج کے مسئلہ پر توجہ فرمائی اور ایک اعلان شایع کیا ہے لیکن افسوس اسکا ہے کہ جن اطلاعوں کے فراہم کرنیکی ہمیں حکومت سے اُمید تھی وہ مطلق پوری نہیں ہوئی - ہم سے کہا جاتا ہے کہ برطانوی قنصل حدود جدہ میں بند ہے اور عام اطلاع کیلئے صرف اسیقدر شایع کیا گیا ہے کہ جدہ میں بیٹھے بیٹھے معلوم ہو سکا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسا امر مانع ہے کہ قنصل برطانیہ ان تاروں سے باہر نکلکر جنہیں اپنی حفاظت کیلئے امیر علی نے جدہ کے گرد لگایا ہے اور جنکے اندر وہ محصور ہے سلطان ابن سعود یا انکے نمایندوں سے گفت و شنید کرے یا اپنے قاصد کو بھیجکر مزید اطلاعات حاصل کرے اگر حکومت چاہتی تو امیر علی کو ابتک کب کا اس امر پر رضا مند کر لیا گیا ہوتا کہ

جتنے حاجی ہندوستان سے جائیں انکو جدہ جانے دے خواہ وہ ایام حج میں جنگ روکنے پر راضی ہو یا نہ ہو۔ اور حاجیوں کی رسد بھی جدہ کی بندرگاہ سے بلا محصول جانے دے لیکن اگر حکومت یہ نہیں کر سکتی جسکے یہ معنی ہیں کہ کرنا نہیں چاہتی تو کم سے کم اسکا قنصل مقیم جدہ سلطان یا اسکے نمایندوں سے خط و کتابت تو کر سکتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ قنصل خانے نہ ہوتے تو جدّہ کب کا فتح بھی ہو گیا ہوتا۔ مگر یہاں تو طبیب و عطار کو نہ مریض کے اچھا ہو جانے میں فائدہ ہے نہ مر جانے میں بلکہ اسکے سکتے، اور ہمیشہ زیر علاج رہنے ہی میں فائدہ ہے۔

ینبع کے متعلق ابتک سلطان ابن سعود نے کوئی اطلاع نہیں دی ہے کہ وہ امیر علی کے قبضے میں ہے یا گیا۔ مگر خلافت کمیٹی کے وفد حجازی نے اطلاع دی تھی کہ اہل مدینہ منورہ بالکل آمادہ ہیں کہ جب سلطان ابن سعود اپنی فوج اور اپنے نمائندے وہاں بھیجیں وہ انکی اطاعت قبول کریں اسلئے کہ وہ امیر علی سے بالکل بیزار ہیں۔ اور وہاں امیر علی کا کوئی فوجی یا ملکی اقتدار اب باقی نہیں ہے۔ وجیہہ کی بندرگاہ پر قبضہ کرنے کے لئے جو اقدام سلطان ابن سعود نے کیا ہے وہ جیسا کہ رائٹر کے تار سے ظاہر ہوتا ہے اسلئے ہے کہ حجاز ریلوے پر جو مدینہ منورہ کو جاتی ہے قبضہ کر لیا جائے۔ اور مدینہ منورہ کا راستہ بھی صاف کر دیا جائے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر اسوقت تک مدینہ منورہ اور ینبع پر سلطان ابن سعود کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو یہ بھی نہیں ہے کہ وہاں امیر علی کا قبضہ باقی ہے۔ اسکے متعلق قنصل صاحب سلطان ابن سعود سے دریافت کر سکتے ہیں کہ واقعی حالت کیا ہے۔ بجائے اسکے کہ جدّہ ہی میں براجتے ہوئے اپنی مظنونات شبہات، اور توہمات سے ہندوستان کے عازمان حج کو اور پریشان کریں

رہا قنفذہ کا معاملہ تو اسکے متعلق تو وفدِ خلافت نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہیں سے مکہ معظمہ کو رسد جارہی ہے۔ جہینوں پہلے کی یہ حالت ہو تو آج قنصل صاحب کا فرمانا کہ نہ معلوم قنفذہ سلطان ابن سعود کے قبضے میں ہے یا ادریسیوں کے تجاہل عارفانہ نہیں تو تجاہل عامیانہ سے بھی بدتر ہے۔ کیا حکومت اس کے متعلق قطعی طور پر نہیں کہہ سکتی کہ وہاں کس کا قبضہ ہے۔ بالخصوص جبکہ سلطان ابن سعود بہ بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ ہم نے وہاں عازمانِ حج کے لئے پورا پورا بندوبست کر لیا ہے اور ہم انکی جان اور مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں کل ہی کی بات ہے کہ حدیدہ تک جو قنفذہ سے بہت جنوب میں ہے اور عسیر اور یمن کی سرحد پر ایک مشہور بندرگاہ ہے وہ بھی ادریسیوں کے ہاتھ سے نکلکر امام یحییٰ والی یمن کو ملگیا۔ لیکن جدّہ کے براجمان قنصل صاحب برطانیہ ابھی قنفذہ ہی کے متعلق مطمئن نہیں کہ وہاں کس کی حکومت اور کس کا انتظام ہے حالانکہ نہ صرف ارشعبان کی دعوت عامہ میں بلکہ ۱۔ شعبان کے اس خط میں جو مولینا شوکت علی صاحب کو موصول ہوا ہے۔ سلطان ابن سعود نے صاف صاف تحریر کیا ہے کہ قنفذہ پر اُن کا قبضہ ہے۔

اگر آج اہل ہند اس ہندوستان کے وسیع محبس میں مقید اور مجبوس نہ ہوتے تو خلافت کمیٹی نے کب کا دو چار معتمد اور ہوشیار نمائندوں کو قنفذہ لیت اور رابغ بھیجکر سب حالات سے عازمانِ حج کو واقف کر دیا ہوتا۔ اب سوائے اسکے چارہ نہیں کہ حکومت جو ہمیں قید کئے ہوئے ہے خود اس بات کا ثبوت دے کہ اس نے واقعی حالات دریافت کرنے کی کوشش کی ہے

اور صحیح حالات سے اہل ہند کو واقف کرنا چاہتی ہے۔ ابتک ہمکو اس کا
ذرہ برابر بھی ثبوت نہیں ملا اور جو شبہات دلوں میں پیدا ہوتے ہیں
وہ سب کے سب حکومت کے خلاف ہیں لیکن اگر حکومت آج بھی
چاہتی ہے کہ ان شبہات کو رفع کرے تو مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی
اور مولوی سید مرتضیٰ صاحب ممبران لیجسلیٹو اسمبلی کو قنفذہ، لیث اور
رابغ بھیجے اور اگر وقت کافی ہو تو ان کو مکہ مکرمہ تک جانے کا موقع دے
تاکہ وہ سب حالات سے اہل ہند کو مطلع کریں۔ ابھی جناب قنصل کا جواب
آیا بھی نہ تھا کہ سرکار کی نامزد کردہ حج کمیٹی نے عازمان حج کو حج کا ارادہ
کرنے سے روکنا شروع کر دیا۔ اب حکومت اعلان کرتی ہے کہ گو قنصل
کا جواب نہیں آیا تھا مگر جہازی کمپنیاں کہتی ہیں کہ لیث اور قنفذہ کے
بندرگاہ جہازرانی کے لئے خطرناک ہیں۔ مولانا شوکت علی صاحب نے
عربوں سے دریافت کر کے لکھا تھا کہ بڑے جہاز بھی وہاں جا سکتے ہیں
اور سلطان ابن سعود نے تو عالم اسلام کو دعوت دیکر خود اس کا اعلان
کر دیا ہے کہ وہ اور اہل مکہ جو حاجیوں کے منتظر اور محتاج ہیں ان بندر
گاہوں کو خطرہ سے خالی سمجھتے ہیں۔ اب اسکے متعلق قطعی فیصلہ کرنے کی یہی صورت
ہے کہ بمبئی میں خلافت کمیٹی اور جہازی کمپنیوں کے نمائندوں کو ایک دوسرے
سے گفت و شنید کا موقعہ دیا جائے اور بمبئی حج کمیٹی کے ارکان معہ اپنے
صدر، پولیس کمشنر کے وہاں موجود ہوں اور خوب جرح و تقریریں کی جائے
اور اس جلسہ کی کارروائی اور نتیجہ سے مسلمانان ہند کو مطلع کیا جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر حکومت یہ نہیں چاہتی کہ مسلمانان ہند حج کو جائیں تو ہزار بہانے نکل سکتے ہیں۔ کونسی جہازی کمپنی ہے جو اسکی مرضی کے خلاف کہہ سکتی ہے کہ ہم حاجیوں کو ان بندرگاہوں میں بخیر و خوبی اُتار سکتے ہیں۔ بہرکیف ہم کو اسکی اطلاع درکار ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو ان بندرگاہوں میں جہازرانی کے لئے خطرہ کا موجب ہے یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ ایک بحری دولت کے قدوم میمنت لزوم کے بعد ہندوستان کی جہازرانی کا خاتمہ ہوگیا اور کم از کم پڑھے لکھے لوگوں میں اب شاید ہی کوئی شخص ایسا ہے جو کسی جہازی کمپنی کے چھوٹے سے چھوٹے بیان کی بھی تنقید کر سکے۔ لیکن جہازی کمپنیوں میں اب بھی کام کرنے والوں کی بڑی تعداد ہندوستانی مسلمانوں کی ہے اور ممکن ہے کہ ان میں چند ایسے نکل آئیں جو صریح جھوٹ کو پکڑ سکیں اس لئے ضرورت اسکی ہے کہ ہمیں تفصیل کے ساتھ بتایا جائے کہ ان بندرگاہوں میں یہ نقایص ہیں اور ان وجوہ سے ان نقایص کی اصلاح نہیں ہوسکتی مولانا شوکت علی صاحب کے آخری اعلان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کمپنیاں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتیں۔

رہا اُن بندرگاہوں میں اُترنے کا انتظام، سو کیا سر محمد حبیب اللہ جنہوں نے اپنے اسلام اور ایمان کا ادّعا اس زور شور سے کیا تھا اور کم از کم محمد علی جیسا صاحب کو تو اپنی محبتِ اسلام کا قائل کر چکے تھے اتنا انتظام نہیں کرا سکتے کہ جس قسم کی کشتیاں مسافروں کو جہازوں سے اُتار کر ساحل تک لیجاتی ہیں قنفذہ لیت اور رابغ میں سے ایک ہی مقام پر جمع ہو جائیں اور کمپنیاں مسافروں سے

جہاز کے کرایہ کے علاوہ کشتی کا کرایہ بھی وصول کرلیں؟ سر محمد حبیب اللہ اُسی حکومت کے رکن ہیں جس نے ایام جنگ میں ہندوستان تک سے سمندر کو طے کرا کے دجلہ میں چلنے کے لئے بصرہ کو کشتیاں بھجوائی تھیں لیکن اُس وقت ارکان حکومت ہند کو عراق کو حکومت اسلامیہ کے قبضہ سے نکالکر دشمنان اسلام کے قبضہ میں لانا تھا۔ اگر آج اُسی حکومت کے ایک رکن کو اسکی بھی کہ مسلمانان ہند فریضۂ حج کو ادا کرلیں اتنی ہی خواہش ہو جتنی حکومت ہند کو عراق کے فتح کرنے کی تھی تو یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ایک مہینہ میں سارا انتظام ہوسکتا ہے۔

رہا تار کا سلسلہ اگر اُسکی سخت ضرورت ہے تو کیا لاسلکی پیغامات کا بندوبست نہیں ہوسکتا؟ یہ چیزیں تو اب ہر فوجی کمپنی کے ساتھ ہوتی ہیں اور تقریباً اتنی ہی عام ہوچلی ہیں جتنی کہ انسانوں کے کان اور مُنہ۔ حقیقت یہ ہے کہ عذرات کی لمبی چوڑی فہرست پیش کرنا آسان ہے مگر ضرورت کا بہم پہنچانا بھی، اگر بہم پہنچانے کی ضرورت کا احساس ہو، کچھ مشکل نہیں۔

ہم سر حبیب اللہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی آپکو مکّہ والوں کی مصیبت اور عازمانِ حج کے شوقِ طواف کعبہ کا بھی احساس ہے۔ یا صرف اسی کا احساس ہے کہ دوسرے ارکان حکومت کی ہمنوائی کے بغیر آپ کا رکن حکومت رہنا آسان نہیں۔ دنیا کی دولت اور عزّت ناپائدار چیزیں ہیں، ان العزة للہ جمیعا حقیقی عزت تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی دی ہوئی دولت اور عزت کو قرار اور پائداری ہے۔ سر محمد حبیب اللہ ہندوستان کے خزانے سے سالانہ

دسی ہزار روپیہ کی بیش قرار رقم پاتے ہیں اور اسکی ادائیگی میں اُن کے اُن غریب
مسلمان بھائیوں کا بھی حصّہ ہے جن میں سے لاکھوں کروڑوں کی آمدنی ہندوستان
کی عام آبادی کے اوسط تیس روپیہ سالانہ سے بھی کم ہوگی - اگر ایک مسلمان کا تقرر
اس جگہ نہ ہوا ہوتا تو مسلم لیگ کی طرف سے "صدائے احتجاج" بڑے زور شور سے
بلند ہوتی - اور پنجاب کے مسلمان اہل قلم آسمان کو سر پر اُٹھا لیتے کہ سب عہدے
ہندوؤں کو دئے جا رہے ہیں - سر محمد حبیب اللہ صاحب کو خود اس کا اعتراف
ہوگا کہ ہندوستان میں اس گئی گزری حالت میں بھی سیکڑوں ایسے ہیں جو
ان سے زیادہ قابلیت اور اہلیت رکھتے ہیں، اور مسلمانوں میں بھی کوڑیوں ایسے
نکل آئیں گے لیکن حکومت کی نظر انتخاب نے بوجوہ خاص ان کو پسند فرمایا ہے
اور وہ اس جلیل القدر عہدے پر ممتاز ہیں - اُن کی بیش قرار تنخواہ، ان کے
خطابات، ان کی پندرہ ضرب توپ کی سلامی، یہ سب انکو مبارک ہوں - مگر ان
سب دنیوی سعادتوں کے علاوہ اگر وہ محبت اسلام کا بھی ادعا فرمائیں گے
توضرور ہر مسلمان ان سے سوال کرے گا کہ آپ کے اسلام نے تو آپ کو یہ سب کچھ
دلوایا مگر آپ بتائیے کہ آپ نے اسلام کو کیا دلوایا -

جہانتک ہمارا خیال ہے چرچ یعنی کلیسا کا سارا محکمہ انہیں کے عہدہ سے
تعلق رکھتا ہے، کیا وہ حلفیہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے حج بیت اللہ کے لئے
مسلمانوں کی اتنی ہی خدمت کی ہے - جو ان کے ایک عیسائی پیشرو، سر ہارکرٹ
بٹلر نے کلیسائے عیسوی کی کی تھی ؟ آج وہ عید کرنے اپنے وطن تشریف لے
گئے ہیں - عید منانا مسلمانوں کا شعار ہے، لیکن حج کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا

ان جیسے مقتدر مسلمان کا اس سے بھی زیادہ شعار ہونا چاہئے۔ انہیں کا ایک مسلمان بھائی محمد شفیع داؤدی بھی ہے جو ترکی ہلال احمر کے وفد کے ساتھ ساتھ گھومنے کے بعد اب عازمان حج کے لئے سہولتیں مہیا کرنے کی غرض سے بمبئی گیا ہوا ہے۔ کیا سر محمد حبیب اللہ بمبئی تشریف نہیں لاسکتے تھے اور خود جہازی کمپنیوں سے دریافت حال نہیں فرما سکتے تھے؟ مگر وہ تو مدراس میں بیٹھے ہوئے یہ سمت پوچھ رہے ہیں کہ حکومت اسکی کس طرح ذمہ داری لے سکتی ہے کہ عازمان حج کو بخیر و عافیت ساحل عرب تک پہنچا دیا جائیگا۔ اور فرماتے ہیں کہ عام لوگ تو ساحل عرب تک کی ذمہ داری اور اندرون ملک عرب کی ذمہ داری میں فرق نہ کر سکیں گے۔

سر محمد حبیب اللہ شاید بھول گئے ہیں کہ جب ترک شریک جنگ ہوئے تھے تو حکومتِ برطانیہ نے عازمانِ حج اور زائرین کے لئے راستے صاف ہونے کی شرط لگا دی تھی۔ ورنہ مقامات مقدسہ کے بھی حملہ اور دست برد سے محفوظ و مصئون رکھنے کا وعدہ کرنیکو وہ تیار نہ تھے۔ جو حکومت بحالت جنگ بھی دشمنوں کو اس طرح ذمہ دار ٹھہرا سکتی تھی کیا وہ دوستوں سے اس کا عہد بھی نہیں لے سکتی کہ امیر علی کا ٹوٹا پھوٹا ایک اسٹیمر کا "مصائی بیڑہ" حاجیوں کے جہازوں پر حملہ آور نہ ہوگا؟ ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

رہی اندرون ملک کی ذمہ داری، سو خدا وہ دن نہ لائے کہ کوئی مسلمان کسی

کافر حکومت کو، گو سر محمد حبیب اللہ ہی اُس کے رکن کیوں نہ ہوں، عرب کے ملک میں کسی مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرائے۔ حاجی بیوقوف سہی، مگر اتنے بیوقوف بھی نہیں، اور جب شریف بے شرف کے زمانہ ہی میں حاجیوں نے اس حکومت کو حاجیوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جس نے شریف کو ملک الحجاز بنایا تھا تو اب کون ایسا بیوقوف ہے جو اس حکومت کو ذمہ دار ٹھہرائیگا اور اسکے بھروسے پر خانہ خدا کے طواف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کو جائیگا؟ سر محمد حبیب اللہ معاف فرمائیں، یہ سب کام نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ اور ان کی محبت اسلام کے ادّعا کی حقیقت ہمیں پہلے معلوم نہ تھی تو اب ان کے نہایت تکلیف دہ بیان سے واضح ہوگئی۔ اگر وہ آج اس بیان کے متعلق خود اپنے متعلقین سے رائے لیں گے تو کوئی انکی اس معذرت کا سراہنے والا انہیں اپنے اہل بیت میں سے بھی شاید نہ ملے۔

انہوں نے اپنی حکومت کو جو سرٹیفکٹ عطا فرمایا ہے اسکی وجہ سے آج ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جو اس حکومت کی بیغرضی کا قائل ہو۔ مکّہ معظمہ کی حکومت کی باگ کس کے ہاتھ میں ہو، اسکا فیصلہ عرب ہی نہیں بلکہ مسلمانانِ عالم کریں گے اور یقیناً اسکا فیصلہ کوئی سر حبیب اللہ صاحب کی حکومت سے کرانا نہیں چاہتا۔ مگر جس حکومت کے متعلق لندن کے "ڈیلی کرانیکل" نے صاف صاف لکھدیا ہو کہ اگر خلافت کا فیصلہ مسلمانانِ عالم کریں، اور ہر ملک کے مسلمانوں کو آبادی کے لحاظ سے رائے دینے کا حق دیا جائے تو پھر مسلمانانِ ہندوستان جو ہم سے بیزار ہیں

ایک ایسا خلیفہ منتخب کرا سکیں گے جو اُن کے مرضی کے موافق ہوگا، اور یہ کبھی ہماری حکومت کو گوارا نہیں ہو سکتا، اس حکومت کی اس جنگ میں بے غرضی کا دلکو یقین نہیں ہوتا۔ خواہ سر محمد حبیب اللہ ہی بادّعائے حُبِ اسلام اُسے سرٹیفکٹ کیوں نہ عطا فرمائیں۔ ان کے بیان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ع ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد، اور ع جس کا کھاتے ہیں اسکا گاتے ہیں، "ہمیں کوئی سرکاری اطلاع نہیں"، صرف محمد شفیع ہی کہتے ہیں کہ ابن سعود نے تین بندرگاہوں پر اُترنے والے حاجیوں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے" وغیرہ وغیرہ۔ حبیب اللہ صاحب موصوف بالقابہ سے کوئی پوچھے کہ حضرت امیر البحر نلسن کی طرح پھوٹی ہوئی آنکھ پر دوربین لگائیگا تو سوائے اسکے کیا ہوگا کہ کچھ نہ سوجھے۔ اگر آپ حقیقت حال دریافت کرنا چاہتے ہیں تو "اپنی" حکومت کے وسیع ذرایع سے کام لیجئے۔ اگر یہ صرف "بہانۂ بسیار" ہی تک ہے تو آپ کیوں خواہ مخواہ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ گناہ بٹورنے سے کیا فائدہ؟ خاموش رہئے۔ حکومت کی کرسی سے آپ کو کوئی مسلمان، کوئی عازم حج بیت اللہ و زیارت روضہ رسول اللہ نہیں اتار سکتا۔ اس کہنے سے کیا حاصل کہ "سب چیزوں پر غور کرنیسے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان امسال حج کو نہ جائیں"، پڑھئے اس دردناک خط کو جو اللہ کے گھر کے آس پاس رہنے والوں کی مصیبت کا خیال کر کے سلطان ابن سعود نے مولانا شوکت علی صاحب کو لکھا ہے اور پھر اپنے گریبان میں منہ ڈالئے۔ شملہ میں بیٹھکر، ہر مہینے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے دس

آنے ۸ پائی پاکر یہ کہنا آسان ہے کہ "سب چیزوں پر غور کر لینے سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے
کہ مسلمان اموال جمع کو نہ جائیں"، اور اللہ کے پڑوسی بھوکے مریں یہ پیٹ بھرے
کے چونچلے ہیں ؎ گر بدولت برسی، مست نہ گردی، مردی،

خدا اس افلاس سے بچائے جو قریب ہے کہ کفر ہو جائے جو شاید اس وقت اہل مکہ و مدینہ
مسلمانوں کے فقر کی حالت ہو اور خدا اس دولت سے بھی بچائے، جو اپنے بھوکے بھائیوں کی
مصیبت کے احساس کو دل سے دور کر دے جو ممکن ہے ارباب شملہ کی دولت کی حالت

ہم مسلمانان ہندوستان سے صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ حکومت
کے اس انداز تغافل سے مرعوب اور صرف ہندوؤں سے نوکریوں اور ممبریوں کیلئے
لڑنے بھڑنے کیلئے وقف ہو گئے تو صرف "قوم" کے مسلمان رہ جائینگے۔ "مذہب
مسلمان نہ رہیں گے ۔ وہ مسلم لیگ کے مسلمان رہ جائیں گے۔ مگر نماز، روزہ
زکوٰۃ اور حج کے مسلمان نہ رہیں گے، نوکریاں اور ممبریاں تو پھر بھی ذلیل چیزیں
ہیں۔ ہندوستان کی حکومت اور سارے عالم کی حکومت انکی ہے بشرطیکہ وہ ایمان
عمل کے مسلمان ہوں۔ انہیں اسلام کی طرف جانا ہے نہ کہ اس اسلام کی طرف جس
آج تمام تر مطالبہ ہندوؤنکو گالی دینا ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس اسلام کی دعوت
لبیک کہتے ہیں آج مسلمانوں سے زیادہ خستہ و خراب دنیا میں کوئی قوم نہیں وہ ہر ایک
قوم سے لڑنیکو آمادہ ہیں مگر لڑنیکا سامان نہیں کیا ہے آج ان کے ہاں لیڈری کا یہی
ہے کہ کوئی اخبار نویس فقیروں کی طرح صدا لگائے کہ ایک گالی دونگا اور ایک پیسہ لونگا

عزم سفر مغرب و رو در مشرق
اے راہ رو پشت بمنزل ہشدار

حج اور اس کا فلسفہ

(ہمدرد۔ ۱۳۔ ۱۵۔ ۱۶۔ مئی ۱۹۲۵ء)

یہ مولانا محمد علی کی تقریر ہے، جس میں حج اور اسکے فلسفہ پر بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

برادران ملت! آپ تو شاید نہیں جانتے کہ حج کی حقیقت کیا ہے۔ مگر آپ کے دشمن اس سے بخوبی واقف ہیں، وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کے مذہب میں انکو مداخلت منظور نہیں۔ مگر مذہب کے معنے ان کے نزدیک یہی ہیں کہ آپ چاہے ایک ان دیکھے خدا کو مانیں چاہے تین خداؤں کو مانیں چاہے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو مانیں۔ مگر کہنا ہر حالت میں ان کا مانیں۔ ان کو اس سے سروکار نہیں کہ آپ مسجد میں نماز پڑھیں یا مندر میں پوجا کریں یا گرجا کی سروس میں شریک ہوں، لیکن غلامی انہی کی کرنی ہوگی۔ ایام جنگ میں کسی نے آپ کی نماز بند نہیں کی، مسجدیں اسی طرح آباد رہیں جس طرح پہلے تھیں

لیکن حکم یہ تھا کہ ۱۴ اگست کو اپنی مساجد میں بھی خدا سے دعا یہی مانگو کہ خدا کے آخری رسولؐ کے جانشین اور خلیفہ، اور لشکر اسلام کو شکست ہو، اور فتح ان کے دشمنوں اور دشمنانِ اسلام کی ہو۔ انہیں آپ کی مسجد سے کوئی بغض نہیں لیکن کانپور میں ایک بازار کے لئے مسقف راستہ یا نئی دہلی میں خاص خاص مواقع کے استعمال کے لئے ایک پلیٹ فارم بنانا ہو تو مسجد کا وضو خانہ ہو، یا صحن ہو، یا حجرہ ہو، یا کنواں ہو، یا خود منبر و محراب ہی کیوں نہ ہوں آپ کو زمین حکومت کو دینا پڑے گی۔ مسجد کے لئے کوئی دوسری جگہ تلاش کرنی ہوگی۔ آپ نے اپنی مساجد کے ذریعہ سے اپنی شیرازہ بندی ہی نہیں کی، اسلئے اگر وہ نماز باجماعت پر ناک بھوں نہ چڑھائیں تو کیا تعجب ہے، مگر حج دوسری چیز ہے، جبتک آپ گھبرائے ہوئے، بوکھلائے ہوئے حج کو جاتے تھے، رواروی میں طواف اور سعی اور رجم شیاطین وغیرہ کرتے تھے اور جلد سے جلد گھبرائے ہوئے وطن واپس آتے تھے ان کو آپ کے حج سے زیادہ سروکار نہ تھا۔ مگر آپ میں سے کم از کم چند نے اب بعد خرابی بصرہ، بلکہ یوں کہئے کہ بعد خرابی مکہ یہ سمجھا کہ حج بیت اللہ ایک موتمر عالم اسلامی ہے اور وہاں مسلمانان عالم کے سود و بہبود پر غور کرنا چاہئے ایک دوسرے کی مصیبت کا حال سننا چاہئے، مسلمانوں کو غیر اللہ کی غلامی سے چھڑا کر اللہ کی غلامی میں لانا چاہئے، تو انہیں فکر پیدا ہو گیا۔ آپ نے جب تک خدا کی غلامی کی تو بجائے اس کے کہ خود آپ کی آزادی گم ہو جائے الٹے آپ نے اوروں پر حکومت کی۔ اسوقت وہ آپ کا شکار تھے۔ آج جبکہ آپ نے عرصہ سے خدا کی غلامی سے منہ موڑا ہے آپ کی آزادی سلب ہو چکی ہے اور اب آپ ان کے

تشکار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ جس طرح دہلی کی جامع مسجد میں سارے شہر کے جماعت سے نماز پڑھنے والوں کو خداوند کریم کے سامنے سربسجود ہونے میں بھی اس شہر میں اپنی قومی قوت کا احساس ہوتا ہے اُس طرح بیت اللہ میں سارے عالم کے جماعت سے نماز پڑھنے والوں کو سارے عالم میں قومی قوت کا احساس ہو۔ وہ ترکوں سے، عربوں سے، ایرانیوں سے، افغانیوں سے، مصریوں سے سوڈانیوں سے، جزائریوں سے، طونسیوں سے، مراکشیوں سے، ہندوستانیوں سے الگ الگ بھگتنا چاہتے ہیں۔ پھر وہ کس طرح اسکو روا رکھ سکتے ہیں کہ حج بیت اللہ ہوتا رہے۔ آپ نے ابھی سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خوبصورتی سے ایک مفلوک الحال بھائی کے افلاس سے نمازیوں سے بھری ساری مسجد کو واقف و آگاہ کر دیا تھا۔ اور کس آسانی سے اور نمازیوں نے اسکی مصیبت میں شرکت کر کے اُسے دور کر دیا تھا۔ اسی طرح حج بیت اللہ کی شرکت سے کس خوبصورتی سے تمام اسلامی دنیا ایک فلاکت زدہ ملک کے اسلامی بھائیوں کی مصیبت سے آگاہ ہو سکتی ہے اور کس آسانی سے اسکی مصیبت میں شریک ہو کر اُسے دور کر سکتی ہے۔

اخوت اسلام میں

قرآن کریم نے فرما دیا کہ انما المومنون اخوۃ جس میں نیت کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی مذہب نے اس صفائی سے مختلف نسلوں مختلف ملکوں، مختلف رنگتوں، مختلف زبانوں کے

لوگوں کو یگانگت اور اخوت کا سبق نہیں سکھا یا نسل، ملک، رنگت وغیرہ کے امتیازات گھوڑوں اور کتوں کے لئے ہیں، انسانوں کے لئے صرف ایک امتیاز ہے جو ان کے عقیدہ کی بنا پر ہے۔ آدمی اپنی نسل، جائے پیدائش، رنگت وغیرہ پر قابو نہیں رکھتا۔ اس لئے ان کا امتیاز ایک خود مختار حیوان کے لئے ہرگز موزوں نہیں۔ اسکے لئے تو وہی امتیاز موزوں اور وہی اسکی شایان شان ہے جو خود اُس کا اختیار کردہ ہو۔ اور یہ امتیاز صرف عقیدہ کا امتیاز ہے جو نہ نسلی ہے، نہ جائے پیدائش سے تعلق رکھتا ہے، نہ رنگت کی بنا پر ہے، نہ سکونت پر منحصر ہے، نہ زبان کے باعث ہے، بلکہ اس اعتقاد کی بنیاد پر ہے جسے خوب سوچ بچار کر کے انسان خود اختیار کرتا ہے۔ اسلام نے حسب نسب کو پہلے دن سے بے وقعت قرار دیا۔ اگر خون کا رشتہ کوئی حقیقی رشتہ ہے تو سب اولادِ آدم وحوّا بھائی بھائی ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ طوفان نوح آیا اللہ کا وعدہ نوح علیہ السلام کی اہل کو بچانے کا تھا لیکن ایک مطیع و فرمانبردار، باایمان اور مسلم بندے کی سرکش اور باغی اولاد کے متعلق صاف کہہ دیا کہ اے نوح یہ تیری اہل میں داخل نہیں، انہ عمل غیر صٰلح ؎

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

دین ابراہیم

حضرت ابراہیمؑ سب امتحانوں میں پورے اُترے تو ڈگری ملی کہ

انی جاعلک للناس اماما تجھے ہم انسانوں کا سردار بنائیں گے۔ بڑھاپے میں اولاد ملی تھی، محبت پدری کا تقاضہ تھا، پوچھ بیٹھے ومن ذریتی اور میری اولاد؟ یہاں جواب صاف تھا کہ ع

در یں راہ فلاں ایں فلاں چیزے نیست

لاینال عہدی الظلمین، ہمارا وعدہ نہ شخصی نہ نسلی، جیسا کروگے ویسا بھروگے نیکوکاروں کا اجر ضایع نہیں ہوتا، ظالموں کو ہماری سرکار سے سوائے خسران کے کچھ نہیں ملا کرتا۔ اگر تمہاری اولاد تمہارے نقش قدم پر چلیگی تو وہ بھی یہی انعام پائیگی کہ یہ سبیل اللہ ہے۔ لیکن دونوں شاہراہیں کھلی ہیں۔ اگر انہوں نے شیطان کا راستہ لیا اور سبیل الطاغوت کو اختیار کیا تو وہاں جا پہنچیں گے۔ جہاں وہ راستہ لے جاتا ہے۔ ہماری تو یہی ریت، یہی سنّت ہے، یہ کسی کے لئے نہیں بدلتی پیر ہو چاہے پیغمبر، ابراہیم کے لئے صلوٰۃ بھی تھی اور برکت بھی تلک امۃ قد خلت لہا ماکسبت وعلیہا ما کسبت۔ ان کا زمانہ گزر گیا اور وہ بھی چل بسے جو نیکی انہوں نے کی اس کا اجر ملا اور ملیگا اور جو بدی کی اسکی بھی سزا ملگئی اور ملیگی اب آل محمد کی باری ہے جو فیوض و برکات خاندان رسول ص اکرم سے ہمکو پہنچے ہیں اُن کے احسان سے کون مسلمان سبکدوش ہو سکتا ہے۔ خدا ہمیشہ ان فیوض و برکات میں ترقی دے۔ مگر ایک اعتبار سے سب مسلمان آل محمدؐ ہیں اور جب تک اسلام قایم ہے رسول اکرم صلعم کا نام اور آپ کا کام جاری رہیگا۔ عاص ابن وائل کے کہنے سے رسول اکرم (نعوذ باللہ من ذالک) ابتر، لنڈورے اور دم کٹے نہیں ہوئے لیکن اگر ہم نے آپ کے طریقے کو چھوڑا تو ہم عیاذاً باللہ اپنی اور آپکی ابتری کا باعث ہو سکتے

ہیں۔ دشمنان اسلام ہم کو الگ الگ ملکوں میں رکھ کر، بلکہ ایک ملک میں بھی ہمیں
ایک دوسرے سے الگ رکھ کر تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔ اس پراگندگی اور ابتری
سے بچنے کا طریقہ خود خداوند کریم نے ہمیں رسول اکرمؐ کی معرفت تبلا دیا ہے۔ فصل
لربك وانحر، اپنے گاؤں قصبوں، قریوں، شہروں، اور شہروں کے محلوں میں
اقامۃ الصلوٰۃ کا انتظام کرو۔ کوئی مسلمان نہ رہے جو محلہ والوں سے دن میں اگر پا[نچ]
بار نہیں تو دو تین بار ضرور مل سکے۔ شہر والوں سے کم سے کم جمعہ کو مل سکے اور عید[ین]
کے موقعہ پر تو گرد و نواح کے مسلمان بھائیوں سے بھی مل سکے، اور پھر حج بیت [اللہ]
کی بدولت عمر بھر میں کم سے کم ایک بار تو سارے عالم کے بھائیوں سے بھی مل سکے۔ یہ [وہ]
نظام تھا جسے اسلام نے قایم کیا تھا۔ جس کا مرکز شخصی ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و[سلم]
تھے اور آپ کے بعد آپ کی خلافت اور جس کا مرکز مقامی وہ چوکھونٹی عمارت تھی
جس کی بنا تو آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے تھی مگر جسکی دیواریں حضرت ابراہیمؑ
اور حضرت اسمٰعیل نے اٹھائی تھیں اور جسکو خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم کی بار بار اُٹھتی ہوئی نظروں کی لاج رکھ کر مسلمانان عالم کا قبلہ قرار دیا ہے
دنیا میں اور قومیں بھی ہیں اور ان کے معابد بھی ہیں اور ان معابد کی خاص سمتیں بھی
ہیں لیکن یہ حکمت اسلام ہی کے لئے مخصوص تھی کہ سارے عالم کے مسلمان اس
چوکھونٹی عمارت کی طرف منہ کر کے دن میں پانچ وقت کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے
رب کی توحید اور اپنی یگانگت کا اقرار کرتے ہیں جس وقت ایک مسلمان نماز پڑھنے
کھڑا ہوتا ہے اسوقت وہ جانتا ہے کہ سارے کرۂ ارضی پر ہزاروں لاکھوں بلکہ
کروڑوں بندگان خدا چاروں کھونٹ ایک ہی مرکز کی طرف منہ کئے اسی طرح کھڑے

ہیں کیا ساری دنیا میں یگانگت پیدا کرنیکا اس سے بہتر طریقہ ہوسکتا تھا۔ ہم ایمان بالغیب رکھنے والے ہیں۔ ہمارا خدا ان دیکھا ہے۔ ہم کعبہ کی پوجا نہیں کرتے وہ ایک اینٹ پتھر کی عمارت ہے جسے انسانوں نے بنایا ہے۔ حجر اسود ایک کالا پتھر ہے جہاں سے ہم طواف شروع کرتے ہیں اور جہاں ہم طواف ختم کرتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے تو اسکی طرف گھونسہ اُٹھا کر فرمایا تھا کہ تیری حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ تو ایک بن گھڑا کالا پتھر ہے۔ اگر میرے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا بلکہ توڑ ڈالتا۔ یہ کافی جواب ان یورپ والوں اور عیسائیوں کے لئے ہے جنہیں جب اور کچھ کہنے کو نہیں ملتا تو یہی کہہ بیٹھتے ہیں کہ اسلام بھی بُت پرستی کے ایک عنصر سے خالی نہ رہ سکا لیکن کعبہ کی اس مرکزیت نے نظام اسلام کی مرکزیت کو ظاہر اور واضح کر دیا۔ اور اسی مرکز کے احساس نے مسلمانوں کے قیام و دوام کی ذمہ داری بھی لے لی۔ اگر دہلی کے مسلمان کو لکھنؤ کے مسلمان سے کوئی واسطہ نہیں، اگر ہندوستان کے مسلمان کو ترکی کے مسلمان سے تعلق نہیں، اگر چین کے مسلمان کو مراکش کے مسلمان سے کوئی سروکار نہیں تو پھر ہم سب لنڈورے اور دُم کٹے ہیں، آج مرے کل دوسرا دن، نہ مسلمان رہیں گے نہ اسلام رہے گا۔ لیکن جب تک سب اہل قبلہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور سب کے لئے بلد الامین میں داخل ہو کر حج کی سعادت حاصل کرنا فرض ہے اور وہ اس فرض کی بجا آوری بھی کرتے ہیں ان کے لئے وہ خود خدا کا Security Pact یعنی معاہدہ امان ہے کہ "من دخلہ کان آمناً" یہاں جو داخل ہو گیا اس کے لئے امان ہے۔

از صد سخنِ پیرم یک حرف مرا یاد است
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

شراب اسلام

ساقیِ کوثر کی شراب کے متوالو اگر ایمان کی خبر چاہتے ہو تو، اور اگر جان کی خبر چاہتے ہو تو، دونوں حالتوں میں تمہیں اسی میکدے کی شراب سے مست ہونا ہے کہ یہی شراب طہور ہے۔

ساغر پلا کے بے خبر دو جہاں بنا
اے پیرِ مے فروش، ہمیں بھی جواں بنا

میرا ایک شعر ہے

مے کہنہ ملے گی مسجدوں میں
یہ مے خانے ہیں تیرہ سو برس کے

مسجدوں میں ہر طرف سبیل لگی ہے، آؤ اور پیو اور مست ہو، اور قوّت حاصل کرو۔ لیکن کھوئی ہوئی جوانی تو اسی طرح ملیگی کہ پیرِ مے فروش کی اصلی دوکان پر بھیڑ لگاؤ۔ آدم، حوّا۔ ابراہیم اور اسمٰعیل کے وقت کی شراب کی تلاش میں گھر سے نکلو۔ تیرہ سو برس کی غلطیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آدھے جہان کو فتح کر کے اب پھر ہم جزیرۃ العرب تک کھو بیٹھے آج فتح مکہ از سر نو ہوئی ہے اور میرا شعر صحیح نکلا:

میکشو! مژدہ!! کہ جس سے پلٹ آتا ہے شباب
وہی سوغات پھر اب پیرِ مغاں لایا ہے

قید میں جب ایّام حج آتے تھے اور دل بے اختیار کسی کے کوچہ کی طرف جانیکا قصد کرتا تھا۔ اور بیجا پور کی برسات میں گھٹائیں اور ساحل عرب کی طرف سے ہوائیں آتی تھیں اور اسیرِ قیدِ تنہائی بے اختیار ہو کر چیخ اُٹھتا تھا کہ

جھومتی جھومتی مغرب سے گھٹائیں آئیں
میرے مجلس میں مدینے کی ہوائیں آئیں

تو سوائے اسکے چارہ نہ تھا کہ دل کو یہ کہہ کر تسلّی دے لے کہ ابھی حجاز اغیار کے قبضے میں ہے

کیا جائیں کوئے یار میں یوں اذنِ غیر سے
ہے انتظار دیکھئے کب تک بلائے دوست

لیکن آج بظاہر دوست خود بلا رہا ہے۔ کہو لبیک اور قدم بڑھاؤ جس سے کھوئی ہوئی جوانی پلٹ آتی ہے ع

وہی سوغات پھر اب پیر مغاں لایا ہے

اگر عالم اسلام کو ویرانی سے بچانا ہے تو میکدے کو آباد رکھو، اور ساقی کوثر سے استدعا کرو کہ

ساغر پلا کے بے خبر دو جہاں بنا
اے پیر مے فروش ہمیں بھی جواں بنا

جو تمہارے گئے ہوئے شباب کو پلٹتا دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتے وہ ہر طرح تمہیں خانۂ خمار تک جانے سے روکیں گے۔ مگر راستہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر خطرہ ہے تو سفر میں نہیں اقامت میں ہے۔ ومن دخلہ کان آمنا

زمزم خود حوض کوثر ہے۔ یاد رکھو

انا اعطینك الكوثر فصل لربك وانحرانّ
شانئك هو الابتر

---

(۲)
حکومت کی ہمدردی

برادران ملّت! حکومت کہتی ہے کہ وہ ہندوستانی حجاج کو حجاز جانیکا مشورہ اسلئے نہیں دیتی کہ وہاں ان کے جان ومال کا خطرہ ہے، کیا خوب ہمدردی ہے آپکے شہر میں ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو گولیاں چلائی گئیں اسوقت کوئی ہمدردی نہیں ہوئی۔ ہم لوگوں کے ساتھ گورنمنٹ اور اسکے ہم قوم لوگوں کو جو ہمدردی ہے وہ تو آپ کو معلوم ہوتی رہتی ہوگی۔ ایک واقعہ نے جسے میری ان آنکھوں نے خود دیکھا ہے مجھے حیران کر دیا۔ ایک دن گزشتہ فروری میں مہاتما گاندھی کو لینے اسٹیشن گیا تھا۔ جس پلیٹ فارم پر انکی گاڑی آئی تھی۔ اسی پر ایک دوسری ڈاک گاڑی بھی آئی تھی۔ اور ان کی ڈاک گاڑی کی آمد سے کچھ منٹ پیشتر چھوٹ گئی۔ ایک ہندوستانی لڑکا اسوقت پلیٹ فارم پر پہنچا جب اس گاڑی نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا تھا سب سے آخر ڈبا فرسٹ کلاس کا تھا لپک کر وہ اس میں گھس گیا۔ مگر جو انگریز اس درجہ میں تھا اسے اس لڑکے کا اس درجہ میں آنا اسقدر ناگوار گزرا کہ اس نے درجے سے دھکیلنا چاہا۔ جان پیاری چیز ہے یہ لڑکا دروازہ سے چمٹا رہا۔ مگر صاحب بہادر کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ غازی آباد تک بھی ایک ہندوستانی ان کا ہمسفر ہو وہ

برابر اُسے ڈھکیلتے رہے اگر وہ پلیٹ فارم اور گاڑی کے بیچ میں آجاتا تو ہلاکت تقریباً یقینی تھی۔ ایک انسان کی جان کا سوال تھا مگر یہ جان ہندوستانی تھی صاحب بہادر کو اسکا خیال کیسے آتا۔ وہ سب کچھ بھول گئے۔ بہ ظاہر صرف یہی یاد رہا ہے کہ یہ ایک کالا آدمی ہے اور چند منٹ میرے ہی درجے میں کھڑا رہنا چاہتا ہے اس خیال کا آنا کافی تھا۔ اسکی جان کا مطلق خیال نہ کرکے اسکا ہاتھ دروازہ سے چھڑانے اور اُسے دھکیلنے لگے مجھ سے یہ نظارہ کس طرح دیکھا جاتا میں پریشان ہو کر اس گاڑی کے پیچھے لپکا۔ اور کچھ نہیں تو جب لڑکا نیچے گر پڑے تو اُسے اٹھا سکوں اور اسکی مدد کرسکوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس لڑکے کا ہاتھ جبر زبردستی فرسٹ کلاس کے دروازہ سے چھڑایا گیا اور اُسے نیچے دھکیلا گیا تو وہ پلیٹ فارم اور ریل کے بیچ میں نہیں آگیا۔ بلکہ پلیٹ فارم ہی پر گرا اور چوٹ نہیں آئی مگر اسکا دل بانسوں اچھل رہا تھا۔ اسکے ہوش و ہواس غائب تھے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو ہندوستانیوں کو بم ساز اور بم باز بنا دیتے ہیں۔ میں نے مہاتما گاندھی کے سامنے اقرار کیا کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا خود میرے دل کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی انگریز وہاں ہوتا تو میں عدم تشدد کے تمام قول و قرار، ارادوں اور منصوبوں کو بھول کر شاید اس سے دست و گریباں ہو جاتا۔ حالانکہ اسکا کیا قصور تھا۔ قصور دھکیلنے والے انگریز کا تھا جو ٹرین میں جا چکا تھا۔ اس قسم کے واقعات ہندوستان والوں کو دیوانہ بنا دیتے ہیں اور ان کو ساری انگریزی قوم سے ہمیشہ کے لئے بغض ہو جاتا ہے۔ یہ فعل ایک شخص واحد کا تھا۔ مگر اس سے پتہ ضرور چلتا تھا کہ انگریزوں کو ہندوستانی جانوں کی کتنی پرواہ ہے۔ حکومت کو ہم سے زیادہ ہماری جانوں کا کیا خیال ہوگا

"ماں سے زیادہ چاہے تو پھا پھا کٹنی کہلائے"، اور اگر جان جائیگی تو حجاز میں ہی تو جائیگی
جنگ سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کے چندوں سے حکومت کو جدّہ میں ایک شفاخانہ
بنانے کی سوجھی، اور یہ شفاخانہ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار کے طور پر بنایا جانا تجویز
ہوا۔ اقبال مرحوم نے (جب سے وہ "سر" ہوئے ہیں میں تو اپنے اس محبوب اور عزیز
دوست کو "مرحوم" ہی سمجھتا اور مرحوم ہی کہتا ہوں) اس تجویز کی خوب تشخیص کی اور
صاف کہہ دیا کہ اسکی غرض و غایت صرف یہی ہے کہ ؎

نبضِ مریض پنجۂ عیسیٰ میں چاہیئے

اس لئے اقبال نے حکومت کو سمجھا دیا کہ آپ کو ہمارے زندہ رکھنے کی اتنی خواہش
نہ ہو گی جتنی کہ ہم کو حجاز کی سرزمین میں مرنے کی خوشی ہوتی ہے ؎

دیں اور کو حضور یہ پیغام زندگی
میں موت مانگتا ہوں زمینِ حجاز میں

شریف بے شرف

شریف بے شرف کے زمانہ میں ہزاروں حاجی اسکی لوٹ اور زیادتیوں کی
وجہ سے اور پیاس کے باعث فنا ہو گئے۔ اسوقت گورنمنٹ کے جذبۂ ہمدردی کو کیا ہوا
تھا؟ حکومت نے اپنے دوست شریف پر حاجیوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ
داری کیوں عاید نہ کی۔ یہ سب دکھانے کی باتیں ہیں حقیقت یہ کہ حکومت نہیں چاہتی
کہ آپ کی وفاداری بٹ جائے، وہ تو آپ کو صرف اپنا مطیع و منقاد رکھنا چاہتی
ہے خدا کیسا اور اسکو آپ کے کاروبار میں کیا دخل ؎

خدا کو کیا غرض میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو

جب فرعون سے حضرتِ موسیٰ نے کہا کہ ہم دونوں بھائی رب ذوالجلال کے ایلچی اور پیغامبر بنکر، اُسکا پیام تیرے پاس لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور انہیں چھوڑ دے کہ یہ جہاں سے آئے تھے وہیں چلے جائیں۔ تو اُسے اپنے سوا ایک اور حکم دینے والی ہستی کا سنکر تعجب ہوا اور پوچھا کہ یہ ربِّ ذوالجلال کیسا؟ تمہارا رب کون ہے "انا ربکم الاعلیٰ"، تمہارا سب سے بڑا رب تو میں ہوں، اپنے غلاموں پر قاہر تو میں ہوں، تم کس کا حکم لیکر آئے ہو، آجکل کی فرعونیتیں اسطرح نہیں کیا کرتیں وہ "مذہب"، میں مداخلت نہیں کیا کرتیں۔ وہ تو اسکا انتظام کر دیا کرتی ہیں کہ آپ کا مذہب ان کے کاروبار میں مداخلت نہ کرے۔ آپ ہمیشہ انہیں کا حکم مانا کریں اور بلا شرکت غیرے انہیں کو حکمراں سمجھیں، مگر مصر کی فرعونیت کو حضرت موسیٰ سے پہلے ہی) حضرت یوسف سمجھ گئے تھے اور انہوں نے محبس میں اپنے قید کے ساتھیوں کی خوابوں کی تعبیریں بیان کرنے سے پہلے ہی اس حقیقت کو فاش کر دیا تھا کہ خدا کے حکم کے خلاف کسی کا حکم ماننا مشرک بننا ہے۔

ان الحکم الا اللہ اَمَرَ اَنْ لَّا تعبدوا اِلّا اِیّاہُ ذٰلِكَ الدین القیم ولٰکنّ اکثرالناس لا یَعْلَمُوْن ۝ حکومت تو خدا کے سوا کسی کی بھی نہیں۔ اسکا حکم تو یہ ہے کہ اسکے سوا کسی کی غلامی نہ کی جائے۔ دین کا سیدھا رستہ تو یہ ہے لیکن اکثر انسان اسے نہیں جانتے۔ یہ ہے اسلام کی سیاست اور جو اسکا قائل نہیں وہ مسلمان نہیں جب بادشاہت اور حکومت صرف خدا ہی کی ہے تو پھر اسکی ساری رعایا میں میل جول اور رشتہ اتحاد وارتباط کیوں نہ قائم ہو۔ مگر حکومتیں تو اپنی رعایا کو اور وں کی رعایا سے الگ رکھنا اور الگ الگ ان کو دبانا چاہتی ہیں ان کی تو یہ خواہش

ہے کہ مسلمانان ہندوستان اور دوسرے ممالک کے مسلمان علیحدہ علیحدہ
کے مینڈک کی طرح یا گولر کے بھنگے کی طرح رہیں نہ ان کو یہ معلوم ہونے پائے
کہ دنیا میں ان کی کتنی تعداد ہے اور کتنی قوت اور طاقت ان کو حاصل ہے
ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو سکیں۔ اور حج کا اصلی راز یہی ہے
پھر وہ حج سے کیونکر خوش ہو سکتے ہیں۔

حکومت نے کیا کیا؟

حجاز کی اصلی حالت یہ ہے کہ دو مہینے سے زیادہ ہو گئے کہ سلطان
ابن سعود نے مولانا شوکت علی صاحب کو اطلاع دی تھی کہ قنفذہ، لیث
رابغ بندرگاہوں پر ان کا قبضہ ہے اور وہاں حجاج کی امن و عافیت
آرام و آسائش کا پورا پورا انتظام ہوگا۔ آپ کی گورنمنٹ نے اتنی مدت
آپ کے لئے صرف اتنا کیا ہے کہ ۲۵ اپریل کو ایک چھوٹا سا اعلان شائع
ہے جس میں اتنی زیادہ پریشان کن باتیں جمع کر دی گئیں کہ آپ کی پریشانی
دور کرنے کے لئے مجھے کمر ڈیڑھ کے آٹھ دس کالم سیاہ کرنے پڑے گورنمنٹ
کہتی ہے کہ ان بندرگاہوں پر کشتیاں نہیں کہ حجاج کو جہاز سے ساحل
اُتاریں۔ یہاں تار نہیں ہے کہ جہاز کی آمد کی خبر دی جائے اللہ کے
محمد حبیب اللہ سے کوئی دریافت کرے کہ جناب آپ کی گورنمنٹ اگر
چاہتی تو کشتیوں کا انتظام خود کرا سکتی تھی۔ فوج اور سامان جنگ بصرہ
بغداد لے جانے کے لئے ہندوستان سے کشتیاں بحر عرب اور خلیج فارس
کے پار دجلہ تک پہنچائی جا سکتی ہیں لیکن حجاز نہیں بھیجی جا سکتیں،

یہ ہے کہ وہاں تو آپ کی گورنمنٹ کے دل سے لگی ہوئی تھی کہ اسلام کا ملک کافروں کے قبضے میں آجائے۔ حج کی کسکو پڑی ہے؟ لیکن ہم کو ان ذرا ذراسی باتوں پر کوئی اصرار نہیں ہے۔ گورنمنٹ نہیں چاہتی تو کشتیاں وہاں نہ بھیجے۔ حجاز کے چھوٹے بڑے اور بندرگاہوں کے ملّاح مزدوری کی خاطر ان بندرگاہوں پر خود آجائیں گے۔ جہاں جہاز اُتریں گے ابتک اسی طرح ہوتا رہا ہے۔ جدہ سے جو کشتیاں حاجیوں کو جہاز سے ساحل تک لے جاتی ہیں وہ سب جدّہ کی نہیں ہوتیں۔ بلکہ اونٹوں کی طرح سارے عرب کے ملک سے آتی ہیں اس طرح کام چل جائیگا۔ بفرض محال یہ بھی نہ ہوا تب ہر جہاز کے ساتھ خود کشتیاں ہوتی ہیں کہ طوفان یا آتشزدگی کے باعث جہاز تباہ ہو جائے تو مسافروں کو اب بھی کسی دوسرے جہاز یا ساحل تک پہنچا سکیں۔ انہیں کے ذریعے سے حاجیوں کو ساحل پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ تار کا بھی صرف ایک بہانہ ہے کیونکہ لاسلکی اب اتنا عام ہے کہ قریب قریب ہر دستۂ فوج کے ساتھ ہوتا ہے، اسکے ذریعے سے عارضی طور پر خبر رسانی کا انتظام ہو سکتا ہے۔ عارضی طور سے اسکے قائم کرنے میں جو خرچہ آئے وہ گورنمنٹ حاجیوں سے زیادہ کرایہ لیکر وصول کر سکتی ہے پھر قنفذہ کی بندرگاہ سے مصوّع قریب ہے جو ساحل افریقہ پر اٹلی کے قبضہ میں ایک بڑی بندرگاہ ہے جہاں ٹرلیسٹینول لائیڈ کمپنی کے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ وہاں کو بمبئی سے جہاز کی روانگی کا تار جا سکتا ہے اور کشتیاں ایک دن میں یا ڈیڑھ دن میں قنفذہ پہنچائی جا سکتی ہیں۔ اور ہندوستان سے چلکر جہاز چھ سات روز میں قنفذہ پہنچتا ہے۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو آخر خبر

رسائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حج کا زمانہ ہے حاجی آرہے ہیں۔ ایک مرتبہ اسکی اطلاع پہنچ جانی چاہئے کہ ہندوستان سے حاجی ضرور آئیں گے اور فلاں تاریخ سے جہاز چلنا شروع ہوں گے۔ تار اور دخانی جہازوں سے پہلے بھی آخر لوگ حج کرتے تھے۔ یا تیرہ سو برس سے حج فرض نہ تھا صرف تار، اور دخانی جہازوں نے حج فرض کر دیا ہے۔ بندرگاہ سورت سے لوگ بادبانی کشتیوں پر سوار ہو کر محض اللہ کے بھروسہ پر حج کو جایا ہی کرتے تھے اور فریضۂ حج ادا کیا ہی کرتے تھے۔ مہاتما گاندھی ریل اور تار اور دخانی جہاز سب کچھ استعمال کرتے ہیں مگر وہ سچ کہتے ہیں کہ ہمیں ان چیزوں کو اپنا غلام بنا لینا چاہئے خود ان کا غلام نہ بن جانا چاہئے۔ کہ اگر ریل نہیں یا تار نہیں یا دخانی جہاز نہیں تو اپاہج ہو کر بیٹھ رہے۔ چند سہولتوں کی کمی کی وجہ سے فریضۂ حج کا ادا کرنا روکا یا ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔ "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلا" کا صرف یہ مطلب ہے، کہ راستہ کھلا ہوا ہو۔ یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ایک سال حج کو رُکنے دیا تو پھر دو دو سال بھی روکا جاسکتا ہے اور دس سال کے لئے بھی اور ہمیشہ کے لئے بھی۔

دس برس پہلے

برادران ملت! اس مسجد سے میں اور میرے بھائی نظر بند ہو کر آج سے دس برس پیشتر اسی مئی کے مہینے میں مہرولی بھیجے گئے تھے۔ ہم چار برس نظر بند رہے۔ پھر بیتول کی جیل میں سات مہینے قید رہے۔ پھر دو سال معمولی قیدی کی طرح جیل میں کاٹے۔ سات برس نہیں اگر سات ہزار برس ہمکو قید رکھا جائے یا آج ہی ہمکو پھانسی دیدی جائے تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ حکومت کی مصلحت

حج کی مصلحت عظمیٰ کے خلاف ہے، یہ بات نہیں کہ ہمیں صرف اس خیال کے ہیں اسکو سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں۔ مگر ہمارے بہت سے بھائی اب تھک گئے ہیں لیکن جب تک دم میں دم ہے ہم آزادی دین کی حمایت کئے جائینگے، اور علیٰ رؤس الاشہاد کہے جائینگے کہ "اِنِ الحُکمُ اِلَّا اللہ"، حکومت تو صرف خدا کی ہے اور کسی کی نہیں، غلامی کرو تو صرف اُسی کی۔ اب تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب ہار کے جھک مار کے حکومت کے ساتھ موالات پر اُتر آئے مگر ان کو دیکھئے کہ رسی جل گئی مگر اس کا بل نہیں جلا۔ مگر ہم تو حبل اللہ کو پکڑے ہوئے ہیں وہ کیسے جلیگی۔ ہمارا ہاتھ تو عروہ وثقیٰ پر ہے اور اسکی تعریف تو یہ ہے کہ "لا انفصام لہا" وہ ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔ جنگ کے زمانے ہی میں خود ہمارے عزیز کہتے تھے کہ "نظر بند تو خود ہوئے، کیوں ہاتھیوں سے گنے کھاتے تھے"، انکو ایمان بالغیب نہ تھا وہ بظاہر اس خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس نے ابابیلوں سے اصحاب فیل کو ہلاک کرایا۔ وہ ہاتھیوں اور اصحاب فیل پر ایمان رکھتے تھے ابابیلوں کے خدا کو وہ بھول گئے تھے۔ جنگ کا جب خاتمہ ہوا تو کتنے ایسے تھے جنکو اسکا گمان بھی نہ تھا کہ صلح سیور کے بعد صلح لوزان بھی ہو سکتی ہے مگر آخر ش ایمان بالغیب والے ہی سرخرو اور کامراں ہوئے۔ میرا شعر ہے

جسکو دنیا نے نامراد کیا
وہی ناکام کام کرتا ہے

اور ایک دوسرا شعر ہے

وہ تیرا مبتلا ناکام سمجھا جسکو دنیا نے — اسی کو سرخرو دیکھا اسکو کامراں پایا

آج طرح طرح کے وسوسے آپ کے دلوں میں ڈالے جا رہے ہیں۔ مگر کیا خناس کی یہ تعریف نہیں کہ "یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاسِ"

ان وسوسہ ہائے شیطانی سے دلوں کو پاک وصاف کرو اسلام کی برادری عالمگیر ہے۔ اسلام کو تا قیامت باقی رہنا ہے اب کسی دوسرے نبی کی بعثت نہ ہوگی تیرہ سو برس گزر گئے مگر سوائے چند بے عقلوں کے خاتم النبیین کے بعد کوئی بھی کسی کسی نئے متنبی پر ایمان نہیں لایا۔ وحی کا سلسلہ تیرہ سو برس سے زیادہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے منقطع ہوگیا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"، کے بعد سوائے تبلیغ اسلام کے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی لیکن اسلام کی مخالفت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ دشمنانِ اسلام اسکو طرح طرح سے مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور کرتے رہیں گے۔ اسکی بقا کی یہی صورت ہے کہ رابطۂ اسلام تمام عالم میں باقی رہے۔ اسکی بقا کے لئے نہ صرف نماز اور حج ہیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں نہ صرف خدائے وحدہ لاشریک کی طرح اسکی آخری شریعت کی وحدانیت ہے جسکی رو سے مراکش میں بھی نکاح۔ طلاق وراثت وغیرہ کا وہی قانون جاری ہے جو مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں جاری ہے بلکہ ہم سب کی خواہ ہندی ہوں یا مصری، ترکی ہوں یا افغانی صورت اور وضع قطع تک ایک ہے، میں داڑھی مونچھ اور پاجامے کی اونچائی نیچائی کو وہ درجہ اہمیت نہیں دیتا جو آجکل بہت سے علما دیتے ہیں۔ مگر خود ساری وضع کو چھوڑ کر اس وضع کا اتباع کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے رسولؐ کی وضع تھی اسلئے کہ ایک تو اس سے رسولؐ کے ساتھ دلی محبت کا پتہ چلتا ہے دوسرے یہ اللہ کی فوج کے

سپاہیوں کی وردی ہے۔ بعض بیوقوف ترک آج عربی حروف کو چھوڑ کر لاطینی حروف جو انگریزی فرانسیسی کے لئے مستعمل ہوتے ہیں ترکی کے لئے اختیار کرنا چاہتے ہیں، ان بیوقوفوں کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کو عربی نہیں بھی آتی حالانکہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کی بہ لازمی طور پر دوسری زبان ہونا چاہئے تب بھی رسم الخط عربی جاری ہونے سے خدا کا کلام زبان سے دہرایا تو جاسکتا ہے۔ اسلام کی فتح کے بعد مسلمانوں کی حکومتیں ہر جگہ قائم ہوئیں مگر مسلمانوں نے نہ فارسی کو ترک کیا نہ ترکی کو نہ ہندی کو اور نہ سندھی کو مگر ہاں عربی حروف ہر جگہ استعمال کئے گئے تاکہ خدا کا کلام پڑھا جاسکے۔ اگر لمبی داڑھی یا کتری ہوئی مونچھیں اسلام کے سپاہی کی وضع اور ٹخنوں سے اونچی ازار یا پاجامہ اسکی وردی ہیں تو عربی کے قرآن کی آیات جو عربی حروف ہی اجانے کی بدولت وہ پڑھ سکتا ہے اس کا نوجی پیرول یا پڑول (Parole) ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ

نواب افسر الملک بہادر کے داماد نواب ممتاز یار جنگ حیدر آبادی شکار کی غرض سے جاوا گئے تھے۔ انگریزی وضع قطع اور انگریزی لباس تھا شکار کھیلتے کھیلتے شام ہوگئی۔ جنگل میں راستہ بھول گئے۔ بہت چکر لگائے مگر راستہ نہ ملا۔ رات ہوگئی گھومتے گھامتے ایک جگہ پہنچے جہاں ایک روشنی نظر آئی اس امید پر کہ یہاں تو رین بسیرا ہوسکیگا۔ یا کم از کم راستہ کا پتہ لگ سکیگا اسکی طرف چلے جب پہنچے تو دیکھا کہ ایک کاشتکار کا مکان ہے دروازہ بند تھا مگر اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی تلاوت قرآن کریم کرتا ہو اس آواز نے

مطمئن کر دیا کہ الحمد للہ یہ شخص دشمن نہیں ہو سکتا دوست ہے، بلکہ دوست
ہی نہیں بھائی ہے۔ اسلام کی شریعت تو یہ ہے کہ ابھی جدال و قتال ہو رہا ہے
مگر ابھی توبہ کی اور صلاح کا راستہ اختیار کیا تو اسوقت دشمن دشمن ہی نہ
رہا بلکہ بھائی بنگیا۔ اس سنگٹھن کا کون مقابلہ کر سکتا ہے جو شدھی کے بعد ہی
سب بیگانگی کو دور کر کے یگانگت پیدا کر دیتا ہے۔ پھر چھوت ہے نہ چھات،
نہ "جمنی وبہوار" میں دقت، "نہ لگن وبہوار" میں روٹی اور بیٹی کسی جگہ کوئی
بند نہیں۔ "فان تابوا و اصلحوا فاخوانکم فی الدین"، جب نواب ممتاز یار جنگ
نے اس گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور وہ کھلا تو جاوے کے ان کاشتکار نے
ان کی وضع قطع دیکھ کر ان کو مسلمان تسلیم نہیں کیا نہ داڑھی تھی نہ لبیں کتری ہوئی
تھیں نہ عربوں کا سا لباس تھا مگر تھے مسلمان اور لوائے محمدی کے نیچے اپنے حشر
کے خواستگار اور محمد کی شفاعت کے امیدوار اسیوقت خیال آیا باوجود ہیٹ
اور سوٹ کے ہاتھ باندھکر کھڑے ہو گئے اور قرأت شروع کر دی۔ اعوذ
باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یٰسٓ و القرآن الحکیم انک
لمن المرسلین"، اس پر دل کا زبان پر آنا تھا کہ جاوی گلے سے لپٹ گیا اب تک
وہ شبہ کر رہا تھا مگر اب سب شک و شبہ کافور ہو گیا اور ہندی و جاوی ایک لحظہ
میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اس نے ان کا ہاتھ منھ دہلوایا۔ کھانا کھلایا اور ہر طرح کا
آرام پہنچایا۔ ہمارے قرآن کی زبان ایک ہونے سے اور حج کے ذریعے دوسرے
ممالک کے مسلمانوں سے ملتے رہنے سے اسلام کا اب تک کسی قدر نظام باقی ہے
لیکن گورنمنٹ کی مداخلت اسی طرح جاری رہی تو یاد رکھئے کہ یہ گئی گزری حالت

بھی قایم نہ رہے گی۔

قول و عمل

کہنے کو گورنمنٹ یہی کہتی ہے کہ ہم ضمیر کے معاملہ میں نہ کبھی دخل دیتے تھے نہ اب دیتے ہیں۔ اور ہم حجاج کے راستہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتے۔ حالانکہ خود گورنمنٹ کا بنایا ہوا قانون ہے کہ کوئی جہاز راں کمپنی بغیر سرکاری اجازت کے حاجیوں کو نہ لیجائے ہم کہتے ہیں کہ اگر تم ضمیر کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتے اور عازمان حج کے راستہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتے تو وہ اجازت نامہ دکھاؤ جو تم نے جہاز راں کمپنیوں کو دیا ہے جواب دیا جاتا ہے کہ ابھی معاملہ زیر غور ہے آخر یہ کوئی حل طلب معمہ ہے کہ اسقدر غور کی ضرورت ہے۔ حج کا زمانہ بالکل قریب آگیا۔ مئی کے آخر یا اوائل جون تک حاجیوں کو یہاں سے چل دینا چاہئے اگر زیادہ دیر کے بعد فیصلہ کیا گیا تو اس سے کیا حاصل ہو گا۔ جو بات زیر غور ہے وہ ہم سب خوب جانتے ہیں۔ سلطان ابن سعود اور شریف مکہ کے لڑکے علی کی جنگ میں گورنمنٹ جو خیال رکھتی ہے ہمیں اس سے واقفیت ہے اگر اس سال حج کے لئے لوگ نہ گئے یا کم حاجی گئے تو شریفی آدمیوں کو حجاز میں کہنے کا موقع ملیگا کہ دیکھو اس خاندان کا تسلط اس زمین سے ہٹا تو ایک ہی سال میں یہ حالت ہو گئی کہ حجاج باہر سے نہیں آئے اور حجاز کے روزگار میں کمی آگئی۔ امیر علی کے چھوٹے بھائی امیر فیصل سے میں اٹلی میں ملا تھا وہ ترکوں کی بیحد شکایت کرتے تھے میں نے کہا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں اگر ترکوں نے یہ سب کچھ کیا تب بھی وہ تو نہیں کیا جو آپ کے باپ نے کیا کہ اللہ تعالی کی قسم کو بھی جھٹلایا۔ " والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین۔

قسم ہے انجیر کے درخت کی زیتون کے درخت کی او طور سینین کی اور امن والے شہر (مراد مکہ معظمہ) اس شہر میں جس کو خداوند تعالےٰ نے جائے امن ٹھہرایا ہے آپ نے ہمارے شیخ الہند کو گرفتار کیا اور کافروں کے حوالے کر دیا"۔ جب میں لینسڈون کی فوجی پہاڑی چھاؤنی میں نظر بند تھا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم نے ایک معزز مسلمان عہدے دار پولیس کی معرفت اپنی ہجرت کے متعلق مجھ سے مشورہ چاہا اور مجھے اطلاع دی کہ حکومت ان پر زور ڈالنا چاہتی ہے کہ کسی طرح وہ فتویٰ دیدیں کہ ترکوں کے خلاف جنگ کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے اور مسلمانوں کو حکومت کی مدد کرنا وہ ایسا فتویٰ نہیں دے سکتے مگر انکار کے بعد ان کے لئے ہندوستان میں رہنا مشکل ہو جائیگا۔ وہ دریافت فرماتے ہیں کہ افغانستان جاؤں یا مکہ مکرمہ آخر کار وہ خدا کے وعدہ کے مطابق خدا کی قسم پر ایمان رکھتے ہوئے مکہ کو بلد الامین سمجھ کر ہجرت کر گئے اور وہاں تشریف لے گئے لیکن شریف حسین نے انکو وہاں بھی نہ چھوڑا، اور انہیں اور مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عذیر گل صاحب اور دیگر ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے انہیں مصر اور پھر مالٹا میں برسوں قید رکھا اور اتنا کم خرچ دیا کہ شکم سیر ہو کر غذا بھی نہ کھا سکے اور قید سے چھوٹنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ تو چھوٹے بھائی سے گفتگو ہوئی تھی اب بڑے بھائی کی کیفیت سنئے خداوند کریم نے جو کفار تک کو بے رزق نہیں رکھتا حضرت ابراہیم کی استدعا پر کہ میری اولاد میں سے جو تجھ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھے رزق پہنچاتا رہیو ان کی روزی کا یوں انتظام فرما دیا کہ مسلمانِ عالم کو حج کا حکم دیا اور کہہ دیا کہ یہ دور دور سے تھکے ماندے خستہ اور لاغر اونٹنیوں پر حج

کو آئیں گے اور قربانیاں کریں گے۔ خود کھائینگے اور غریبوں محتاجوں کو کھلائینگے

(۳)

امیر علی کی خواہش

امیر علی کی یہ خواہش کہ جس طرح بلدالامین کی قسم جھٹلائی گئی اب حج کے ذریعہ سے روزی کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی جھوٹا ثابت کر دیا جائے لیکن جس طرح ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ خود اپنی حفاظت کے خیال سے بلدالامین کو بلدالامین ہی بنائے رکھیں اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع یعنی بن کھیتی کی زمین میں اولاد ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ کی اولاد کو اپنے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت مندوں کو، اللہ کے پڑوسیوں کو انکی مقرر شدہ روزی پہنچائی جائے یہ اللہ کے پڑوسی ہیں اور حقوق جائز کا خواہ پڑوسی کافر ہی کیوں نہ ہو اسلام سے بڑھکر جس نے انہیں حق شفعہ عطا کیا ہے۔ کون لحاظ رکھ سکتا ہے۔ غالب اسی دھلی میں رہتے تھے جب بہت بوڑھے ہوگئے تھے تو کانوں سے سننا بھی مشکل ہو گیا تھا ایک بار تبدیل مکان کیا اور قاسم جان کی گلی میں ایک مسجد کے عقب میں آکر رہے نماز مغرب کے وقت پالکی سے اُترے اور نئے گھر میں داخل ہوئے مغرب کی اذان سنکر ساتھیوں نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھائے پوچھا یہ کیا لوگوں نے کہا پڑوس میں مسجد ہے وہاں اذان ہوئی تھی۔ سر ہلایا اور مسکرائے اور اسیوقت یہ شعر کہا ؎

مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنایا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

اگر غالب مسجد کے عقب میں رہکر "ہمسایۂ خدا" ہو سکتے تھے تو "اوّل

بیت وُضِعَ لِلنَّاسِ لِلَّذِی بِبَکَّۃَ مبارکًا وَّ ہُدًی لِّلعَالمِین،، یعنی بقول اقبال

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

اس خدا کے پہلے گھر بیت عتیق کے پاس رہنے والے کیا خدا کے پڑوسی نہ ہوئے کیا اللہ کے ان پڑوسیوں کا ہم پر اور آپ پر حق نہیں ہے کہ اللہ کے وعدہ کے مطابق ہم ان کی روزی اُن تک پہنچائیں اور اگر جدّہ کے بندرگاہ پر ایک نام نہاد مسلمان دشمنانِ اسلام کا دوست اور مسلمانوں اور خود اپنے شہر والوں کے دشمن کا قبضہ ہے اور رابغ، قنفذہ، یالیت اور مکہ مکرمہ کا فاصلہ بمقابلہ جدّہ کے زیادہ ہے تو کیا ہم رک جائیں اور خدا کا وہ وعدہ پورا نہ کریں کہ ” واذن فِی النّاس بالحج یاتوک رجالًا وعلیٰ کلّ ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشہد وامنافع لہم ویذکر واسم اللّٰہ فی ایّام معلومات علی مارزقہم من بہیمۃ الانعام فکلو منہا واطعوا البائس الفقیر،، یعنی حج کا اعلان تو کرو، پھر دیکھو کہ لوگ پاپیادہ بھی آئیں گے اور لاغر اونٹوں پر بھی دور دور سے آئیں گے تاکہ وہ خود دیکھ لیں کہ انکو کیا کیا نفع ملتا ہے اور خدا نے جو چارپائے انکو دئے ہیں ان خاص دنوں میں ان پر خدا کا نام لیں حکم ہے کہ قربانی کرکے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔ آج، اللہ کے پڑوسیوں سے زیادہ کون مصیبت زدہ اور کون محتاج ہے۔ ارشاد باری ہے کہ ” ثُمّ لیقضو اتفثہم والیو فو نذورہم لیطوفوا بالبیتِ العتیق۔ پھر چاہئے کہ لوگ اپنا میل کچیل اتار دیں اور منتیں پوری کرائیں اور اللہ کے سب سے پرانے گھر کا طواف کریں۔ آج میل کچیل اتارنے کا دن ہے مگر ہم ہیں کہ حکومت کے وسوسہ انداز کرنیکے باعث راہ کے گرد و غبار ہی سے گھبرا رہے ہیں کہ بجائے جدّہ سے چل کر،

دو دن میں مکہ مکرمہ پہونچنے کے رابع سے تین چار دن میں اور قنفذہ سے آٹھ دن میں پہونچیں گے۔ مگر سُن لیجئے ابھی کچھ اور بھی ارشاد ہوتا ہے۔ ذالك ومن یعظم حرمت اللہ فہو خیر لہٗ عند ربہٖ واحلت لکم الانعام الا ما یتلی علیکم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور ہ حنفاء للہ غیر مشرکین بہٖ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق ہ ذلک ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یہی نہیں بلکہ جو خدا کی قرار دی ہوئی محترم چیزوں کا احترام کریگا تو یہ ان کے رب کی سرکار میں ان کے لئے بہتر ہے اور اے مسلمانو! ان چیزوں کے سوا جو تم کو سنائی جاتی ہیں سب چار پائے تمہارے لئے حلال ہیں حقیقی گندگی تو یہ ہے کہ بتوں کی پرستش کرو، اس گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کے کہنے سے بچو، ایک اللہ کے ہو رہو، اسکے ساتھ کسیکو شریک نہ کرو۔ جو کسیکو خدا کا بناتا ہے اسکا یہ حال ہے کہ جیسے وہ آسمان پر سے گر پڑا۔ پھر یا تو اُسے شکاری پرندے اُچک لیجائیں گے یا ہوا کسی دور جگہ لیجا کر ڈال دے گی۔

شعائر اللہ

اور بات تو یہ ہے کہ جو شخص شعائر اللہ، یعنی خدا کی ٹھہرائی اور خدا کی منسوب چیزوں کا ادب ملحوظ رکھے تو یہ تو دل کی پرہیزگاری سے ہوتا ہے کون نہیں جانتا کہ "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" حج حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں سے ہے بیت عتیق جس کا طواف کیا جاتا ہے اللہ سے منسوب ہے کہ اس کا سب سے پرانا گھر ہے لیکن ہم نے ایک معبودِ حقیقی کی خالص پرستش کو چھوڑ کر ہر خداوند مجازی کی چوکھٹ کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے اور اسی کے کوچے میں گھوما کرتے ہیں اور اسی کا طواف

ہمارا حج ہے۔ اس شرک کی گندگی اور میل کچیل کو ہم کب دور کرنا چاہتے ہیں کسی نے دل کی پرہیزگاری سے مجبور ہو کر ہمیں مجبور بھی کیا کہ ہم شعائر اللہ اور حرمات کا احترام کریں تو ہماری یہ بت پرستی ہمیں قول الزور کی طرف لیجاتی ہے۔ ہم لاکھوں باتیں بناتے ہیں اور حیلے بہانے کرتے ہیں اسکا آخر نتیجہ کیا ہوگا۔ یہی کہ گورنمنٹ ہاؤس کے طواف کی فکر میں ہم عرش سے گرا دیئے جائیں گے، پھر ہماری بے بسی یہ ہوگی کہ چیل کوّے ہمارے لئے بس ہوں گے یا ہم بجائے اسلام اور ایمان کے مضبوط ہونے کے جو صرف اجتماع قومی سے ہو سکتے ہیں۔ صحرا کی ریت کے ذرّوں کی طرح ہو جائیں گے جسے ہوا کا ہر بگولہ کوسوں دور لیجا کر پھینک سکتا ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ اور حج عالمگیر اسلامی اخوۃ اور خلافت، یہی وہ چیزیں ہیں جو ہمیں کوہ ہمالہ سے زیادہ مضبوط بنا سکتے ہیں کہ کوئی طوفان اور کوئی باد مخالف ہمکو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہم جہاں ہیں وہیں قائم رہیں گے اگر یہ نہیں تو پھر ہماری کثرت ہمارے لئے بیکار زمین باوجود اپنی وسعت کے ہمارے لئے تنگ ہو جائیگی " وضاقت علیکم الارض بما رحبت" ہمکو وحدت درکار ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ افراد کی کثرت ذرہ ہائے صحرا کی کثرت سے زیادہ نہیں۔ وہ بیکار ہے " لم تغن عنکم شیئا"

برادران ملت! حج کا مسئلہ تو انشاء اللہ طے ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں کے موافق ہی طے ہوگا۔ مگر ان چھوٹی چھوٹی اور بار بار کی کوششوں اور مذبوحی کیفیتوں سے کیا ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسلام کا پرانا نظام تیرہ سو برس کے تجربہ کے بعد از سر نو محلہ کی مسجدوں سے قائم کیا جائے، اور بیت الحرم تک اسکا سلسلہ جائے تاکہ جو اس سلسلہ میں آ جائے اسکے لئے اطمینان ہو سکے کہ مَن دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا

جو اس میں داخل ہوگیا اسے امان مل گئی۔ ہر گاؤں اور ہر شہر اور قریہ کے ہر محلہ کے باشندوں سے اسکی ابتدا ہو اور اسکی انتہا خلیفۃ الرسول تک ہو۔ گاؤں۔ شہر، ضلع، صوبہ، ملک اور ساری دنیا اس میں ابتدا سے لیکر انتہا تک صرف ایک ہی نظام قائم ہو۔ وہ نظام، نظام خلافت تھا۔ اور اسی کا احیا خلافت کمیٹی کا اب کام ہے۔

گنبدِ خضرا پر گولہ باری

(ہمدرد ۲ - ستمبر - سنہ ۱۹۲۵ء)

(ابن سعود کی کامیابیاں بڑھ رہی ہیں حامیان شریف کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک افواہ یہ اُڑ گئی کہ نعوذ باللہ گنبد خضرا پر نجدیوں نے گولہ باری کی، محمد علی اور خلافت کمیٹی کو امید تھی کہ حجاز میں حسب وعدہ سلطان ابن سعود بادشاہت نہیں قایم کریں گے، بلکہ اس پر عالم اسلام کی حکومت ہوگی۔ اسی لئے علی برادران اور خلافت کمیٹی کی طرف سے ابن سعود کی زبردست تائید ہو رہی تھی۔

اس افواہ کی تردید کے لئے لاہور میں ایک جلسہ زیر صدارت محمد علی منعقد ہوا تھا۔ تقریر ذیل اس موقع کی ہے اور ظرافت کی لب بند چاشنی مستزاد۔ اس تقریر سے اس زمانہ کی فضا، ماحول، اور جذبات کی گرمی کا بھی اندازہ ہو جائیگا۔ مؤلف)

پرسوں شام کو لاہور سے مجھے ٹیلیفون کا پیغام موصول ہوا۔ اور بھائی ظفر کی طرف سے عزیزی اختر نے طلب فرمایا۔ تو مجھے حیرت ہوئی، کیونکہ اہل پنجاب

سے متعلق میرے خیالات شایع ہو جانے کے بعد مجھے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ اہل پنجاب میری صورت بھی دیکھنا گوارا کریں گے۔ خیر صبح جمعہ تھا۔ مولانا کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب، مولانا عبدالحلیم صاحب، مولانا محمد عرفان صاحب میرے غریب خانہ پر تشریف رکھتے تھے۔ دہلی میں مخالفین اعلان کر چکے تھے کہ اگر محمد علی جامع مسجد میں آیا تو اس کا سر توڑ دیا جائیگا۔ اسکی اطلاع ان حضرات نے مجھے دی، اور مجھے مشورہ دینا چاہتے تھے، لیکن میں نے پیش بندی کی اور عرض کیا کہ ایک چیز کا تو آپ حضرات کو فوراً فیصلہ کر دینا چاہئے یعنی یہ کہ مسجد میں ضرور جایا جائے، اس پر علما نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا کہ گو بدامنی کا خوف ہے لیکن جانا چاہئے اور فرار نہ کرنا چاہئے۔ مجھے خیال آیا کہ اگر خدا و رسول کے راستہ میں میرا سر توڑ دیا جائے تو اس سے بڑھکر کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ دہلی میں ایک داستان گو رہتے تھے۔ جب دہلی اجڑ گئی تو وہ جے پور کے دربار میں چلے گئے۔ پیہم مصائب سے اور سلطنت کے جاہ و جلال کی تباہی کا منظر دیکھنے کی وجہ سے ان کا سر پھر گیا تھا۔ آپ ایک بازاری عورت ایک کنچنی پر عاشق ہو گئے۔ انہی دنوں وہ کنچنی مر گئی۔ تو آپ کو وہم ہو گیا کہ اب وہ کوہ قاف کی ملکہ بنگئی ہے۔ شہر کے لونڈے ان سے مذاق کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوہ قاف کی ملکہ آگئی ہے۔ لیکن تمہاری ملاقات اس سے اس شرط پر کرائی جائے گی کہ تم ہمیں کوئی عمدہ داستان سناؤ اس پر وہ بادشاہوں کے درباروں میں داستانیں سنانے والا شہر کے لونڈوں کے سامنے اپنا کمال فن صرف کرتا تھا۔ ایک دن وہ داستان گو صاحب میرے ایک دوست کے پاس آئے اور

فرمانے لگے، کہ میاں آج ہمیں معراجِ عشق نصیب ہو گئی۔ لڑکوں نے ہمیں "دیوانہ ہے دیوانہ" کہہ کر پتھر مارے، دنیا کی نظروں میں مجنوں بنکر پتھر کھانا بلاشبہ معراجِ عشق ہے۔

مسلمانو! کیا تمہیں یاد ہے۔ جب تمہارے آقا و مولا محمدؐ عربی کے گلے میں کفار نے کعبہ میں کپڑا ڈال کر کھینچا تھا اور حضرت ابو بکر نے یہ کہہ کر چھڑایا تھا کہ کیا تم اللہ کے ایک بندے کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں صرف اسوجہ سے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کے گھر میں فقط اللہ ہی کی پوجا کرتا ہے مجھے یہ خیال آیا کہ اگر مجھے بھی اللہ کے گھر میں اظہارِ حق کی وجہ سے پیٹ ڈالیں گے تو سنّتِ نبوی پوری ہوگی، اللہ اکبر، میرا نام میرے ماں باپ نے اُسی اسمِ گرامی پر محمد رکھا تھا، کہاں وہ، کہاں میں، لیکن

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

کعبہ نہیں تو جامع مسجد دہلی میں حق پرستی کی خاطر مار کھانا میرے لئے معراجِ عشق ہے۔ آخر یہ طے ہوا کہ جس طرح جمعہ کو میں جامع مسجد میں جاکر تقریر کرتا ہوں اسی طرح کل بھی جاؤں گا۔ تقریر نہ کروں گا، خلافت کے ممبر بناؤں گا۔ اگر مخالف تقریر کریں گے تو سنونگا۔ علمار نے فرمایا کہ اگر انہوں نے کوئی سختی کی یا جھوٹی باتیں کہیں تو پھر کیا ہوگا؟ میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو ہم سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کرکے دکھا دیں گے۔ چنانچہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی زبانیں بند کر دیں۔ میرے گرد کوئی خونخوار جماعت نہ تھی۔ میں نے خدا کے گھر

جہاں اس جلسہ کی طرح کوئی آرائش کا نہ سامان تھا نہ گیس کے ہنڈے تھے، نہ کوئی پوسٹر لگا تھا جو کسی فریق کو دعوت دے بلکہ سب مسلمان بلا امتیاز فرقہ و پارٹی حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کی آواز پر جمع ہو گئے تھے، نماز ادا کرنے کے بعد خلافت اور قبوں کے متعلق بہت کچھ کہا۔ لیکن جو جماعت میری گردن توڑنے کا ارادہ رکھتی تھی اس میں سے کوئی بھی نہ بولا سب خاموش رہ گئے۔ جب میری تقریر ختم ہونے لگی تو میں نے غالب کا شعر جو بالکل حسب حال تھا لوگوں کو پڑھکر سنایا۔ ؎

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

وہاں سے مطمئن ہو کر معہ علماء کرام اور دیگر احباب کے ساتھ خلافت کے آئندہ کام کی خاطر مشورہ کرنے کی غرض سے آیا۔ جب ہم مشورہ کر رہے تھے تو تیسری بار بھائی ظفر علی خاں کا پیغام پہنچا۔ پہلی دعوت پر جب خود میرے سر کا قبہ پھوٹنے کی خبر ملی تھی، میں یہ اپنے دل سے کہہ کر، بھائی ظفر علی خاں کو ٹال سکتا تھا کہ

تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

گو اسلام کے کام میں اپنی پرائی کا امتیاز کسی حالت میں بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن اب میں دہلی کی طرف سے مطمئن تھا۔ چنانچہ میں نے دعوت قبول کی اور لاہور آیا۔ اگرچہ یہاں کے مسلمان مجھ سے بیزار ہیں، میرا نام سننا پسند نہیں کرتے لیکن جب میں دہلی میں نہ گھبرایا تو یہاں کیا گھبراتا۔ یاد رکھو، مسلمان

ایک برادری، ایک ذات، ایک قوم ہیں، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے مجوس اور عیسائی رہ چکے تھے۔ لیکن جب مسلمان ہوئے اور ان سے ان کا حسب نسب دریافت کیا گیا تو فرمانے لگے، سلمان ابن اسلام ابن اسلام ہم سب کا باپ اسلام ہے۔ ہم سب ایک رشتہ اخوت میں بندھے ہوئے ہیں۔ خدا اس رشتہ کو قائم رکھے۔

مسٹر محمد علی

(اس موقعہ پر ایک رقعہ مولانا کے پاس پہنچا جس میں بعض سوالات کے جواب طلب کئے گئے تھے، اور مولانا کی جگہ مسٹر محمد علی لکھا تھا)

مولانا نے فرمایا کہ "مسٹر" بھی لکھنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد علی ہی لکھ دیا ہوتا۔ میرے ماں باپ نے میرا نام میرے آقا و مولا کے نام پر رکھا تھا جس نام میں محمد اور علی جیسے مقدس نام شامل ہوں اسے کسی عزّت کے لفظ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، لیکن مجھے تعجب ہے کہ فرنگی محل کے حنفیوں نے تو مجھے مولانا کا خطاب دیا تھا لیکن آج لاہور کے حنفی اُسے چھین رہے ہیں کاش ان سوالوں کا جواب مجھ سے دہلی دروازے کے جلسے میں لیا جاتا۔ ادھر سے مولانا نعیم الدین اور مولانا دیدار علی کچھ کہتے، ادھر سے مولانا محمد عرفان اور مولانا احمد سعید جواب دیتے اور کچھ کرتے لیکن ان لوگوں سے یہ کہاں امید ہے کہ آپ ہمیں کچھ کہنے کا موقع دیں گے۔ لکھنؤ میں قبوں کے معاملہ پر جلسہ منعقد کیا گیا اعلان میں لکھا تھا کہ یہ تمام طبقوں کا نمائندہ جلسہ ہے، اور فی الحقیقت اس میں حضرات تشیع بھی شامل تھے۔ حالانکہ ایک زمانہ تھا جب لکھنؤ میں سنیوں کے

لئے نماز پڑھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اور فرنگی محل کے خطبے میں خلیفہ یا مسلم بادشاہ ہندوستان کا نام نہ تھا، تاکہ شیعہ بادشاہ واجد علی شاہ کا نام نہ لینا پڑ جائے لیکن اِس جلسے میں مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے تقریر کرنیکی اجازت طلب کی۔ لیکن کسی نے گوارا نہ کیا کہ اپنے خلاف ایک لفظ بھی سن سکیں چنانچہ ہمدم نے لکھا ہے کہ مولٰینا عبد الرزاق اپنے دس پندرہ دوستوں کو ساتھ لیکر جلسے سے اُٹھ کر چل دئے۔ مجھے اس تعداد کا اعتبار نہیں مگر نارواداری کے ثبوت میں یہ بھی کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس ملک اور جس قوم میں اسقدر عدم رواداری ہو۔ اس ملک اور قوم کا انجام کیا ہوگا۔ مجھ سے سوالات کا جواب لینا چاہو۔ تو مجھے اپنے جلسوں میں بلاؤ تاکہ کچھ تمہاری سنوں، کچھ اپنی کہوں۔

میں نے کہا تھا کہ ہندوستان بھر میں آجکل افتراق کی جو گنگا بہہ رہی ہے اسکی گنگوتری پنجاب میں ہے۔ جب مہاتما گاندھی قید ہو گئے اور وہ اشرار جو سوراج کے خلاف تھے۔ ہندو مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو گیا۔ مسلمان بھی حکومت کے ایجنٹوں کے دھوکے میں آگئے۔ اور افتراق پر راضی ہونے لگے میں نے اسی وقت کہا تھا کہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو ہندو میں لڑائی ہوگی اور مسلمان، مسلمان کا سر توڑینگے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ ادھر آریہ سماجیوں اور سناتن دھرمیوں میں لڑائی ہو رہی ہے۔ ادھر ہمارا اور حزب الاحناف کا جھگڑا جاری ہے۔

میں صرف ایک خیال ظاہر کرنا چاہتا ہوں، آپ ہی بتا دیجئے اس ملک ہندوستان پر کبھی مسلمانوں کی حکومت تھی یا نہیں (آوازیں "تھی") وہ حکومت کس نے چھینی؟ (جواب، "برطانیہ نے") کیا اب برطانیہ اس ملک کو

آزاد کرنے پر آمادہ ہے ؟ (جواب، "نہیں") کیا وہ حکومت چاہتی ہے، کہ ہندو مسلمانوں کا اتحاد یا مسلمانوں مسلمانوں ہی کا اتحاد دیکھ سکے؟ (ہرگز نہیں) جب حکومت ہمارے نفاق ہی میں خوش ہے اور جب ہمیں متحد دیکھتی ہے، تو ہمیں جیلخانوں میں ڈالتی ہے۔ اخباروں کی ضمانتیں ضبط کرتی ہے۔ ہم سے جرمانے وصول کرتی ہے تو کیا تم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ تمہارا نفاق مخالفین کو کس قدر عزیز ہے

دنیائے اسلام کے مصائب

سنو! جو جو مصیبتیں دنیائے اسلام کو ۱۹۱۱ء کے بعد سے آج تک برداشت کرنی پڑی ہیں وہ تم کو خوب معلوم ہیں۔ جو لوگ آجکل اسلام کے اس قدر دلدادہ ہو رہے ہیں کہ مکہ میں کسی قبہ کے ٹوٹنے پر ہمارے سروں کے قبے توڑنے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔ اور عورتوں کی طرح رونے پیٹنے اور جزع فزع کرنے میں مصروف ہیں اسلام کی مصیبت کے وقت کیا کر رہے تھے (آواز، حلوے کھا رہے تھے) جب مشہد مقدس پر روس نے گولے پھینکے تھے، اسوقت یہ پیر اور ان کے مرید کہاں تھے (آواز، تعویذ لکھ رہے تھے) اسوقت ہماری ہی جماعت کے لوگ تھے جو ہتھیلیوں پر سر لے کر نکلے اور حکومت کو بتادیا کہ اگر حکومت برطانیہ ان مکروہ حرکات میں روس کا ساتھ دے گی تو ہم باغی ہو جائیں گے۔ ہمارا جوش تو یہ تھا لیکن اگر آج بھی کوئی روضۂ مطہرہ کی توہین کرے تو کیا وہ جماعت سربکف ہو جائیگی (آواز ہرگز نہیں)

جسوقت کلکتہ کے ایک اخبار "ڈیلی نیوز" نے چھاپا تھا کہ یہاں بیرونی ممالک کے مسلمان جب سڑکیں صاف کرتے ہوئے غلاظت کے ڈھیر دیکھتے ہیں

تو اس پر اس خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا ان کے نبی کا مزار ہے (نعوذ باللہ) اسوقت ہم موجود تھے۔ ہماری ہی جماعت سر بکف ہوئی تھی، لیکن یہ لوگ اپنے مریدوں پر دم کر کے انہیں ترکوں کی گولیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گویا ان کی جانیں ترکوں کی جانوں سے عزیز تر تھیں یہ لوگ قبوں اور مولدوں کے لئے روتے ہیں۔ سنو۔ رسول صلعم کیا کرتے تھے جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کا طواف فرمارہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے شہر مکہ تو مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ اے کعبہ تو مجھے بہت ہی پیارا ہے مگر اے کعبۃ اللہ مجھے رب کعبہ کی قسم تو مجھے اتنا پیارا نہیں، جتنی ایک مسلمان کی جان، ایک مسلمان کا مال، اور ایک مسلمان کی عزت عزیز ہے، آج مسلمانوں کی عزت آبرو چھینی جارہی ہے۔ بمبئی کے ایک جلسے میں ایک صاحب حکیم غلام نبی کو بعض بدبختوں نے مارا۔ ان سے پوچھو کہ کیا رسول خدا کی یہ حدیث نہیں، کیا رسول اللہ کے ارشاد سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ حضور کو کعبہ کا ٹوٹنا گوارا تھا لیکن ایک مسلمان کا سر ٹوٹنا گوارا نہ تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا، میں اس لئے نہیں ڈرتا کہ تم پر افلاس طاری ہو جائیگا۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ دنیا تمہارے سامنے پھیلادی جائیگی اور تم دنیا کے لئے ایک دوسرے کی گردن توڑنے لگو گے، اور کافر ہو جاؤ گے آپکو معلوم ہے کہ ایمان و کفر عقیدے سے ہے نہ کہ عمل سے ایک مسلمان اگر لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھے اور اس کا اقرار باللسان بھی کرے تو وہ مسلمان ہے خواہ وہ زانی و شرابی، جواری اور ڈاکو ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن مسلمان کا مسلمان کو مارنا بھی ایک ایسا فعل ہے کہ جس میں عمل سے عقیدہ پہچانا جاتا ہے۔ یا پھر نماز ہے کہ اسکے ترک سے

کفر کا پتہ چلتا ہے، اور اس پر پابند ہونے سے اسلام کا۔

جب جنگ عمومی ہوئی اور مسلمان سپاہی مسلمانوں پر گولی چلانے سے انکار کرنے کے باعث سزایاب ہوئے اسوقت یہ پیر جو آج اسلام کا دعوی کرتے ہیں کہاں تھے ؟

نام نہاد پیر

یہ پیر ہی تھے کہ جب اسلام کے فرزند جیلخانوں میں چکیاں پیستے اور چنے کھاتے تھے تو یہ مرغن کھانوں اور پلاؤ پر ہاتھ مارتے تھے، کہاں گیا تھا ان کا اسلام جب انہوں نے ساڑھے سات لاکھ مسلمانوں کو کافر بنا کر پنجاب سے مسلمانوں کے مقابلے میں لڑنے کو بھیجا تھا؟ یہی حنفی اور قادری، اور چشتی تھے، یہی پیر تھے انہیں کے بھیجے ہوئے آدمی تھے اور انہی کے گرگے تھے جنہوں نے ترکوں کے بچوں کو یتیم بنایا۔ ترکوں کی عورتوں کو بیوہ کیا۔ مجاہدین کی گردنوں پر چھریاں چلائیں، حرم کے اندر ترکوں کو ذبح کیا، اور جزیرۃ العرب کی اینٹ اور حرمت کو تباہ اور برباد کر دیا۔ جن دنوں میں یورپ گیا تھا فیصل بھی یورپ آیا ہوا تھا۔ میں اٹلی میں کومو کی جھیل کے کنارے اس فیصل سے ملا، جو آج شاہ عراق بن بیٹھا ہے، اور آج لندن میں بخار میں مبتلا ہے، سید سلیمان میرے ساتھ تھے، فیصل نے مجھ سے ترکوں کی شکایت کی میں نے کہا کہ مان لو ترکوں نے وہ سب کچھ کیا جو تم کہتے ہو لیکن تم نے وہ کچھ کیا کہ جو آجتک کسی نے نہ کیا تھا۔ تم نے خدا کی قسم کو جھٹلایا۔ قرآن میں آیا ہے والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین اللہ تعالے نے تو مکہ معظمہ کی اس لئے قسم کھائی تھی کہ وہ بلد الامین ہے وَمَن

دخلہ کان آمنا، جو اس میں داخل ہوا اسکو امن نصیب ہوگیا۔ لیکن تمہارے ہاتھوں اس میں کسی کا امن سلامت نہ رہا۔ شیخ الہند بڈھا ضعیف (اللہ اسکی روح پر بھی رحمت نازل کرے) ہندوستان میں انہی لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر حجاز کو ہجرت کر گیا۔ لیکن وہاں سے بھی گرفتار کر کے مصر اور پھر مالٹا بھیج دیا گیا کیا بلد الامین کے رہنے والوں کو تم نے یہی امن دیا؟ اس پر فیصل چپ ہوگیا۔ کچھ جواب نہ دے سکا۔ آج یہ لوگ حُبّ رسول کا دعوی کرتے ہیں، لیکن اللہ کا رسول خود کہتا ہے کہ اے کعبۃ اللہ تو مجھے بہت پیارا ہے لیکن مسلمان کی جان مال آبرو سے زیادہ پیارا نہیں، لیکن یہ مسلمانوں ہی کے جان، مال اور آبرو کے در پے ہیں انکو حلوے مانڈے سے کام ہے اور پھر رسول کی محبت کے دعوے دار ہیں، یہ لوگ ابن سعود کو گالیاں دیتے ہیں اسکی توہین اور بے عزتی کرتے ہیں کیا وہ کافر و مشرک ہے؟ کیا وہ خدا اور رسول کا کلمہ نہیں پڑھتا۔ کیا وہ مسلمان نہیں کہ تم اسکی آبرو چھیننے کے در پے ہو رہے ہو؟

آج میرے بھائی سید حبیب (جو پہلے بھی قید کاٹ چکے ہیں لیکن خدا جانے اس نئی ایک ماہ کی قید نے انکی حالت اسقدر کیوں بدل دی) کہتے ہیں کہ جب مسجد نبوی پر گولے برس رہے ہوں تو میں کیونکر صبر کر سکتا ہوں، یہ تو وہی مثال ہے جو بھائی ظفر نے دی کہ کسی نے کہدیا، کان کوا لیگیا۔ وہ کوّے کے پیچھے بھاگے اور کان کو ٹٹول کر نہ دیکھا، کیا گدھوں کے سر سینگ ہوا کرتے ہیں؟ پہلے تحقیق کرو، اسکے بعد کہو کہ صبر نہیں ہو سکتا۔ نیوٹن کے زمانے میں انگلستان میں سائنس کے لئے رایل سوسائٹی بادشاہ چارلس دویم کی سرپرستی میں قایم ہوئی

اس میں کسی نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ایک برتن میں پانی لبالب بھر دو اور اس میں زندہ مچھلی ڈالو۔ تو پانی نہیں چھلکتا۔ لیکن مردہ مچھلی ڈالو تو چھلک جاتا ہے آخر اسکی وجہہ کیا ہے؟ مختلف لوگوں نے مختلف وجوہ بیان کئے آخر یہ مسئلہ نیوٹن کے سامنے پیش کیا گیا اس نے دو طشت منگائے پانی سے لبالب بھر دیئے مردہ مچھلی ڈالی۔ پانی چھلک گیا۔ جب زندہ ڈالی جب بھی چھلک گیا۔ سب چپ ہوگئے سب کی توجیہیں غلط ہوگئیں۔ اگر کمبخت پہلے ہی تجربہ کر لیتے تو اسقدر وقت کیوں ضایع ہوتا، یہ لوگ تحقیق حالات تو کرتے نہیں نیوٹن کے معاصرین کی طرح جو بلا یہ دیکھے ہوئے کہ یہ امر واقعہ بھی ہے یا نہیں لگے اسکی وجہ اور سبب بتانے، گنبد خضریٰ پر گولہ باری اور قیامت کبریٰ کا شور مچا رہے ہیں۔

ان پیروں سے کہہ دو کہ اگر تم روضہ مطہرہ کی بے حرمتی ثابت کر دو گے تو اس امر کے خلاف جانیں لڑانے کے لئے ہم آگے ہوں گے اور تم پیچھے پیچھے، میرا ایک شعر ہے جو جیل کے زمانے میں کہا گیا تھا لیکن معلوم نہ تھا کہ یہ کبھی پیروں پر صادق آئے گا ؎

حرم میں یوں تو تھا ہر اک کو تیرے عشق کا دعویٰ
کیا تحقیق تو اکثر وہی عشق بتاں پایا

حرم میں بھی سوائے قبہ پرستی کے تم پیروں کو کچھ نہیں بھاتا لیکن ؎

دلا! ڈر ہے کہیں کعبہ پہنچکر، تو نہ کہہ بیٹھے
کہ واپس چل یہاں سے، اب تو یہ بتخانہ خالی ہے

ہم تو خدا کی پوجا کرتے ہیں، نہ قبے کو پوجتے ہیں نہ پتھر کو، تم قبوں کے لئے خدا اور

رسول کا حکم بتا دو۔ ہم عمل کے لئے تیار ہیں، ایک جماعت اس بارہ میں رسولِ خدا کی ہنسی کو مکروہ تنزیہی بتاتی ہے۔ دوسری اسکو حرام بتاتی ہے۔ علما بیٹھیں اور تنزیہی اور تحریمی کا فیصلہ کریں مگر حیلہ شرعی کوئی نہ ڈھونڈے۔ حیلہ شرعی ڈھونڈنا حزب الاحناف کو مبارک ہو۔ ہم تو سر بکف عمل کے لئے نکل آنا جانتے ہیں۔

(یہاں مولٰینا نے ایک اشتہار ہاتھ میں لیکر فرمایا) یہ ایک اشتہار شائع کیا گیا ہے جس پر میرے بھائی سید حبیب ایڈیٹر سیاست کے دستخط بھی ہیں، سید محسن شاہ کا نام بھی درج ہے۔ اور سنو مُردے بھی زندہ ہونے لگے، یاد ش بخیر مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار کا نام بھی لکھا ہے۔

مولٰینا ظفر علی خاں:۔ پرسوں صبح مولوی محبوب عالم نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے جلسے کا اشتہار نہیں دیکھا۔ صرف مقصد جلسہ معلوم کر کے اجازت دیدی تھی کہ میرا نام بھی داعیوں کی فہرست میں درج کر دو۔

مولٰینا محمد علیؒ:۔ بھائی ظفر، تم مولوی محبوب عالم کے پاس دس ہزار کا ایک چک لے کر چلے جاؤ۔ اور ان سے کہو کہ آنکھیں بند کر کے اس پر دستخط کر دیں پھر دیکھیں گے وہ کیونکر دستخط کرتے ہیں، یا اسکی ذمہ داری اٹھانے کے لئے طیار ہو جاتے ہیں۔

حکومت سے تعاون

ذرا سید حبیب کو دیکھو، جس حکومت نے انکو یہ سزا دی تھی کہ جب تک جرمانہ ادا نہ ہو "خالدین فیھا"، بنے رہو، اور جیل میں سڑتے رہو آج وہ اس حکومت کے مقاصد کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ اشتہار میں لکھا ہے کہ:۔

"گزشتہ سال حرمین شریفین سے واپس آئے ہوئے حاجیوں کی زبانی مکہ معظمہ کی بے حرمتی جو قبوں کے گرائے جانے، قبروں کے اکھیڑنے، مساجد کو منہدم کرنے اور طائف شریف اور مکہ معظمہ میں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کرنے سے کی گئی"

حالانکہ مکہ معظمہ میں کوئی مسلمان بھی شہید نہیں ہوا۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان حاجیوں کو کس نے بھجوایا تھا محسن شاہ نے یا محبوب عالم نے یا سید حبیب نے؟ سید حبیب کہتے ہیں کہ ایک ماہ جیل میں رہنے کے بعد آیا ہوں مجھے صحیح حالات کا علم نہیں ہے تو پھر صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ نجدی آمبر کی کارروائی کا نتیجہ نہیں، پہلے ہی سے کسی شیطان کی حرکت کا اثر میرے قلب پر ہو چکا ہے۔ شیطان کسی کو نظر آیا نہیں کرتا وہ بھی لوگوں کے سینوں کے اندر ہی کلبلاتا رہتا ہے "یوسوس فی صدور الناس"
اس اشتہار میں لکھا ہے کہ " وہابیہ نجدیہ کے ایجنٹوں اور مددگار ذریات نے صرف یہ کہدیا کہ گورنمنٹ کا پروپگنڈا ہے اسکے بغیر کوئی ثبوت ان کے ہاتھ نہ آیا میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اسکے بعد بھی کسی ثبوت کی ضرورت باقی ہے؟ وہابیہ، نجدیہ کے ایجنٹوں اور مددگار ذریات اشتہار میں جلی قلم سے لکھا گیا ہے مگر حزب الاحناف لاہور اس سے بھی زیادہ جلی قلم سے لکھا گیا ہے گویا اس نام میں سیاہی کے لئے خاص کشش اور قوت جاذبہ ہے۔ سید حبیب صاحب مجلس خلافت ضلع لاہور کے صدر اور مرکزی مجلس کے کارکن ہیں۔ پھر بھی اس اشتہار میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اس سال حج کے موقع پر لیڈران خلافت نے حاجیوں کے ہمراہ اپنے معتبر نمائندے بدیں غرض بھیجے کہ وہ واپس آکر چشم دید حالات اہل ہند کو سنائیں

اور اسطرح مظالم ابن سعود سے آزردہ خاطر مسلمانوں کو اس ظالم کا
ہوا خواہ بناکر اسکی ایجنٹی اور نمک خواری کا حق ادا کیا جائے ،،

میں نے آج سید حبیب صاحب سے کہدیا کہ جس شخص نے اس اشتہار کو لکھا اور اس پر دستخط کئے وہ لاغی ہے، کاذب ہے، مفتری ہے، اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین! کہنے لگے، مجلس خلافت پنجاب خود رائی سے کام کرتی ہے میں نے کہا مرکزی خلافت کمیٹی میں استغاثہ کرو، نظام کے پابند رہو، حضرت ابو حذیفہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ آنیوالے فتنوں کے بارہ میں پوچھتے رہتے تھے اور آپ بتاتے تھے کہ آئندہ کیسے کیسے ظلم وستم ہوں گے اور خلیفہ اور امام کس طرح غیر عادل اور ظالم ہوں گے حضرت ابو حذیفہ نے ایک بار پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر وہ زمانہ میرے سامنے آئے، اور امام ایسا ہو تو میں کیا کروں ؟ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے ابو حذیفہ، اگر امام ظلم کی راہ سے بھی تیری پیٹھ پہ کوڑے مارے تو اُف نہ کرنا اور اسکی اطاعت سے منہ نہ موڑنا یہ کیوں تھا۔ یہ اس لئے کہ ایک شخص کا ستم زدہ ہونا اتنا مضر نہیں جتنا نظام اسلام کا ٹوٹ جانا۔ سید حبیب کو تو چاہیئے تھا کہ بغاوت نہ کرتے مرکزی مجلس میں شکایت کرتے اور اگر دوسری جماعت ہی میں جانا مقصود تھا تو استعفا دیکر جاتے ہماری جماعت میں رہکر ہم سے بغاوت کرنا جس ہنڈیا میں کھانا اسی میں چھید کرنا کہاں کی ایمانداری ہے ؟

امیر علی

مسلمانو! حج کا راستہ کس نے بند کیا تھا ؟ (امیر علی نے) رابغ، لیث قنفذہ کا راستہ کس نے کھولا (ابن سعود نے) حاجیوں کو آرام کس نے پہنچایا ؟

(ابن سعود) نے گولہ باری کے لئے کس کا جہاز گیا تھا؟ (امیر علی کا) ابن سعود کے حسنِ سلوک کو دیکھو اور امیر علی کا حال سن لو کہ جب ہمارا وفد ان کے پاس گیا تو رات کو اُن سے یہ کہا گیا کہ آپ لوگ مکہ کو جا کر میرے اور ابن سعود کے اعمال و فضائل کا وزن کر لیجئے، لیکن جب صبح ہوئی تو علی صاف مکر گئے اور ہمارے وفد کو آگے نہ جانے دیا۔

خلافت والوں کو مظالم ابن سعود پر پردہ ڈالنے کی خواہش ہوتی تو حج کے لئے لوگوں کو بھجوانے پر کیوں اصرار کرتے اور گورنمنٹ کو کیوں اسطرح پر مجبور کرتے۔ ابن سعود کو کوئی بات چھپانی ہوتی تو وہ رابغ، لیث، اور قنفذہ کا راستہ کیوں کھولتا۔ وہ حکومت جسکی پیر اور قبہ پرست امداد اور مداخلت چاہتے ہیں اگر خود ابن سعود کے مظالم پر یقین رکھتی تو حاجیوں کو جانے سے کیوں روکتی اور اجازت دینے پر بھی انہیں پیروں اور قبہ پرستوں کی امداد سے کیوں لوگوں کو حج سے باز رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور لگاتی۔ اگر خود علی کو ان مظالم کا یقین ہوتا تو وہ ہمارے وفد کو کیوں روکتا؟ حج کے لئے جدہ کا پھاٹک کیوں بند کرتا برادرانِ ملت ان حقیقتوں کو جان لینے کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص خلافت اور ابن سعود پر پردہ ڈالنے کا الزام کس طرح لگا سکتا ہے اب اس نئی دروغ بافی کا حال سنئے۔

پہلی اطلاع "رائٹر کا تار" ہے مکہ سے نہیں، مدینہ سے نہیں، جدہ سے نہیں، یروشلم سے، جہاں تین خداؤں کی پوجا ہو رہی ہے اور یہود کو عرب مسلمانوں کے برابر حقوق دلوائے جا رہے ہیں۔ بس وہاں کی اطلاع پر ان لوگوں نے

جلسہ منعقد کر دیا۔ میں پوچھتا ہوں کیا قرآن کی یہ آیت منسوخ ہو گئی تھی "وان جاءکم فاسقٌ بنباءٍ فتبینوا" کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو، لکھنؤ میں اس قسم کے ایک جلسہ کا اعلان شایع ہوا اس پر بڑے بڑے زور کے عنوان درج کئے گئے ایک عنوان تھا "قیامت کبریٰ" حالانکہ جب قیامت کبریٰ آئیگی اور حشر کا میدان قایم ہوگا اسوقت ان اشتہار بازوں کو بہت بڑی جواب دہی کرنی پڑے گی، اور پتہ چل جائیگا کہ قیامت کبریٰ کس کو کہتے ہیں اسکے بعد شعر لکھا ہے ؎

اے لبسرا پردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

جب کعبہ کا پردہ جلایا گیا تھا اسوقت تم نے نہ کہا "اے لبسرا پردہ یثرب بخواب"، جب شریف نے آل رسول ہوکر خلیفۃ اسلام سے غدّاری کی اسوقت کوئی نہ پکارا کہ "اے لبسرا پردہ یثرب بخواب" لیکن آج گورنمنٹ کا اعجاز مسیحائی کہہ رہا ہے "قُم باذنی"، تو تم سب پکار رہے ہو کہ ؎

اے لبسرا پردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

"سیاست" کا ذکر

"سیاست" میں ایک عنوان ہے "گنبد خضرا پر گولہ باری" اور "گولہ باری" کو کہیں "ہولناک" لکھا ہے کہیں "خوفناک" کہیں "دردناک" بتایا ہے، تو کہیں "المناک" افسوس کہ ان میں "سچ ناک" ایک بھی نہ نکلی اور جتنی نکلیں

"جھوٹ ناک" نکلیں "لغوناک" نکلیں "افتراناک" نکلیں (قہقہہ) خدا کے لئے حزب الاحناف والے اور لکھنؤ والے بتائیں کہ گنبد خضرا پر گولہ باری کہاں سے ثابت ہے؟ ارے یہ تو رائٹر بھی نہیں کہتا۔ تم نے کہاں سے یہ خبر نکالی لیکن تو ساری تیاری اس تجویز کی ہے جو بدایوں والوں نے پیش کی ہے کہ حکومت برطانیہ کو مداخلت کی دعوت دی جائے گویا اخرجوالیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (نعوذ باللہ) غلط اور بے معنی بات ہے اگر رسول اللہ غیر خاطی تھے، اگر رسول اللہ معصوم تھے تو خدا کے لئے حضور کی حدیث کو نہ جھٹلاؤ، رسول اللہ نے انتقال کے وقت صرف اپنے عزیزوں اور صحابہ سے نہیں فرمایا کہ صرف عربوں کو حکم نہیں دیا بلکہ ہر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہنے والے سے کہا، کہ اخرجوالیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب اور جب تک صفحہ ارضی پر ایک مسلمان بھی باقی ہے یہ حکم قائم ہے مگر تم نے آج بدایوں میں جلسہ کرکے، اور لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین کی معیت میں کہتے ہو کہ ادخل الیھود والنصاریٰ فی جزیرۃ العرب میں وہابی نہیں، غیر مقلد نہیں، حنفی علماء سے مولانا کی ڈگری پاچکا ہوں میں دعوے سے نہیں کہتا کہ قبوں کا بنانا حرام ہے یا حلال، مولینا عبدالباری صاحب فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم نے قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔ حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں قبروں کو زمین کے برابر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں چنانچہ اسی وجہ سے شیعہ لوگ اپنی قبروں کو زمین کے برابر رکھتے ہیں۔ مولانا عبدالباری صاحب فرماتے ہیں کہ میں اسے مکروہ تنزیہی سمجھتا ہوں، میں نے جو پیغام

ابن سعود کو بھیجا تھا وہ یہی تھا کہ میں جانتا ہوں اس مسئلہ میں آپ کا اور آپکی قوم کا کیا عقیدہ ہے. لیکن مسلمانوں کی حالتِ زار قبوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق کی خرابی کا باعث ہے، اسکی اصلاح کیجئے۔ جب آپ ارض پاک سے زنا۔ شراب خوری، نفسانی خواہشات کی پیروی اور اسی قسم کے کبائر کو مٹا دیں گے تو آپ کی ساکھ قایم ہو جائیگی۔ اسکے بعد اگر آپ قبوں کے متعلق احکام رسول کی پابندی کرائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ جو مسلمان آپ کے پچھلے کارنامہ سے آپ کے دلدادہ ہو چکے ہوں گے وہ بلا تردد اور پس و پیش اس بارہ میں صحیح عقائد کو قبول کرنے لگیں گے۔ آج تو کوئی قبہ بنانے اور تخصیص قبور کو مکروہ تنزیہی کہنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اسکے بعد جب آپ مسلمانوں کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کریں گے تو لوگ آپ کی بات مانیں گے" سلطان ابن سعود نے کہا کہ جن لوگوں نے قبہ ڈھائے انہوں نے غلطی کی۔ مدینہ کے لئے فرمایا کہ میں اسکی ہر طرح حفاظت کروں گا اور روضۃ النبیؐ کے احترام کے لیئے اپنی جان تک دیدوں گا۔ اب جو واقعات یروشلم کے تازہ تار میں لکھے ہیں ان میں حضرت امیر حمزہ کے قبہ کا ذکر تو ہے لیکن رسول اللہ کے روضہ کا ذکر نہیں اگر تم لوگوں کا خیال درست ہو تو کیا یروشلم والے رسول اللہ کے روضہ کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے، کیا وہ مسلمان نہیں ہیں۔ پھر کیوں فلسطین کے جمعیۃ العالیۃ الاسلام نے مسجد نبوی اور روضۃ الرسول پر گولہ باری کے متعلق ایک حرف بھی نہیں کہا۔ اب ان قبہ پرستوں سے ایک سوال کرتا ہوں، کیا تمہیں یہ سنکر خوشی ہوگی کہ سچ مچ نجدیوں نے روضۂ رسول کو مسمار کر دیا۔ اور تمہاری بات

رہ گئی۔ یا تم اس خبر کے جھوٹے ہونے پر خوش ہوگے گو اسکے ساتھ یہ بھی ثابت
ہوجائیگا کہ تم نہایت بیوقوف، نہایت جلد باز تھے، اور تم کو کفار کی بات
یقین اور مسلمانوں کی بات پر بے اعتمادی او بے اعتباری تھی۔ کفار کے ساتھ حسن ظن
اور مسلمانوں کے ساتھ سوءِ ظن تھا۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اسی کی دعا مانگ
رہے ہو کہ یہ خبر سچ نکلے تاکہ تمہاری بات رہ جائے، یاد رکھو اگر خدانخواستہ یہ خبر درست
ثابت ہوگئی تو پھر ہم یہ نہ دیکھیں گے کہ "سیاست"، اور "ریاست"، اور "ریاضت"
کیا لکھتے ہیں اور جماعت علی شاہ اور کمالت علی شاہ اور رذالت علی شاہ کیا کہتے ہیں
میں خود مدینہ جاؤں گا اور اس شخص کا گلا گھونٹ دینے میں حتی الامکان کوشش کروں گا
جو میرے آقا کے روضہ کی بیحرمتی کا ذمہ دار ہوگا۔ آج سُن رکھو کہ اگر نبی کے روضہ کو نقصان
پہنچا تو ہم جان و مال اور اولاد قربان کر دینے پر آمادہ ہوجائیں گے، اور آمادہ ہوں گے
تو یہی لوگ نہ ہوں گے جو آج حُبّ رسول کے بہت بڑے دعویدار بنکر ہمیں نجدیوں
کے نمک خوار بتا رہے ہیں (اللہ اکبر کے پرجوش نعرے)

پھلواری کے پھول

لکھنؤ کے اشتہار میں شاہ سلیمان پھلواری کا بھی نام درج ہے، اللہ اللہ
اس پھلواری میں مدت کے بعد پھول آئے ہیں فرماتے ہیں کہ "حضرت ابوطالب رضؓ اور
حضرت عبد المطلب رضؓ کے قبہ بھی گرا دئے گئے ہیں"، اگر یہی حالت رہی تو تھوڑی مدت
میں آپ حضرت ابولہب اور حضرت ابوجہل کے قبوں پر بھی ماتم کرتے نظر آئیں گے
کیا تمہیں یاد نہیں کہ جب رسُول خدا کے چچا ابوطالب نے جو حضرت علی کے والد اور حسنین
کے دادا تھے، حالتِ کفر میں انتقال کیا، اور حضرت علیؓ نے آکر جناب سرور کائنات سے

پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے تو حضرت نے فرمایا کہ گڑھا کھود کر گاڑ دو،، یہ نہیں کہا تھا کہ اسکی نماز جنازہ بھی پڑھو اور اس گڑھے پر ایک قبہ بھی بنا دو (اللہ اکبر)

میں یہ تو جانتا تھا کہ ابو طالب باوجود مربی رسول ہونے کے مرتے وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر یہ گڑھا کھود کر ڈالدینے کی حدیث میں نے نہ سنی تھی یہ تو اسوقت سننے میں آئی جب علماء کرام نے جمعیۃ العلماء کے پہلے جلسہ میں جو دہلی میں منعقد ہوا تھا انہیں پیروں اور قبہ پرستوں کے کہنے سے میرے بھائی شوکت علی کو سخت دسرت کہا کہ "تلک مہاراج کی ارتھی کو کیوں کاندھا دیا۔ انہوں نے اسیوقت توبہ کی مگر ع

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

اب یہ "حضرت ابوطالب" اور حضرت عبد المطلب" کون کہہ رہا ہے، اگر یہی لیل و نہار رہے تو " زخاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی "، کا سوال حل ہو جائیگا اور ہر جگہ ابوجہل ہی ابوجہل نظر آئینگے۔

برادرانِ ملت! خلافت کمیٹی پر اعتماد رکھو، وہی آج اعتماد کے قابل ہے ابن سعود کو اسوقت تک جھوٹا نہ کہو جب تک تم کو موثق ذرایع سے اسکی وعدہ خلافی، اور جھوٹ کا ثبوت نہ ملجائے اور کسی حالت میں بھی یہود و نصاری اور مشرکین کو جزیرۃ العرب اور بالخصوص حجاز مقدس میں داخل ہونے کی دعوت نہ دو۔

قبوں کا احترام تو غالباً جائز بھی نہیں ہے میں تو کہتا ہوں کہ روضۂ رسولؐ سے بھی زیادہ محترم سنت رسولؐ ہے اور وہ یہی ہے کہ اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب

حالاتِ حجاز

(ہمدرد۔ ۲۴۔ اگست ۱۹۲۶ء)

(محمد علی حجاز سے موتمر اسلامی میں شرکت کر کے واپس آ گئے ہیں۔ موتمر میں انہوں نے حق گوئی کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے سلطان ابن سعود کو مخاطب کر کے فرمایا "تم خلفائے راشدین کی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہو۔ تم قیصر و کسریٰ کی سنت پر عمل کر رہے ہو۔ خلفائے راشدین کی سنت شوریٰ اور جمہوریت تھی۔ قیصر و کسریٰ کی سنت شخصیت، بادشاہی، اور مطلق العنانی تھی۔

موتمر میں محمد علی ناکام رہے۔ سلطان کی بادشاہت امرِ فیصل بن گئی۔ انہوں نے سلطان کی مخالفت شروع کر دی۔ کل تک جو ان کے حامی تھے آج مخالف ہو گئے۔ محمد علی کی زندگی میں یہ حادثات اکثر پیش آئے۔ وہ ہمیشہ حق کے ساتھ رہتے تھے اسلئے ان کے دوست اور دشمن بدلتے رہتے تھے۔

اس مضمون میں مولٰنا ظفر علی خان کا تذکرہ ہے۔ مولٰنا دوسرے وفد کے صدر تھے۔ خلافت کمیٹی کو توقع تھی کہ وہ اسکے تجاویز و احکام کی تعمیل کریں اس لئے کہ وفد خلافت ہی کا بھیجا ہوا تھا۔ لیکن موصوف نے، خلافت کمیٹی کے فیصلوں کے خلاف سلطان کی ملوکیت کی تائید کی اور خلافت کمیٹی کے احکام

دہدایات کی پرواہ نہ کی۔

محمد علی قبہ پرست نہیں تھے۔ لیکن قبہ شکنی کے مخالف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مختلف فیہ مسائل کا تصفیہ تبلیغ و دعوت سے کیا جائے، زور و قوت سے نہ کیا جائے۔ اگر زور و قوت سے کیا گیا تو آج نجدی حکمراں ہیں وہ قبے ڈھا رہے ہیں۔ کل اگر شیعوں کی حکومت وہاں ہو جائے تو وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبروں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ وقس علیٰ ہذا

یہ تقریر محمد علی نے حجاز سے واپس آکر جامع مسجد دہلی میں کی تھی ایک عام جلسہ ڈاکٹر انصاری مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس جلسہ میں ارکان وفد کی خدمت میں مسلمانان دہلی کی طرف سے مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے سپاسنامہ پڑھکر سنایا تھا۔ (مؤلف)

ایک بھائی کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابن سعود ہمارا بادشاہ ہے اور اسکو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ ہمیں ابن سعود شریف یا امیر علی کسی سے نہ ذاتی عناد ہے نہ بغض ہے

ملوکیت

ہم حجاز میں کسی کی ملوکیت کو بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ اگر میرے بھائی شوکت صاحب بھی وہاں کے بادشاہ بننا چاہیں گے تب بھی میں اسی طرح مخالفت کرونگا۔ خلافت کمیٹی کے فیصلے کے متعلق شوکت صاحب نے ابھی فرمایا ہے کہ ۱۵ راکتوبر ۱۹۲۴ء کو فیصلہ کیا گیا تھا کہ حجاز میں خلافتِ راشدہ کے نمونہ پر جمہوری حکومت

قایم ہوگی۔ پھر یہی فیصلہ بلگام خلافت کانفرنس میں پیش ہوکر متفقہ طور پر منظور ہوا۔ لیکن اسوقت اخبار زمیندار اخبار اہلحدیث اور ظفر علی خاں نے کیوں اعتراض نہ کیا اسکے بعد بھی پورا ایک سال ختم ہوگیا لیکن اس فیصلہ کے خلاف کسی اخبار یا کسی جماعت نے آواز نہ اٹھائی لیکن جب سلطان ابن سعود نے اس فیصلہ کے خلاف ملوکیت کا اعلان کیا اور ان کے اعلان کی اصولاً مخالفت کی جانے لگی تو زمیندار اور اہلحدیث کو اس فیصلہ کی مخالفت سوجھی جمعیت خلافت کے فیصلے کی اطلاع سلطان کو دی گئی انہوں نے جواب دیا کہ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں اور حجاز میں پیش قدمی سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں حجاز کا بادشاہ بن بیٹھوں بلکہ یہ مقصد ہے کہ شریف اور اسکے خاندان کو حجاز سے نکال کر حجاز کی امانت و ودیعت دنیائے اسلام کے سپرد کر دوں اور عالم اسلام کے نمائندوں کی مؤتمر کو مدعو کر کے حجاز کی حکومت کی تشکیل کا معاملہ ان پر چھوڑ دوں چنانچہ ہمارا جو دوسرا وفد گیا ہے اسکے رئیس مولانا سلیمان ندوی تھے۔ لیکن مولانا کسی ضروری کام کی وجہ سے نہ جاسکے اور ظفر علی خاں کو وفد کی صدارت کے فرائض ایک حدتک سپرد کئے گئے۔ اس وفد کا یہ کام تھا کہ وہ مجلس خلافت کی ہدایت کے مطابق مجلس کے فیصلے کو تسلیم کرانے کے لئے سلطان ابن سعود نجدیوں اور حجازیوں کو اپنی کوشش سے آمادہ کرتا۔ لیکن اس وفد کے پہونچنے پر وفد کی موجودگی میں سلطان ابن سعود ملوکیت کا اعلان کر دیتے ہیں اور جب ان جدہ والوں سے دریافت کیا جاتا ہے جنکو راتوں رات موٹر پر بیعت کے لئے مکہ مکرمہ طلب کیا گیا تھا تو جواب ملتا ہے کہ یہ ایک طے شدہ امر تھا ہم بیعت پر مجبور تھے

ہم نے کبھی اسکی خواہش نہ کی تھی کہ سلطان ابن سعود ملک الحجاز بنائے جائیں،
ملوکیت تو اللہ کے لئے ہے، رسول اللہ اور خلفائے الراشدین کیوں بادشاہ نہ بنے
اسلام نے کبھی ملوکیت کو جائز نہ سمجھا۔ ملوکیت میں وراثت لازمی ہے۔ یعنی بادشاہ
کے بعد حکومت اسکے بیٹے پوتے، یا اسکے ہی خاندان میں رہتی ہے اور قیصر و کسریٰ
کی یہی سنت ہے

ذاتی عداوت

میں خدا کے گھر میں بیٹھا ہوں اور اسکو حاضر و ناظر جانکر کہتا ہوں کہ مجھے
ابن سعود سے کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے نہ میری مخالفت یا حمایت کسی ذاتی غرض
پر ہے جو کچھ میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے وہ ہی کہوں گا اور صاف صاف کہونگا
خواہ اس سے کوئی جماعت ناراض ہو یا خوش ہو۔ سلطان ابن سعود اور ارکان حکومت
ہر بار اور ہر کلام میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی رٹ کرتے تھے لیکن میں
نے تو یہ پایا کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کو دنیا کمانے کے لئے
ایک آڑ بنا رکھا ہے۔ جو لوگ ڈاکے ڈالتے ہیں، چوری کرتے ہیں وہ برا کرتے ہیں لیکن
جو قرآن و حدیث کو آڑ بنا کر دنیوی حکومت حاصل کرتے ہیں وہ تو ان ڈاکوؤں
اور چوروں سے بھی زیادہ برا کرتے ہیں۔ نجدیوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے اس کی
وجہ سے وہ اپنے سوا تمام دنیا کو مشرک سمجھنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ اکثر ہمارے سلام
کا جواب بھی نہیں دیتے۔ اور ایک نجدی نے تو صاف ظاہر کر دیا کہ اب تو وہ ہمکو
مسلمانوں اور موحدین میں شمار نہیں کرتے لیکن انہیں امید ہے کہ انشاءاللہ
ہم سب ایک دن موحد ہو جائیں گے۔ روضۂ نبوی کے علاوہ سب مزارات

کے قبے ڈھادے گئے ہیں۔ آثار ڈھادے گئے ہیں۔ اکثر قبروں کے تعویذ اور سب کی لوحیں توڑ دی گئی ہیں۔ جنّت البقیع میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی والدہ حضرت حلیمہ رسول اللہ صلعم کی دائی، حضرت ابراہیم جگر گوشہ رسول اللہ صلعم حضرت نافع، حضرت امام مالک، حضرت عقیل، رسول صلعم کی تین بڑی صاحبزادیوں اور دو ازدواج مطہرات، حضرت فاطمہؓ اور اہلِ بیت کے مزارات کا تو اسوقت تک پتہ چلتا ہے مگر باقی ازدواج مطہرات اور سیکڑوں نامور صحابۂ کرام کے مزارات کا آج بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ عام حالت ان کھیتوں کی سی معلوم ہوتی ہے جن میں ہل چلا دیا گیا ہو۔ یہ نشان جو باقی ہیں کچھ عرصہ بعد وہ بھی شاید مٹ جائیں۔ جب سلطان کو انکی عہد شکنی پر توجہ دلائی گئی تو سلطان نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے الٹی میٹم دیدیا تھا کہ مدینہ کے قبّے اور مزارات یا تم ڈھاؤ ورنہ ہم خود مدینہ پر حملہ کر کے ڈھادیں گے۔ اب دو ہی راستے تھے کہ یا میں خود ڈھاؤں یا مدینہ پر وہ حملہ کر دیں۔ دوسری صورت میں، فتنہ کا خطرہ تھا اس لئے میں نے پہلا راستہ مجبوراً اختیار کیا۔

سلطان کی حکومت

بھائیو! میں تو تمام حالات کا مطالعہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حجاز میں ہم کسی کی ملکیت کو بطور استثنا کے جائز بھی رکھتے تب بھی سلطان ابن سعود ان کی قوم، اور ان کے موجودہ مشیروں اور عمال سلطنت کو تو ہم ہرگز حکومت حجاز سپرد نہیں کر سکتے۔ موتمر بفضل تعالیٰ ایک حد تک کامیاب رہی اور مستقبل امید افزا ہے۔ اس مرتبہ چھ ممبروں کی ایک کمیٹی بن گئی ہے اسکے جنرل سکرٹری

شام کے مشہور عالم فاضل، اور قوم پرور شکیب ارسلان تجویز ہوئے ہیں ٹرکی سے ریلوے انجنیر، مصر سے پانی کا انجنیر، فلسطین سے تعلیم کا ماہر، ہندوستان سے محاسب اور اسی طرح دیگر ممالک اسلامیہ سے کسی نہ کسی شعبہ کے لئے ان جگہوں کو پُر کرنے کے لئے تجربہ کار آدمی بھیجے جائیں گے۔ آپ یہ سنکر خوش ہونگے کہ دیگر ممالک اسلامیہ کے وفود ہمارے خیالات سے بالکل متفق ہیں اور گو اسوقت حکومت حجاز کی تشکیل کا مسئلہ موتمر کے سامنے نہیں آیا ہے۔ لیکن آئندہ موتمر میں یہ مسئلہ انشاء اللہ ضرور پیش ہوگا۔ بیج بو دیا گیا ہے اور خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے یقین ہے کہ یہ بیج ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرے گا قانون اساسی نے آئندہ جمہوری حکومتِ حجاز کی جو عالم اسلام کے مراقبہ اور محاسبہ کے ساتھ اس مقدس مرکز اسلامی کے انتظام کی زمام اپنے ہاتھ میں لے جڑ جمادی ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ اس موتمر کو تقویت دی جائے اور ہمارا فرض یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی آواز کو متفقہ آواز بنائیں اور دیگر اقطار عالم کے مسلمانوں کے لئے عمدہ مثال قائم کر کے وہاں سے بھی عمدہ نمائندے آئندہ موتمر کے لئے بھجوائیں جو ہمارے ساتھ ملکر حکومت حجاز کی بہتر سے بہتر عملی طریقہ پر تشکیل کریں۔

موتمر کے نمائندے

بھائیو! موتمر میں نئیس نمائندے تو ایسے تھے جو حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے اور حکومت کے نامزد کردہ تھے۔ یہ سب الگ سیدھے ہاتھ پر بٹھائے گئے تھے انہی "اصحاب میمنہ" میں ہمارے ہندوستان کے چار اہل

حدیث حضرات بھی شامل کر لئے گئے تھے، باقی ہم اور دیگر ممالک اسلامیہ کے وفود کے ارکان کی تعداد ۲۹ تھی اور ہم دوسری طرف ٹھائے گئے تھے جب ہم مدینہ منورہ گئے تو میں نے روضہ رسول پر اور غلاف کعبہ بھی پکڑ کر رو کر دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت راشدہ کے طرز پر حجاز میں حکومت قائم فرمادے اور میرے گناہ معاف فرمادے۔ ان دو باتوں میں بھی اگر ایک ہی دعا قبول ہوسکتی ہو تو مجھے اپنے گناہوں کی سزا خواہ کچھ دے لیکن ایک مرتبہ خلافت راشدہ پھر قائم ہوجائے۔

یہ بالکل بجا ہے کہ حجاز میں آج امن قایم ہے اور اسکے لیے خدا کا اور ابن سعود کا بار بار شکر ادا کرچکا ہوں۔ اور آج پھر ادا کرتا ہوں۔ مگر یہ امن کچھ تو خوف کے باعث کچھ رشوت کے لالچ سے قایم ہے، ابھی لوٹنے والوں کی ذہنیت نہیں بدلی ہے اور نہ اسکے بدلنے کا بظاہر کوئی انتظام کیا جارہا ہے لیکن سب سے زیادہ قابل غور یہ بات ہے کہ یہ امن کبتک قایم رہے گی۔ شوکت صاحب نے تو آپ سے کہدیا کہ پہلے امن نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ عربوں کا سردار شریف وقت خود اکثر چوروں اور ڈاکوؤں کا سردار ہوا کرتا تھا اور اسی کے اشارے سے یہ کام ہوا کرتا تھا۔ سلطان ابن سعود بحمد اللہ اس زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن دنیا میں سب سے بڑا چور اور ڈاکو کسی ملک کا فاتح ہوا کرتا ہے۔ دنیا میں کسی ڈاکو نے اسقدر قتل و نہب نہ کیا ہوگا جو سکندر اعظم، نپولین اعظم نے، اور جو چنگیز خاں، ہلاکو، اور تیمور نے کیا ہوگا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور ڈاکے سے روکنے سے اگر آج امن قایم بھی ہوا

گر فتوحات کی خواہش نے اس مقدس مرکز اسلام کو فاتحین کی جولانگاہ بنا دیا تو کیا فائدہ ہوگا؟ علی کے قیام جدّہ اور سلطان ابن سعود کے محاصرہ نے انگریزی حکومت کو موقع دیا تھا کہ رابغ جیسے دور کے مقام کو حیطۂ جنگ میں شامل ظاہر کر کے عازمان حج کو حج سے روکے اور کہے کہ راستے پر امن نہیں ہیں، اگر ظفر علی خاں صاحب کا اصول اس مقدس بقعہ کے لئے بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ع

ہر کہ شمشیر زند سکّہ بنامش خوانند

تو کون چیز شریف کی ذریات، فیصل، اور عبداللہ اور امام یحییٰ اور سلطان فواد کو اس سے روک سکتی ہے کہ وہ بس آکر شمشیر زنی نہ کریں۔ اور سلطان نجد کیساتھ زور آزمائی نہ کریں۔ اور کہیں شاہ رضاخاں کو بھی تطہیر حجاز کا خیال ہوا، اور انہوں نے بھی بزور بازو ارض حجاز پر قبضہ کر لیا تو کیا ہمارے اہل حدیث بھائی اور ظفر علی خاں ان کے اس استدلال کو صحیح مانیں گے کہ ان کے عقائد کے مطابق حضرت علیؓ خلیفہ بلا فصل ہیں اور تطہیر حجاز میں سب سے پہلا نمبر اس کا ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک دو غاصبوں کی قبروں کو جو حجرہ حضرت عائشہؓ میں رسول اللہ صلعم کے مزار مبارک کے پاس دفن ہیں کھود کر انکی ہڈیوں کو نکالکر پھینک دیا جائے۔

حضرات یہ حرب عقائد بند ہونا چاہئے۔ ہمارے سامنے جیساکہ میں نے شیخ عبداللہ بن بلیہد نجدی قاضی القضاۃ سے اور نیز موتمر میں کہا تھا، ایک دوسری لڑائی کفر اور اسلام کی ہے، تلوار کے زور سے صرف تمام اسلامی مذاہب کے مسلمہ احکام کی متابعت کرائی جاسکتی ہے جو مسائل مختلف فیہ ہیں

ان میں ہر مسلمان کو اپنے مذہب کے مطابق چلنے کی آزادی ہونا چاہئے البتہ نشر و تبلیغ کی اجازت ہونی چاہئے، اور یہی اصلاح عقائد کا بہترین اور صحیح ترین طریقہ ہے۔

تمسک بسنة الانکلیز

(ہمدرد یکم ستمبر ۱۹۲۶ء)

(حکومت حجاز (سلطان ابن سعود) کی طرف سے حسب ذیل فرمان شرف صدور لایا ہے:-

تعلن الحکومت للجمیع سا یا تی

مادہ (۱) لایجوز لاحد اقتناء سلاح من البنادق اوخرطوش او مسدسات اوما یتبعها عندہٗ الا بعد ان یقیدہ فی ادارة الشرطة یاخذ فسحابہ (جواز حمل السلاح)

مادہ (۲) ان التجارة بالسلاح ممنوعة منعا باتا وکل من کان لدیہ شیئ من السلاح التجارة سواء من بنادق اوخرطوش وما یتبع ذلک من الوسا الحربیة فعلیہ عرضہ علی الحکومة والحکومة تدفع لہ قیمة ماعندہٗ حسب سعر السوق الحاضر

مادہ (۳) علی الجمیع مراعاة ھذا الامر وتطبیقہ الحمدة خمسة عشرة یوماً من تاریخہ وکل من یظھر عندہٗ بعد ھذہ المدة سلاح لیس

معد فسح به او عنده لمبيتا للتجارة ولم يقدمها للحكومة
فان السلاح يصادر ويجازى صاحبه بما يستحق فى ۲۹ محرم
سنة ۱۳۴۵ه نائب جلالة الملك
فيصل

حکومت تمام لوگوں کے لئے حسب ذیل اعلان شایع کرتی ہے:۔
دفعہ اول۔ کوئی شخص بندوق۔ ریوالور، کارتوس یا وہ تمام چیزیں جو ان سے تعلق رکھتی ہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ جب تک وہ کوتوالی میں ان کا اندراج نہ کروادے۔ اور وہاں سے لائسنس نہ حاصل کرے۔
دفعہ دوم۔ آلات حرب کی تجارت کلیتہً ممنوع ہے۔ ہر وہ شخص جس کے پاس تجارت کی غرض سے بندوق، کارتوس، اور وسائل حربیہ کی اشیاء میں کوئی چیز ہوگی اسکا یہ فرض ہوگا کہ وہ ان چیزوں کو حکومت کے حوالے کردے اور حکومت اسکو بازار کے نرخ کے مطابق ان اشیاء کی قیمت ادا کردے گی۔
دفعہ سوم۔ تمام لوگوں کا فرض ہے کہ اس قسم کی رعایت کریں اس قسم کے اعلان کے وقت سے پندرہ یوم تک ان تمام آلات کا اندراج وغیرہ کرالیں اگر اس مدت کے بعد کسی شخص کے پاس بغیر لائسنس کے یا تجارت کی غرض سے یہ چیزیں مل گئیں اور اس نے انکو حکومت کے سامنے پیش نہیں کیا تو تمام آلات وسامان ضبط کرلیا جائیگا اور مجرم کو وہ سزا دیجائیگی جس کا وہ مستحق ہے۔ ۲۹ محرم ۱۳۴۵ھ نائب جلالۃ الملک فیصل

محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حادثۂ فاجعہ پر مضمون ذیل تحریر کیا:-

مؤلف)

مسلمانان ہندوستان کی ایک جماعت خاص و مختصر کے سوا جس میں افسوس ہے کہ ظفر علی خاں صاحب اور اخبار زمیندار بھی شامل ہو گئے ہیں۔ تمام عالم اسلام آج اچھی طرح جانتا ہے کہ سلطان ابن سعود کے دعوی تمسک بالکتاب والسنۃ کی کیا حقیقت ہے، اور اس مختصر سی جماعت، اور اسکے ملحقات کو بھی اتنا ناسمجھ تو نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں خواہ وہ اس پر پردہ ڈالنے کی کسی قدر کیوں نہ کوشش کرتے رہیں۔ آج تازہ وارد حجاج کے ساتھ آئے ہوئے " بلاغ عام" نے اس حقیقت کو اور بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ انگریزوں کی قوم کی ایک خصوصیت یہ سمجھی جاتی تھی کہ اگر وہ اب اسٹیٹسمین یا مدبر نہ بھی رہے ہوں تب بھی اسپورٹسمین یا کھلاڑی ضرور ہیں وہ کسی کے مقابلہ میں کھیل اور سپہ گری کے اصولوں کے خلاف کوئی وار نہیں کرتے اور کوئی حربہ نہیں استعمال کرتے۔ مگر اس ہوس مال و ملک اور اس "جوع الارض" کا برا ہو کہ انگریزی استعمار نے جہاں اسٹیٹسمین شپ یا تدبر کا خاتمہ کیا، وہاں اسپورٹسمین شپ یا پابندی اصول سپہ گری کو بھی باقی نہ چھوڑا مشرق کا شاعر تو اسی سادگی پر تعجب کرتا ہے کہ ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مگر اس مغربی سپہ گری کی بوالعجبی کو دیکھئے کہ ایک دنیا کو صلائے عام دیا جاتا ہے کہ جسکو سپہ گری کا دعوی ہو ہم سے نبرد آزمائی کرے، مگر جو مرد میدان حریف بنکر مقابلے کے لئے آتا ہے اسکے ہتیار پہلے ہی رکھوا لئے جاتے ہیں،

جنگ عمومی کا جسے "آخری جنگ" اور جنگ کا خاتمہ کرنیوالی جنگ کہا جاتا تھا کب
کی ختم ہو چکی جمعیۃ اقوام بھی بن گئی اور امریکہ میں دول مخالف کی بحری قوتوں کو کم
کرنے کے لئے کانفرنس کو منعقد ہوئے بھی پانچ سال گذر چکے۔ مگر ابتک اسلحہ سازی
کا خاتمہ نہیں ہو چکتا۔ اور روز نئے اسلحہ اور پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں اور
کہیں زیادہ قیمتی، یورپ و امریکہ کے کارخانوں میں بنائے جارہے ہیں، اور
"علّم آدم الاسماء کلہا" کے شرف کو جس نے انسان کو اشرف المخلوقات اور
خلافت ارضی کے لئے فرشتوں سے بھی زیادہ موزوں بنایا تھا۔ اس پیرایہ
میں ظاہر کیا جارہا ہے کہ سائنس کو انسان کی حفاظت کی بجائے اسکی ہلاکت کے
سامان کی فراہمی کے کام میں لایا جارہا ہے۔ اسپر بھی جنیوا کی جمعیۃ امم میں بار بار
اس پر زور دیا جارہا ہے کہ مشرق کے ہاتھ میں ایک ہتیار نہ رہنے پائے اور
حکومت ہائے مشرق کی خانہ تلاشی لی جارہی ہے۔ بلکہ جامہ تلاشی تک کی نوبت
آگئی ہے کہ کوئی جیبی توپ تو نہیں چھپا رکھی ہے۔ یورپ کی اور قومیں بھی واسکوڈا
گاما نقش قدم سمندر میں تلاش کرتی ہوئی جنوبی افریقہ کی "راس امید" کا چکر کاٹ
کر "اشرفی کے پیڑ" کی ہوس میں ہندوستان پہنچیں اور پہلے تو یہاں دکانیں
اور کوٹھیاں بنائیں پھر تجارت چھوڑ کر حکومت کی طرف لپکیں، اور دکان سے
یکایک ایوان حکومت میں جا کودیں مگر جو فروغ دوکانداروں کی قوم یعنی انگریزوں
کی دکان کو ہوا وہ ان کو نام دھرنے والے نپولین کی قوم کو بھی نصیب نہ ہوا بلکہ
وہ نہر سویز جس نے راس امید کے رستہ سے کہیں قریب کا راستہ یورپ، اور
ہندوستان کے درمیان کھول دیا گیا۔ گو اسکا بنانیوالا ایک فرانسیسی انجنیر تھا

جسکی اسکیم پر انگریزوں نے اسے ایک "خطرناک پاگل" کا لقب عطا فرمایا تھا تاہم
اس نہر کے بن جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دیوانے خدیو مصر کے حصے کوڑیوں
کے مول خرید کر انگریزی حکومت اس خطرناک پاگل پن کی سب سے بڑی حصہ
دار بن گئی۔ اور ہندوستان اور اسکے جنوب کی دنیا پر اسی کا آج دور دورہ ہے
اس طرح اگر ہندوستان اور مشرق میں استعمار کی بنیاد انگریزی قوم نے نہ بھی ڈالی
ہو تب بھی آج سب سے بڑی استعماری قوت اسی کی ہے۔ لیکن استعمار کی بنا کا سہرا کسی
کے سر ہو۔ جن مشرقی قوموں پر استعماری حکومت قائم کی گئی ہے انکو نہتا کرنے کی ایجاد
کا سہرا انگریزوں ہی کے سر رہا۔ اور سب سے پہلے ہندوستانیوں کے شمشیر گیر ہاتھ
پر ہتھ کٹی کا وار کیا گیا۔ جب ہندوستان میں قانون اسلحہ اور لائسنس پہلے پہل جاری
کیا گیا تو بظاہر کوئی نہ سمجھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن جب ہمیں اپنی غلامی کا احساس
ہوا تو اس قانون کی منسوخی کے لئے ہم نے منصوبے باندھنے شروع کئے جنگ عمومی
میں بقول مسز بیسنٹ کے نیوانڈیا کے ایک بلجیم کی خاتون نے ایک ہندوستانی وطن
پرور سے پوچھا کہ ساری دنیا آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے تم کب خواب خرگوش
سے چونکو گے تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہم بھی کوشش کر رہے ہیں کہ قانون اسلحہ کو منسوخ
کرائیں۔ اس پر اس خاتون نے کہا کہ مرد خدا تمہیں قانون اسلحہ کی منسوخی کی کیا ضرورت
ہے اور اسلحہ کی کیا حاجت؟ دول یورپ میں سے وہ دولت کونسی ہے جو تینتیس کروڑ
چھڑیوں کی مار برداشت کر سکتی ہے؟ خیر ہندوستان کے ۳۲ کروڑ میں تو بزدلی
اور جبن اسطرح سرایت کر گیا ہے کہ خدا ہی ہے جو یہ خطہ اپنی آزادی حاصل کر سکے آج
یہاں کی سب سے بڑی بہادری اور شجاعت یہ ہے کہ کوئی اکا دکا مسلمان ہندوؤں

کے محلہ سے گذرا تو دس بارہ لٹھ بند ہندوؤں نے اسے لاٹھیوں پر دھر لیا۔ یا کوئی
اکا دکا ہندو مسلمانوں کے محلہ سے گذرا تو دس بارہ لٹھ بند مسلمان اس پر ٹوٹ
پڑے۔ مگر جن مشرقی اور اسلامی ممالک میں ابھی اسلحہ موجود ہیں وہاں بزدلی
جبن کی یہ حالت نہیں۔ مانا کہ شجاعت دل کی ہوتی ہے نہ کہ ہتیاروں کی مگر ساری
دنیا کا یہ تجربہ ہے جو قوم اسلحہ سے بالکل ناآشنا ہے، اس میں موت کا خوف اور
زندگی کی ہوس اس درجہ تک بڑھ جاتی ہے جسکو رسول اکرم صلعم نے وھن کہا
انگریزوں کو ہندوستان جیسے وسیع ملک کو جس میں ساری دنیا کی آبادی
پانچواں حصہ بستا ہے غلام بنانے میں اس قانون اسلحہ سے جو مدد ملی ہے وہ عیاں
ہے۔ اور یورپ کی دوسری بڑی استعماری دولت فرانس نے بھی برطانیہ ہی سے
مدد حاصل کی ہے۔ آج بھی ایک اچھے سے اچھے تعلیم یافتہ ہندوستانی کو لاسلکی اور
طیاروں سے ہندوستان میں رہ کر مطلق واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی مدرستہ العلوم
مسلمانان علی گڑھ کے ایک سائنس کے پروفیسر نے جو اب انگریزی حکومت کے
ملازم میں شامل ہیں مجھ سے کہا تھا کہ ہمیں بصیغہ راز حکم ملا ہے کہ لاسلکی کے متعلق
ایک حرف بھی اپنے شاگردوں کو نہ بتائیں۔ خود مجھے حجاز ہی میں لاسلکی اور طیاروں
اور کلدار توپوں اور بڑی توپوں اور بموں، اور توپ کے گولوں کے کل پرزوں کے
دیکھنے کا اتفاق ہوا ورنہ ہندوستان میں تو ساری عمر ان کے قریب جانے کا بھی
موقعہ نہ ملسکتا۔ لیکن متمسک بالکتاب والسنۃ سلطان ابن سعود امیر نجد کے دور
حکومت میں اب حجاز بھی ہندوستان کے جبن و بزدلی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے
خواہ یہ انگریزوں کے ایما سے ہو یا خود بخود سلطان ابن سعود کو یہ حرکت سوجھی ہو

مگر حجاز کے ہتھیار چھین کر حجازیوں کو بے دست و پا کر نا صریحًا سنت الانگلیز ہے۔ اسکو سنت محمدیہ سے کچھ واسطہ نہیں۔ اہل حجاز سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ سے سلطان اسی کے خواہاں تھے اور پہلے بھی اسکے متعلق احکام جاری فرما چکے تھے۔ مگر موتمر کے دوران میں ہمارے سامنے یہ مسئلہ ایک تجویز کی صورت میں لایا گیا۔ برطانوی حکومت بھی جب کوئی قانون ہمارے سنانے کے لئے بناتی ہے تو ہم سے اسکا تعارف اسی طرح کراتی ہے کہ ہماری سود و بہبود کا راز بس اسی قانون میں مضمر ہے اور ہماری غلامی کے لئے جتنی زنجیریں گھڑی گئیں ان سب کو زیور ہی بتایا گیا ہے۔ مگر دنیا کے دھندوں میں دین کی چاشنی دینے کا سلیقہ صرف سلطان نجد کو ہے جب یہ "اقتراح" موتمر میں پیش کئے جانے کی غرض سے سبجکٹ کمیٹی یا لجنۃ مقترحات کے روبرو آئی تو اس رنگ میں آئی کہ ارض پاک حجاز میں مسلمانوں کے حرمین الشریفین ہیں، ادائیگی مناسک حج اور زیارت کے لئے اقطار و امصار عالم سے مسلمان جوق جوق یہاں آتے ہیں۔ یہاں کی سب سے بڑی ضرورت امن ہے اور جس سرزمین میں "بلد الامین" واقع ہو وہاں تو امن کا قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض عین ہے اسلئے یہاں اسلحہ کسی کے پاس نہ ہونا چاہئے۔ اور موتمر اسلحہ کا یہاں رکھنا ممنوع قرار دیتی ہے۔ اس پر پوچھا گیا کہ رسول صلعم جب حدیبیہ پر آکر رکے تھے تو کیا اسوقت بھی مسلمانوں کے پاس تلواریں بھی نہ تھیں، یہ بے وقت کی راگنی متمسکین بالکتاب والسنۃ پر بہت گراں گزری۔ موتمر متمدن قوموں کی کانفرنس ہے جینوا کی سنت کی جگہ یہ حدیبیہ کی سنت کیسی؟ پھر پوچھا گیا کہ کیا یہ قاعدہ باہر سے آنیوالوں کے ہی کے لئے ہوگا۔ یا "سواء العاکف فیہ والباد" پر عمل ہوگا اور

دونوں کے ہتیار رکھوائے جائیں گے اور لگے ہاتھوں یہ بھی گوش گزار کر دیا گیا کہ
بدوی کے پاس ہتیار رہے اور حجاج محروم رہے تو خوف کے باعث شاید باہر کے
لوگ کم آئیں اور "وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق" کا دل خوش کن نظارہ
اہل حجاز کو نظر نہ آئے اور " یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومت علی مارزقہم من
بہیمۃ الانعام فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر" (جس میں حکومت ہی شامل ہے)
پر اس کثرت سے عمل نہ ہو سکے۔ وزراء بے تدبیر سادہ لوح تو نہیں ہیں۔ مگر اس
بار چارہ کی طرف بھوکی اور حریص مچھلی کیطرح لپکے اور کانٹے سمیت نگل گئے
فوراً اعلان کر دیا کہ نہیں حاجیوں کو نہتا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اہل حجاز کے
ہتیار بھی رکھوا لئے جائیں گے۔ پھر پوچھا گیا کہ کسی نجدی کے پاس بھی کیا ہتیار
نہ رہینگے؟ تو اس پر قبول کرنا پڑا کہ ہاں حکومت اور اسکے شرطہ یا پولیس اور عسکر
یا فوج کے پاس تو ضرور رہیں گے، گویا ان کے لئے بلد الامین کے خیال سے بلا
ہتیار کے رہنا ضروری نہیں تب ان سے کہا گیا کہ اسے سورۃ حج میں جہاں
"فاجتنبوا الرجس من الاوثان" (سو بتوں کی گندگی سے بچتے رہو) کا حکم آیا ہے جس
پر اسقدر زور دیا جارہا ہے وہیں " وجتنبوا قول الزور" (اور مکر و فریب کے
قول سے بھی بچتے رہو) کا حکم موجود ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اہل حجاز
پر اسطرح نجدی حکومت کو مسلط کرنا چاہتے ہو جس طرح ہندوستانیوں پر
انگریزوں کی حکومت ہے اتفاق سے اس دن الولوفا مولوی ثناء اللہ صاحب
بھی بجنۃ میں تشریف فرما تھے ان سے میں نے عرض کیا کہ یہی سنت رسول
ہے اور کیا حجاز کو بھی اپنی ہی طرح سے بے دست و پا کر کے یہاں بھی جلیانوالہ

باغ کی سنت کو دھرانا چاہتے ہو تو اس امر میں انہوں نے بھی میری اور جمعیتہ خلافت یا جمعیتہ العلمار کے نمائندے کی تائید کی۔ اور دوارکا ناتھ فلسطین کی مزید مدد سے ہم نمائندگان سلطان ابن سعود پر فتح پاسکے۔

لیکن ہماری فتح دیر پا نہ ثابت ہوئی۔ ہمارے جدہ سے روانہ ہونیکے دوسرے ہی دن یہ بلاغ عام شایع کر دیا گیا ہے۔ یہ انگریزی قانون اسلحہ سے بھی زیادہ سخت ہے اسلئے کہ بندوقوں اور کارتوسوں وغیرہ کی تجارت یک قلم بند کر دی گئی ہے اور جس کسی کے پاس تجارت کے لئے یہ مال ہوگا اسے پندرہ دن کے اندر حکومت کے ہاتھ بازار کے بھاؤ فروخت کرنا پڑیگا۔ ہم جانتے ہیں کہ نجدی حکومت کی اصطلاح میں بازار کا بھاؤ کیا ہوگا لیکن اس سے قطع نظر کر کے بھی ہم اس بلاغ عام پر کس طرح مطمئن ہوسکتے ہیں جو اہل حجاز کو بھی ہماری طرح بزدل بنادیگا خالد و ضرار کی قوم کو ترکوں نے بھی اس طرح بزدل بنانے کی کوشش نہیں کی، لیکن "ترکی مری" (یہ لقب سلطان ابن سعود کا عطا کردہ ہے) تو بے دینوں کی دولت تھی اور نجدی حکومت بحولہ تعالیٰ وقوتہ تمسک بالکتاب والسنتہ کرتی ہے اور بات یہ ہے کہ کتاب ہے تعزیرات ہند ہے اور سنت، سنت برطانیہ۔

حجاز پر حملہ کی تحریک

(ہمدرد ۲۵-۲۶-۲۸-اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء)

(حجاز سے واپسی کے بعد محمد علی نے جن خیالات کا اظہار کیا ان سے مخالفین خوش نہیں ہوئے۔ مولینا ظفر علی خاں مالک "زمیندار لاہور" سلطان کے خاص حامیوں اور اس معاملہ میں محمد علی کے خاص مخالفوں میں تھے اس زمانہ میں زمیندار کی ادارت مسٹر غلام رسول مہر (حال مدیر روزنامہ انقلاب لاہور) کے ذمہ تھی۔

زمیندار میں اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ مولینا محمد علی نے مصری محمل کے دستے کے عسکر عزمی پاشا سے درخواست کی ہے کہ وہ حکومت مصر کو سلطان ابن سعود پر حملہ کے لئے آمادہ کریں۔

یہ مضمون اسی کا "جواب لاجواب" ہے! مؤلف)

زمیندار کی بیہودگیوں اور دروغ بافیوں پر اگر صبر کیا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے تو پھر اس امت مرحومہ کے ایک خاصے بڑے حصے کے خیالات کے متعلق جو "زمیندار" کے روزمرہ پڑھنے سے بگڑے جاتے ہیں انہوں نے کیا علاج سوچا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ "زمیندار" کی خواہش ہے کہ بجائے اس کے کہ میں

اپنا اصلی کام کئے جاؤں اور مسلمانوں اور ہندوستانیوں کے لئے جو میرا مطمح نظر ہے اسکو ملک و ملت کے روبرو پیش کروں اور ملک و ملت کو اپنا ہمخیال بنانے کی وہ کوشش کروں جس کی کامیابی " زمیندار جیسے حشرات الارض کی موت ہے میں اسکی تراشی ہوئی تہمتوں کی تردید میں الجھا ہوا ہوں اور وقت و فرصت کو اسطرح برباد کر دوں ۔ اگر میں نے بار بار تردید اور جوابات کی اشاعت میں وقت صرف کیا تو یقیناً میں وہی کروں گا جو زمیندار چاہتا ہے لیکن اگر کبھی بھی اسطرف متوجہ نہ ہوا تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ ایک بڑا گروہ جسکی حالت یہ ہے کہ ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کیساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

سمجھنے لگیگا کہ ان تہمتوں کی کچھ تو اصلیت ہو گی کہ میں نے کامل سکوت اختیار کیا اور عوام کی اصطلاح میں گویا لاجواب ہو گیا ۔ اور جس راستے پر میں اپنے ہم مذہبوں اور ہموطنوں کو لانا چاہتا ہوں اسطرف اس بڑے گروہ کا آنا تو درکنار وہ میری بات سننا بھی گوارا نہ کرے گا ۔ جو لوگ نفسیات انبوہ سے واقفیت رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انبوہ کی خطا اندیشیوں سے بالکل بے اعتنائی نہیں کیجا سکتی اسلئے بہتر طریقہ یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے مکر و فریب سے عوام کو آگاہ کر دیا جاتا رہے جو اسے دھوکا دیکر اور اشتعال دلا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے میں مشاق ہیں ، کل میرا ارادہ تھا کہ میں اللہ کی بادشاہت اور خداوند کریم کی طرف سے اسکے لئے کسی سند کے نہ اتارے جانے کے متعلق پھر لکھوں اور بنی اسرائیل کے بادشاہ مانگنے کی ساری کیفیت طالوت کے تقرر ۔ پھر انکی جانب سے طالوت کی مخالفت اور سرکشی

پھر حضرت داؤدؑ کی نبوت و حکومت ان کے بعد حضرت سلیمانؑ کی نبوت و حکومت پھر ان کے بعد انکے لڑکے کا غیر معصوم اور خاطی ہونا اور اپنی بادشاہت سے بنی اسرائیل میں تفریق پیدا کرا دینا، پھر ساری حکومت کی تباہی اور بنی اسرائیل کے دس اسباط کی غلامی اور بالآخر قدس کی حکومت کی بھی تباہی اور ہیکل سلیمانی کی بربادی اور بقیہ دو اسباط کی بھی غلامی اور اس طرح ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کا حکومت سے محروم کر دیا جانا یہ ساری داستان مسلمانوں اور نیز دوسرے بھائیوں کی عبرت کے لئے بیان کروں تاکہ بادشاہت اور غلامی دونوں سے دل میں نفرت پیدا ہو۔ اور انسان بالخصوص مسلمان آزادی مساوات، جمہوریت اور بندگی حق کے خواہشمند ہوں اور بجائے اسکے کہ غلامی میں کولہو کے بیل کی طرح چکر کاٹتے رہیں اور جہاں سے چلے تھے بار بار پھر وہیں آتے رہیں، آزادی کی صراط مستقیم پر پڑ کر منزل مقصود کو پالیں۔ مگر ابھی بادشاہ پرستوں کی اصلاح کہاں ابھی تو یاجی پرستوں کی اصلاح کی فکر دامنگیر ہے۔ لیکن اس افک مبین اور بہتان عظیم نے ایک حد تک میرا کام آسان بھی کر دیا ہے۔ جب مسلمانوں پر یہ ثابت ہو جائیگا، کہ "زمیندار" کی بے ایمانی اس انتہا کو بھی پہنچ سکتی ہے، تو پھر اسکے بعد وہ اسکی مکاری کا اس آسانی سے شکار نہ ہوں گے اور مجھے بار بار اسکی دروغ بافیوں کی طرف متوجہ نہ ہونا پڑے گا، یہ کانٹا ہمیشہ کے لئے پاؤں سے نکل جائیگا اور باقی راستہ منزل مقصود تک انشاء اللہ آسانی سے طے کیا جا سکیگا۔

عجیب سوال

"زمیندار" میں اس کے بلا شرکت غیرے اڈیٹر "احقر مہر" کا سوال

ہے کہ کیا مولانا محمد علی نے مصریوں کو حملہ حجاز پر آمادہ کیا ؟" اور وہ "جمعیت العلماء
کے تین بزرگوں سے استفسار کرتے ہیں کہ کیا محمد علی نے ایسا نہیں کیا" "احقر مہر" کو
معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا محمد علی نے ایک ملاقات میں مصری محمل
کے دستہ کے سرعسکر عزمی پاشا سے درخواست کی کہ وہ حکومتِ مصر کو سلطان
ابن سعود پر حملے کے لئے آمادہ کرے اور ہم (یعنی ہندوستانی مسلمان) حکومت
مصر کی تائید کریں گے، پاشا موصوف نے اسکے جواب میں کہا کہ وہ سیاسی معاملات
میں مداخلت کے مجاز نہیں، مولانا محمد علی نے اس خدمتِ ملی کے انجام دینے کے بعد
فخریہ طور پر اس کا ذکر اس مکان میں بیٹھکر کیا جو دوران قیام منے ایں وفد جمعیت العلماء
اور وفد خلافت کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ جن لوگوں کے سامنے مولانا محمد علی
نے اپنا یہ کارنامہ بیان کیا اُن میں مولینا مفتی کفایت اللہ، مولانا عبد الحلیم صدیقی
اور مولینا ابو المعارف حضرت محمد عرفان کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر بتائے
جاتے ہیں اسکے بعد تو "احقر مہر" کو صرف اسی قدر کرنا تھا کہ تین خط ان تینوں علمائے
کرام کی خدمت میں ارسال فرما دیتے اور تصدیق ہو جانے کے بعد اس واقعہ کی تشہیر کرتے
قرآن کریم نے تو ایسے بہتانات کے بارے میں حکم دیا ہے کہ سنتے ہی کہہ دو کہ یہ افک
مبین اور بہتان عظیم ہے۔ خیر یہ بھی نہیں تو کم از کم پہلے تحقیقات کر لی جائے تب ایسی
بات کو شہرت عام دی جائے۔ لیکن یہ طریقہ تو کتاب اللہ کا بتایا ہوا ہے اور اسی
پر رسول اکرم عامل تھے بھلا تمسک بالکتاب والسنۃ کے مدعی اس پر کس طرح عمل
کرتے؟ اسلئے پہلے لمبی چوڑی سرخی کے ساتھ اس بہتان عظیم کی تشہیر کر دی گئی اور
پھر جمعیت العلماء کے تین بزرگوں سے استفسار، اسی تشہیر کے ساتھ کر دیا گیا ہزاروں

مسلمان اس بیان کو پڑھیں گے اور اگر تینوں علمائے کرام کے جوابات شایع ہوئے
تب بھی بہت ممکن ہے کہ سینکڑوں جنہوں نے ۲۳- اکتوبر کے " زمیندار " میں اسکو
پڑھا ہے اس دوسرے پرچے کو نہ پڑھیں جس میں علمار کے جوابات شایع ہوئے
ہوں - تینوں نے اسکی تردید کر دی تب بھی اُن سیکڑوں مسلمانوں کے دل میں
ایک مسلمان کے متعلق شبہہ باقی رہے گا - اور اسطرح اسکی عزت و آبرو کو صریح
نقصان پہنچیگا جس کے لئے عدالت اسے معاوضہ بھی دلوا سکتی ہے، اور مجرم کو تعزیر
بھی کر سکتی ہے مگر " احقر مہر " خوب جانتے ہیں کہ میں اس حکومت کی خدمت میں
جانے سے رہا جس سے ان کے مالک رقاب ظفر علی خان " سیاسی سوالات " کے بھوکے
ہیں اور جسکی کونسلوں میں ان کے رفقاء گھسنے کی ہزار جتن کر رہے ہیں یہاں تک کہ
ہم جیسے تارکین تعاون کو بھی ناحق ناروا اس گندگی میں ملوث کرنا چاہتے ہیں،
عدالت کا خوف تو یوں جاتا رہا - اور خوف خدا ان تمسک بالکتاب والسنۃ کے
مدعیوں کو پہلے ہی کب تھا جو اُن سے عرض کیا جائے کہ رسول اکرمؐ کعبہ کا طواف
کرتے جاتے تھے اور اسکی حرمت کے بارے میں رطب اللسان تھے - مگر آخر میں
یہ بھی فرماتے تھے کہ کعبہ ! تو ضرور اسی قدر محترم ہے - مگر ایک مسلمان کی جان ایک
مسلمان کا مال اور ایک مسلمان کی عزت آبرو تجھ سے بھی زیادہ حرمت والی ہے
مگر جن کے دل میں محترم مقابر و مآثر کا احترام نہ ہو وہ کعبہ کا کیا احترام کریں گے
اور مسلمانوں کی عزت آبرو ان کی نظروں میں خاک محترم ہوگی - یہی نہیں " احقر مہر "
ان تین محترم گواہوں کے نام یہ انوکھا " سفینہ " بھی جاری فرماتے ہیں کہ پہلے تو
تمہیں ہماری عدالت عالیہ میں طلب کیا گیا تھا تاکہ تم شہادت دو کہ محمد علی نے اہل

سامنے سلطان ابن سعود کو شیطان اور دجّال اور ملعون اور خبیث کہا۔ مگر جب ہمارے مذکوری نے احاطۂ عدالت میں آواز دی کہ "کفایت اللہ حاضر ہے" "عبدالحلیم صدیقی حاضر ہے" تو تم میں سے ایک نہ بولا۔ اچھا اب کی تم حاضر عدالت نہ ہوئے اور تم نے قرآن نہیں نہیں حدیث اُٹھا کر گواہی نہ دی تو ہم سمجھ لیں گے کہ خاموشی نیم رضا نہیں بلکہ پوری شہادت ہے۔" احقر مہر "صاف صاف عرض" کر دیتے ہیں کہ "میں خاموشی کو بھی واقعہ کی دلیل سمجھوں گا" کیوں نہ ہو اسلام کا قانون شہادت بھی تو یہی ہے۔ قاضی القضاۃ شیخ نجد عبداللہ بن بلیہد صاحب سے مکہ معظمہ میں یہی تو سیکھ کر آئے ہیں اسی معلم اول کی تعلیم کا ابتک اثر باقی ہے۔

وفد خلافت

وفد خلافت کی رپورٹ میں ان نازیبا حرکات کی طرف ایک خفیف سا اشارہ بھی تھا جو ارکین موتمر اسلامی کو اپنے موافق بنانے کے لئے حکومت حجاز کی طرف سے کی گئی تھیں۔ جمعیت کے اعتماد کے ساتھ جو وفد گیا تھا جس کے ایک رکن کے لئے جو بعد کو صدر بھی منتخب کئے گئے تھے۔ تمام حاضرین نے ووٹ دئے تھے جس کے دو دیگر ارکان کے لئے ظفر علی خاں صاحب مالک "زمیندار" سے تقریباً چوگنے ووٹ دئے گئے تھے۔ جس کے چوتھے رکن اور سیکریٹری کے لئے بھی ان سے دُگنے ووٹ دئے گئے تھے اس وفد کی متفقہ رپورٹ میں یہ اشارہ شامل تھا۔ بجائے اسکے کہ اسکو یہیں تک رہنے دیا جاتا، اس پنجابی ٹولی نے جس کا آلہ کار "زمیندار" ہے کرید کر پوچھا کہ وہ "نازیبا حرکات کیا تھیں جب وفد کے ایک رکن نے اس استفسار سے مجبور ہو کر کچھ تشریح کی تو یہ حضرات جنھوں نے

سوائے ایک کے حج کی زحمت گوارا نہ فرمائی تھی، اور سوائے اس ایک کے موتمر میں وزیٹر کی حیثیت سے بھی شریک نہ ہوئے تھے، بیک آواز بول اُٹھے کہ یہ سب جھوٹ ہے، اگر وہ وفد جو خود حجاز گیا تھا اور موتمر میں شریک ہوا تھا ان غیر حاضرین کے فرمان واجب الاذعان جو یہیں سے بیٹھے بیٹھے سب کچھ جانتے ہیں اسکو واپس نہیں لیتا اور اپنی رپورٹ سے خارج نہیں کرتا۔ تو ہمیں نام بتائیے کہ اسکو یہ اطلاع کس سے ملی۔ مولانا حسین احمد صاحب خوب جانتے ہیں کہ اس نام بتانے کا کیا نتیجہ ہوتا اس لئے انہوں نے اس جماعت کو اس سے روکنا چاہا۔ مگر یہ حقیقت جو حضرات متلاشیان حق نہ مانے، اور اس معتمد علیہ وفد پر بے اعتمادی کا ووٹ پاس کرنا چاہا۔ باوجودیکہ جنوب، مغرب، اور مشرق کے لوگ دہلی کے بار بار کے جلسوں کی شرکت سے تنگ آکر اس بار بہت ہی قلیل تعداد میں آئے تھے، لیکن سوائے ایک اہلحدیث رکن کے باقی کسی نے بھی، جو اس پنجابی ٹولی میں داخل نہ تھا، موافقت میں رائے نہ دی۔ اور دو تین بار منہ کی کھاکر یہ حضرات پنجاب کو واپس ہوئے، لیکن تعجب ہے کہ آج ایک بہتان مجھ پر تراشا جاتا ہے۔ اسکی تشہیر کی جاتی ہے اور ایک اور کے سفینہ کے ذریعہ سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں، مگر اس حدیثا یفتریٰ کے راوی کا نام تک نہیں بتایا جاتا۔

غنیمت ہے کہ ہمارے دورانِ قیام مے' کا ذکر کرکے " احقر مہر" نے وقت ہی کا تعین کر دیا۔ ورنہ جب کل میں نے اس بہتان کو پہلی بار گواہ استغاثہ مولانا ابوالمعارف محمد عرفان صاحب کے بتانے پر پڑھا تو میں سمجھا کہ مجھے اب ان تمام ملاقاتوں کا ذکر کرنا پڑیگا جو مصری محمل کے ہمراہیوں سے ہوئی تھیں

غور سے دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ نہیں، حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ واپسی کے بعد کی ملاقاتوں کا ذکر غیر متعلق ہوگا۔ اسلئے کہ میری یہ خدمتِ ملّی، قیام منیٰ سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ورنہ دورانِ قیام منیٰ میں تین علمائے کرام کے سامنے، یہ "کارنامہ" کیونکر بیان کیا جاتا۔ منیٰ میں بھی دو بار قیام ہوتا ہے۔ ایک آٹھویں ذی الحجہ کے دن اور نویں ذی الحجہ کی شب کو عرفات جانے سے پہلے اور دوسرا بعد وقوف عرفات و قیام مزدلفہ دسویں گیارہویں اور بارہویں تاریخوں میں۔ پہلے بار منیٰ میں ہم ایک مکان میں دن کو ٹھہرے تھے مگر قبل مغرب بڑی ذلّت کے ساتھ نکال دئے گئے (جو ایک علیحدہ مگر بیحد دلچسپ داستان ہے) اس لئے بظاہر کوئی مکان خود ہمارے لئے مخصوص نہیں کیا گیا تھا۔ وفد جمعیت العلماء کا کیا ذکر ہے وہ ایک اور جگہ قیام پذیر ہوئے تھے اور ہم نے کھلی جگہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے مسجد حیلف کے قریب ایک احاطہ خالی پاکر اسی میں رین بسیرا کر لیا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تب تو "احقر مہر" کے بیان سے شبہ پیدا ہو جاتا کہ محمل پر جو حملہ کیا گیا ہے اور اسکے بعد مصری محافظین کو گولی چلانا پڑی وہی میرا "کارنامہ" تھا، اور میں اس خدمتِ ملّی سے قبل ہی مزے لے لیکر اپنی کارگزاری علماء کرام کے سامنے بیان کر رہا تھا اور ان سے دادِ تحسین وصول کر رہا تھا، مگر نہیں بقول "احقر مہر" کے میں نے اس "خدمتِ ملّی" کے انجام دینے کے بعد فخریہ طور پر اس کا ذکر اس مکان میں بیٹھکر کیا جو دورانِ قیامِ منیٰ میں وفد جمعیت العلماء اور وفد خلافت کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ عرفات و مزدلفہ سے واپسی پر ضرور ایک مکان ہمارے اور وفد جمعیت العلماء کے قیام کے لئے منیٰ میں مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اسلئے اب تو بالکل صاف ہو گیا کہ میں اپنا

"کارنامہ" فخریہ اسوقت اور اس جگہ بیان کر رہا تھا جسوقت اور جس جگہ کیلئے حکم قرآنی تو یہ ہے کہ فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکراً (پھر جب اپنے حج کے ارکان تمام کر چکو تو جس طرح تم شیخی خوروں کی طرح اپنے باپ دادوں کے کارنامے بیان کرنے میں لگ جاتے تھے، اسکو چھوڑ کر اسی انہماک اور جوش کیساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھکر خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ اور اسکی دی ہوئی نعمتوں کے ذکر میں لگ جاؤ۔

محمل مصری

واقعہ یہ ہے کہ غالباً ابتدائے ذی الحجہ میں پہلی بار میں نے سنا کہ محمل مصری "آیا" چاہتا ہے مگر ایک دن حرم شریف میں مغرب کے وقت ایک بڑے عرب تاجر کے صاحبزادے ملے جو نجدیوں کے ہم عقیدہ ہیں، ان سے محمل کی تاریخ پوچھی پر معلوم ہوا کہ محمل جدہ تو آگیا ہے، مگر سلطان چاہتے ہیں کہ مصری افسر تین شرطیں قبول کریں، اول یہ کہ بینڈ نہ بجایا جائے، دوسرے یہ کہ سگریٹ نہ پیئے جائیں اور تیسرے یہ کہ اسلحہ جدہ ہی میں چھوڑ دئے جائیں۔ غالباً انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مصری فوج اسلحہ لانے پر مصر ہے، مگر بینڈ نہ بجائیں گے، اور فوج والے سڑکوں پر علانیہ سگریٹ پیتے بھی نہ پھریں گے۔

اس کے بعد ایک دن سنا کہ محمل آ رہا ہے، میرا بھی جی چاہا کہ سیر دیکھنے جاؤں۔ مگر اجلاس موتمر کا وقت قریب آگیا تھا اور دور پیدل چلنا تھا جو اس دھوپ میں اور ان ریتیلی سڑکوں پر مجھ جیسے شخص کے لئے جسپر اسی ہفتے میں دورہ پڑ چکا تھا ناممکن تھا۔ علاوہ ازیں مجھے راستہ بھی معلوم نہ تھا اور ہمارے وہ سکوڈا

حاجی شعیب قریشی صاحب پہلے ہی نکل چکے تھے، وہ موتمر کے اس دن کے جلسے
میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ اور اسے دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ اچھا ہوا میں گیا
ورنہ تماشے میں کام رہ جاتا شعیب صاحب تھکے ہارے واپس آئے تو انکی زبانی
محمل کے حالات سُن لئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ محمل کی تصاویر لینے کے علاوہ انہوں نے
بھی کچھ نہ کیا، اور کسی مصری افسر نے انکی بھی غالباً ملاقات نہیں ہوئی، بہرحال ہم میں
سے کوئی اور ان افسروں سے نہ مل سکا۔

شاید اسکے دوسرے یا تیسرے دن، اور جہانتک میرا خیال ہے ۶ ذی الحجہ
کو جس دن موتمر کا اجلاس نہ تھا (حج سے قبل ۵ ذی الحجہ کو آخری اجلاس ہوا تھا)
کسی نے مجھے آکر خبر دی کہ عبدالقادر شیبی صاحب کے مکان پر کعبہ شریف کا غلاف
آرہا ہے انہوں نے تمہیں مدعو کیا ہے، یہ سنتے ہی میں گھر سے نکلا اور چونکہ یقین تھا
کہ عورتوں کو بھی زنانے میں مدعو کیا گیا ہے اس لئے اپنی بیوی کو جو محمل کو بہت
دیکھنا چاہتی تھیں، میں نے مکان کا پتہ بتایا کہ اسکے قریب کہیں کھڑے ہو کر دیکھ
لیں۔ ان کے برقعہ پہننے میں ذرا دیر لگی اسلئے جب میں شیبی صاحب کے مکان کے
پاس پہنچا تو دیکھا کہ مصری فوج کے چند سپاہی کچھ گھوڑوں پر، کچھ پیادہ کھڑے
ہیں۔ اور افسر بھی گھوڑوں پر کمان کر رہے ہیں۔ مگر غلاف دس بھاری بھاری
صندوقوں میں داخل مکان ہو چکا ہے، میرے ایک آدھ شناسا نے مکان کے
اوپر کی پہلی منزل کا راستہ بتایا اور کہا کہ جاؤ۔ مگر میں یہ سمجھا کہ اب کیا رکھا ہے، جو
اوپر جاؤں تاہم میں چلا گیا وہاں بہت سے اراکین موتمر اور دیگر عمائد مکہ مکرمہ
و اراکین حکومت، جن میں غالباً عتیقی صاحب، حافظ وہبہ صاحب اور شاید قاضی

القضاۃ عبداللہ بن بلہید صاحب بھی تھے، بہرحال متعدد مقربین سلطان کو
اور نامزدگان سلطان موجود تھے کمرہ مختصر سا تھا۔ اور انہیں آدمیوں کے باعث
بھر گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عزمی پاشا اور دیگر افسران فوج مصری اوپر تشریف
لائے اور اتنے سے کمرے میں اور گرمی کے وقت جتنے آدمیوں سے ہو سکا مصا
کیا تنگیٔ جا کے باعث سب سے ملنے اور مصافحہ کرنے میں بڑی زحمت ہوتی، اور
زیادہ تعارف تو دو چار ہی کا کرایا گیا۔ میں ایک گوشہ میں غالباً مولینا عرفان کے
قریب ہی بیٹھا تھا اور شاید ابو زید صاحب مصری سے جنہیں عسیر کی جانب سے سلطان
نے نمائندہ بنادیا تھا باتیں کرتا رہا۔ جب مصری افسر آئے تو دو تین ہی سے جو میرے
پاس آکر بیٹھے مصافحہ کیا اور ان میں سے ایک سے جو انگریزی جانتے تھے باتیں
کرنے لگا۔ عام گفتگو مصر کے متعلق ہوئی اور بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ
جون کو جبکہ لارڈ لائڈ اور سعد زاغلول پاشا کے لڑائی جھگڑے کا ایک عالم میں
چرچا تھا۔ آنے والے مصری افسروں سے ایک ہندوستانی آزادی طلب
مصر کے سیاسی معاملات کے کاہے پر گفتگو کرتا۔ اسکے علاوہ میں نے اپنے خاص
مصری دوستوں ڈاکٹر عبدالحمید بے سعید (حزب الوطنی) ڈاکٹر فواد، ڈاکٹر بہجت
وہبی عبدالستار بے الباسل اپنے اکسفرڈ کے ساتھی محمد پاشا محمود، وزیر مواصلات
اور اراکین وفد، مثلاً خود سعد پاشا زاغلول اور حامد پاشا الباسلی کے متعلق پوچھ
رہا۔ مولینا شوکت علی غالباً بعد میں پہنچے اور الفربہ، خواہ مخواہ مرد آدمی کے
پر یوں بھی ساری توجہ انکی طرف مبذول ہو جاتی۔ مگر وہ تو ہم نحیف الجثہ لوگوں
کی طرح جھجکا نہیں کرتے بلکہ ہر جلسے میں آتے ہی زبان سے جا ہے وہ آتی ہو یا

آتی ہو، ہاتھ پاؤں سے، اشاروں سے، غرض ہر طرح سے وحدت اسلام کا پروپگنڈا شروع کر دیا کرتے ہیں اسلئے ان کے آتے ہی تعارف کا ایک اور، اور بہت زیادہ مفصل دور شروع ہوا۔ اور میں بھی اپنے گوشہ سے طلب کیا گیا اور عزمی پاشا اور بہت سے افسروں سے بحیثیت "علی برادر" کے ملا۔ بہت سے افسروں نے مصافحہ کے علاوہ دونوں داڑھی سے بھرے ہوئے رخساروں کے بوسے بھی لئے اور میں نے بھی ان کے "احقر مہر" نما صاف رخساروں کو بوسے دئے اور مصر و ہند کے آزادی طلبوں میں خوب خلوص کا اظہار ہوا۔ مگر نجدیوں کے متعلق ایک حرف بھی نہ کہا گیا۔ اور نہ اس مجمع میں وہ سرگوشیاں ہو ہی سکتی تھیں۔ جس کے متعلق "احقر مہر" نے یہ تازہ تہمت تراشی ہے۔

میں نے اس ملاقات کا ذکر اس تفصیل سے اسلئے کیا کہ یہی ایک ملاقات تھی جو واقعہ محمل اور وقوف عرفات سے قبل مصری افسروں سے ہوئی۔

---

(۲)

دعوت

ایک دعوت موصول ہوئی کہ مصری کیمپ میں سلطان تشریف لیجائیں گے اور محمل اور فوج کو ملاحظہ فرمائیں گے، ہم بھی آئیں، ہمارا جی نہ چاہا کہ "ملک الحجاز" کے اس "ریویو" میں ہم شریک ہوں، دوسرے جرول تک جانے کے لئے سواری درکار تھی، اور اس کا کوئی انتظام بھی نہ ہوا تھا اسلئے ہم میں سے غالباً کوئی بھی نہ گیا تھا۔

۷ ذی الحجہ کو بعد مغرب میں نے حرم شریف میں جاکر احرام حج باندھ
اور ۸ کی صبح کو ہم منیٰ کو چل دئے۔ دوپہر کو وہاں پہنچے۔ مولانا شوکت علی
نے جو "تختِ رواں"، میں، ہم سب سے پہلے چلدئے تھے منیٰ پہنچکر اس مکان
تلاش کی جس کے متعلق ہم سے کئی دن پہلے کہہ دیا گیا تھا کہ تمہارے لئے حکومت
نے لے لیا ہے۔ خوش انتظامی کے صدقے جائیے کہ اس چھوٹی سی بستی میں بھی حکو
کا کوئی ملازم نظر نہ آیا جو بتا سکتا کہ یہ مکان تمہارے لئے لیا گیا ہے اس میں قی
کرو۔ البتہ ایک شخص نے بتایا کہ یہ مکان سلطان کے مہمانوں کے لئے لیا گیا ہے
اسلئے یہ سمجھ کر کہ ہمارے لئے یا ہمارے جیسے اور مہمانوں کے لئے لیا گیا ہوگا
یہ خاص ہمارے لئے نہ بھی ہوگا اور کوئی دوسرا ہمارے لئے ہوگا تو اس
اُن مہمانوں کے لئے انتظام کر دیا جائیگا جن کے لئے یہ لیا گیا ہے شوکت صاح
اتر پڑے، اُن کے آنے کے کچھ عرصے بعد ہم لوگ پہنچے اور لوگوں کے بتانے
اس میں قیام کیا۔ مکان میں صفائی کافی نہ تھی اور نہ پانی کا کوئی انتظام تھا
لئے گھنٹہ دو گھنٹے اسکے انتظام میں گذرے۔ بالآخر معلم نے جو کھچڑی تیار کرائی
سب نے کھائی اور آرام کیا۔ نماز ظہر پڑھی۔ عصر کے وقت دو تین آدمی شوکت صاح
سے ملے جن سے معلوم ہوا کہ یہ مکان سلطان کے لئے، اور بعد میں معلوم ہوا کہ خود س
کے لئے درکار ہے اور انہیں کے لئے لیا گیا تھا اور فوراً خالی ہو جانا چاہئے پو
گیا کہ ہمارے لئے کونسا مکان لیا گیا ہے تو کہا گیا کہ ہمیں معلوم نہیں ع قہر د
بر جانِ درویش، سامان اسیوقت بندھوایا گیا۔ اتنے میں معلم کا لڑکا آیا
کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ مغرب سے پہلے مکان خالی کرا دیا جائے ورنہ گھر بھر

قید کا حکم ملیگا۔ اس نجدی عدل والنصاف کے تجربے کے بعد کون دیر لگا سکتا تھا سورج غروب ہو رہا تھا اور ہمارا قافلہ لد چکنے کے بعد کوچ کر رہا تھا کہ اللہ کی وسیع زمین پر کہیں جائے قیام ڈھونڈھ نکالے۔ ہم پا پیادہ تھے اور مرد و عورت سب مکانوں کی دیواروں سے چمٹے ہوئے چلے جا رہے تھے تاکہ بے تحاشا اونٹ بھگانے والے نجدیوں کی جھپٹ میں کہیں نہ آجائیں۔ جی تو چاہا تھا کہ آخری دھمکی پر مکان نہ چھوڑا جائے اور دیکھا جائے کہ شاہی میزبان اپنے فقیر مہمانوں کو کیا سزا دیتا ہے۔ مگر ایک تو غیرت کا تقاضہ تھا دوسرے سزا ہم کو نہ ملتی۔ ہمارے جانے کے بعد بیچارے معلّم کے گھرانے کو ملتی، اور معلّم خود بھی موجود نہ تھا بلکہ انکا بیٹا تھا اسلئے ہم خاموشی سے چلے گئے، یہ بھی کہدینا چاہئے کہ ظہر کے وقت ہی سلطان اور ان کے والد بزرگوار دونوں کو ہم نے اس مکان کے پاس سے گزرتا دیکھا تھا اور ہم یقین نہیں کر سکتے تھے کہ وہ مغرب کے وقت واپس آکر اس مکان میں جہاں نہ صفائی کا انتظام تھا نہ پانی کا نہ کچھ فرش فروش تھا قیام فرمائیں گے۔ چنانچہ علی الصباح ہمارے ساتھ کے لوگوں میں سے ایک صاحب نے جا کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی ٹھہرا نہ تھا۔

گولی چلنے کی آواز

مسجد حنیف سے کچھ فاصلے پر ایک خالی احاطے میں ہم اُتر پڑے۔ میرے پاس ایک برقی بتی تھی جس سے دیکھ لیا کہ یہاں بول و براز تو زیادہ نہیں ہے، اسکا اطمینان ہوجانے کے بعد تھوڑی سی بلندی پر ہم نے بستر بچھائے اور معلّم نے کھانا بھیجا تھا اُسے کھانے لگے۔ اتنے میں گولیاں چلنے کی آواز آئی اور ایک توپ

دعغنے کی بھی اکثر کا قیاس تھا کہ آتشبازی کی قسم سے کوئی چیز ہے۔ بعض کا خیال
کہ مصریوں نے اپنے کیمپ میں بہنچکر خوشی کے فیر کئے ہیں۔ میں اپنے لڑکپن
دیکھ چکا تھا کہ جس شادی کے بعد جرنل عظیم الدین خاں صاحب کا قتل ہوا تھا،
ہیں میرے چچا حافظ مبارک علی خاں صاحب بھی اس جرم میں شہید کر دئے
تھے کہ انہوں نے مجروح جرنل صاحب کو اطمینان دلایا تھا کہ میں قاتلوں کو ابھی
پہچانے لیتا ہوں وہ جنرل صاحب سے پہلے ہی دعوت شادی سے واپس
تھے اس لئے کہ انہیں تراویح میں محراب سنانا تھی، ان کے ہمراہ ایک ہندو دوست
فیر کی آواز سنکر انہوں نے کہا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ چوبے جی نے کہا غالباً آتشباز
چھٹ رہی ہے، میرے چچا نے فرمایا کہ نہیں چوبے جی! یہ اور ہی کچھ معلوم ہوتا ہے
اور یہ کہتے ہی پلٹ پڑے اور باوجودیکہ معظم علی صاحب کا سا قد و قامت تھا
قاتلوں میں گھس گئے اور شہید کر دئے گئے ان کا یہ فرمانا کہ نہیں چوبے جی!
آتشبازی نہیں ہے، یہ کچھ اور ہی شے معلوم ہوتی ہے، مجھے اسوقت یاد آیا
دیر میں ہمارے معلم نے آکر اطلاع دی کہ مصری فوج اور نجدیوں میں
ممکن ہے کہ میرے اس قیاس میں "احقر مہر" اس امر کا صریح ثبوت پالیں
یہ سب کچھ میری ہی تحریک پر ہوا تھا۔ بالخصوص جبکہ میں اس کا بھی خود ہی
کروں کہ میں نے حاجی نسیم صاحب سے اسیوقت عرض کیا کہ آپ گواہ رہیں
گولی چلنے کے بعد بھی کھانے سے ہاتھ نہیں کھینچا اور اپنے ہی کام سے سروکار
خوف وہراس مجھ پر بالکل طاری نہ ہوا۔ اور میری نبض اور قلب کی حرکت
متغیر نہیں ہوئی "احقر مہر" ضرور ارشاد فرمائیں گے کہ اب گواہوں کی کیا

ملزم خود اقبالِ جرم کرتا ہے۔ جس کے ساز باز سے منیٰ کے باہر گولی چلی اس کا نوالہ کیوں کم ہوتا، اسکی نبض کیوں تیز چلتی، اور اس کا دل کیوں دھڑکتا ؟

پہلی اطلاع جو ہمیں ملی وہ یہ تھی کہ ایک مصری سپاہی کو سگریٹ پینے پر ایک نجدی نے "اَنتَ مشرِکٌ" کہا اور مارا جس پر نجدی اور مصری دستے میں چھڑ گئی۔ جیسا کہ ہماری رپورٹ میں درج ہے، واقعہ کی ابتداء اس طرح نہیں ہوئی بلکہ بگل کے ذریعے سے فوج کو احکام دئے جانے پر ہوئی تھی۔ تاہم سگریٹ نوشی پر نجدیوں کا تشدد اس قدر عام تھا کہ لوگوں نے یہی قیاس کیا کچھ دیر بعد حکومت کے ملازم گھوڑے اور سانڈنیاں دوڑاتے ہوئے سب طرف نکلے اور اعلان کرتے پھرے کہ قیام امن ہوگیا۔ لوگ مکّہ مکرمہ کو واپس نہ جائیں بلکہ منیٰ ہی میں قیام کریں۔

اس اطمینان کے بعد ہم سو رہے اور سورج نکلتے ہی عرفات کی طرف کوچ کیا۔ راستہ میں اونٹوں کی لاشیں نظر آئیں اور انکی تعداد سے اندازہ ہوا کہ بہت سے مسلمان ناحق اس تعصب اور تشدد کا شکار ہوئے، اور رات کا رنج و افسوس جو کھانا کھاتے وقت کی مصنوعی بے فکری سے بھی نہیں چھپ سکتا تھا صبح کو اور بھی زیادہ ہوگیا، نہ راستے میں نہ عرفات پہنچکر، نہ واپسی میں مزدلفہ پر ہمیں اس افسوسناک واقعہ کے مزید حالات معلوم ہوئے۔ البتہ ۱۰ ذی الحجہ کو جب ہم دن بھر منیٰ میں قیام کر کے مغرب کے وقت مکہ معظمہ کو طواف زیارت اور سعی کے لئے گئے تو حرم شریف میں نماز عشاء کے بعد ایک ہندوستانی اہلحدیث کرمفرما سے ایک مضحکہ انگیز روایت سننے میں آئی اور ۱۱ ذی الحجہ کو شب کے وقت

یعنی ۱۲ ذی الحجہ شروع ہو جانے کے بعد جب ہم پہلی بار مصری افسروں سے
کے لئے گئے تو جنرل عزمی پاشانے اس واقعہ کی پوری تفصیل سنائی۔ اسی
اور اس کے بعد اور بھی مختلف لوگوں سے مختلف روایتیں سنیں، اور جو کچھ
علم میں آیا تھا اسکو میں نے اپنی لڑکیوں کو اس حج کے خط میں لکھ بھیجا تھا جس کو
واپس آنے سے قبل قائم مقام اڈیٹر ہمدرد نے ۲۳ جولائی کے پرچے میں ضمیمہ کی
میں شایع کر دیا تھا۔ میں لوگوں کی یاد کو تازہ کرنے کی غرض سے اس حصہ کو یہاں
درج کئے دیتا ہوں وھو ھذا:۔

جس دن لوگ منےٰ حج سے پہلے پہونچے یعنی ۸ ذی الحجہ کو تو مصری محمل
جس کے ساتھ نیا غلاف مصر سے آتا ہے اور جس میں پچاس ہزار گنیاں خیرات
کے لئے ہوتی ہیں اور جس کے محافظ ۰۰ ۵ فوج مصری ہوتی ہے، اس پر بگل
بجنے کے وقت (یہ موسیقی کو ناجائز سمجھتے ہیں اور مصر سے شیخ الازہر کا فتویٰ
بینڈ کے خلاف لے کر بینڈ کو جدّہ ہی میں چھڑوا دیا تھا) نجدیوں نے پتھر برسائے
اور محمل کو صنم کہہ کر مصری پاشا کو جو فوج کے بڑے جلیل القدر افسر ہیں اور
ہیں بُرا بھلا کہا، اس پر (خود پاشا کا بیان ہے جو ہمارے بغیر پوچھے ہوئے انہوں
نے ہمیں دیا) پاشانے ان بیس پچیس نجدی افسروں سے جو محمل کے ساتھ تھے کہا
کہ اسکو روکو۔ وہ نہ روک سکے تو سلطان کو اطلاع کرائی گئی۔ پہلے سلطان کا
ایک بیٹا آیا۔ اور اس نے روکنا چاہا۔ مگر نجدی باز نہ آئے۔ تب سلطان کا بھائی
آیا اور وہ بھی ناکام رہا (خط لکھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ بھی سلطان کا بیٹا
تھا۔ بھائی نہ تھا۔ محمد علی) پھر خود سلطان آئے اور وہ بھی ناکام رہے، تب

(بقول مصری پاشا کے) پاشا نے کہا تم سے انتظام نہ ہوسکا اب میں انتظام کرتا ہوں جس پر سلطان راضی ہوگیا۔

گولی چلی

پاشا نے پہلے ہوا میں گولی چلائی۔ مگر نجدی تب بھی باز نہ آئے دو مصری سپاہی اور ایک افسر زخمی ہوئے۔ پاشا نے ایک منٹ تک فیر کرنیکا محمل کے اردگرد کے سپاہیوں کو حکم دیا۔ اس سے بیس نجدی مارے گئے، اونٹ بہت ضایع ہوئے اور سنا ہے کہ کچھ اور حاجی بھی مارے گئے۔ مگر یہ اسوجہ سے کہ رات کا وقت تھا اور بلا ارادہ گولی نجدیوں کے علاوہ اوروں کے بھی لگ گئی۔ مرے ہوئے اونٹ خود ہم نے بھی حج کو مزدلفہ عرفات جاتے وقت دیکھے۔ پاشا نے کہا کہ سلطان نے اسوقت تو رضامندی ظاہر کی تھی کہ میں اپنا خود انتظام کروں گا مگر بعد کو ایک خط لکھ بھیجا کہ تم نے نہتوں پر حملہ کیا ہے۔ اور نماز پڑھتے ہوئے حاجیوں کو بھی تم نے پیام موت پہنچادیا۔ اس پر پاشا نے لکھا یا کہا کہ گولی مفسدوں پر چلائی گئی مگر گولی بندوق سے نکلکر یہ نہیں پوچھتی کہ تو نجدی ہے یا کہیں کا حاجی، تو فساد کرتا ہے یا نماز پڑھ رہا ہے۔

حکومت کے طرفدار لوگوں نے پہلے تو اسکی کوشش کی کہ بالکل چھپادیں کہ کوئی مرا بھی ہے یا نہیں، بلکہ ایک بھوپالی اہلحدیث نے جن کا ٹونک سے بھی تعلق ہے۔ خود سید سلیمان ندوی اور مجھ سے بیت اللہ میں ۱۰ ذی الحجہ کو کہا کہ انہیں سلطان سے فقط دو واسطوں سے اطلاع ملی ہے کہ نجدیوں نے منٰی

جیسے مقدس مقام میں سگریٹ پینے سے ایک مصری سپاہی کو روکا تو اس نے
آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً پستول سے فیر کر کے اس نجدی کو مار ڈالا۔ اور پھر ساری
فوج نے فیر کرنا شروع کر دیا۔ اس سے ۲۱ نجدی شہید ہوئے، تو انہوں نے اپنے
علمار کے پاس جاکر فتویٰ طلب کیا کہ اس حالت میں کیا کیا جائے ؟ اس عرصہ میں
خود سلطان آگئے، انہوں نے کہا کہ تم میرے خاندان کے ۲۱ آدمی مار ڈالو (بعض نے
کہا، اور خود چھاتی کھول دی کہ مجھے مار ڈالو) مگر ان مصریوں سے کچھ نہ کہو،" اس لغو
داستان پر تو ذرا بھی یقین نہ آیا تھا مگر اس سے یہ تو ضرور پتہ لگا کہ طرفداران حکومت
لوگوں کو کیا باور کرانا چاہتے ہیں۔ سلطان سے ہم ملے تھے مگر انہوں نے مطلق اس کا
ذکر نہیں کیا اور ہم نے بھی اس حالت میں پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

ایک اور خبر

ایک خبر یہ بھی اُڑی تھی کہ عرفات سے مزدلفہ کو واپسی کے وقت کچھ
نجدی انتقام لینے کے لئے گھات میں راستہ کے دونوں طرف بیٹھے تھے، مگر پاشا
کو معلوم ہو گیا تو وہ راستہ کاٹ کر محمل اور فوج کو دوسری طرف سے پہاڑ کی اوٹ
میں نکال لے گئے، اور جب وہ اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے تب کہیں نجدیوں کو اپنی
ناکامی کا علم ہوا۔ مگر یہ خبر تصدیق شدہ نہیں ہے اور مجھے یقین نہیں آتا۔ البتہ نجدی
اس دن سے بہت مغموم اور چپ چپ ہیں اور مصری خوش خوش ہیں اور اگر کسی
نجدی کا دھکا لگ جاتا ہے تو مرد تو مرد عورت تک بھی نجدی کے گھونسا لگا بیٹھتی
ہے۔ چنانچہ بی نے خود دیکھا کہ نجدی دھکا دینے والے کے مصری عورت نے گھونسہ
رسید کیا اس پر نجدی تو چپ ہو گیا مگر اسکی بیوی نے زمین میں لات مار کر کچھ دھول اور

کنکریاں مصری عورت پر اڑائیں۔

مزے کی بات یہ ہوئی کہ (راوی خود ایک پنجابی صاحب ہیں) رات کو جب گولی تو پنجاب کے اہلحدیث میں بہت کھلبلی پڑی اور عورتوں میں تو کہرام مچ گیا اور سب نے سمجھا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ مگر جب اعلان امن ہو گیا تو پنجابی اہلحدیث مرد حضرات نے طے کیا کہ سلطان سے کہا جائے کہ ہم کو بھی اپنی مجاہد فوج میں سمجھئے، ہم بھی جہاد کریں گے۔

مجھ سے خطا ہوئی کہ میں نے ان پنجابی بھائی کی روایت درباره مجاہدین اہلحدیث اس خط میں اپنی لڑکیوں کو لکھ بھیجی، نہ میں اس روایت کو درج خط کرتا نہ وہ شایع ہوتا۔ نہ "احقر مہر" ایک مجہول الاسم راوی کی روایت پر یہ تہمت مجھ پر تراشتے کہ میں نے مصری جنرل سے کہا کہ تم سلطان ابن سعود اور ان کی فوج ظفر موج" پر دھاوا بول دو، ہم تمہاری تائید کریں گے۔ قارئین کرام اس روایت اور اس تہمت میں خاندانی شباہت ضرور دیکھ لیں گے۔ میں ان اہلحدیث بھائیوں کو خوب جانتا ہوں جو ایک صدی سے ہندوستان کی سرحد پر جہاد کی دھن میں پڑے ہوئے ہیں اور جنکی چند نسلیں اس تمنا میں عازم ملک عدم ہو گئیں کہ کب مجاہدین کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ وہ صرف خوابیں ہی نہیں دیکھتے رہتے، بلکہ باوجود اپنی بے سرو سامانی کے اور باوجود اپنے بہت سے افراد کی سستی و کاہلی کے جواب پڑے بڑے اجدی سے ہو گئے ہیں۔ یہ بھائی ہر جہاد میں شریک ہو کر "یقاتلون فی سبیل اللہ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ کے مصداق بنتے ہیں۔ مگر یہ حضرات اس "ثناء الٰہی" گروہ میں شامل نہیں ہیں جن کا جہاد صرف مناظرہ ہے بلکہ مشاعرے

سے ہوا کرتا ہے اور جو دوسروں کو بھی جہاد کی ترغیب دیتے ہیں تو کفار اور مشرکین
اَعداءُ اللہ و اعداء المسلمین کے خلاف نہیں، بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں کو مسلمانوں ہی کے
خون میں رنگوانا چاہتے ہیں۔ قبوں اور کچی قبروں وغیرہ کے مسائل میں وہ ہم سے لاکھ
اختلاف رکھیں۔ مگر جب اعداء اللہ و اعداء المسلمین کے خلاف "رفع یدین" کا
وقت آئیگا تو ہم اور وہ انشاء اللہ ایک صف میں ایستادہ ہوں گے، اور یہ تنہا
آکھی ٹولی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیگی اور سارے ابو الوفا اور ابن الوفا
ابو الوقت اور ابن الوقت غیر اللہ کی فتح کی دعائیں مانگیں گے۔ اور گلے پھاڑ پھاڑ کر
آمین بالجہر کریں گے۔ اگر یہ ٹولی رات کو نامرد نکلی اور صبح ہوتے ہی مرد بنگئی، اور
سلطان ابن سعود سے کہا کہ ہمکو بھی اپنی مجاہد فوج میں سمجھئے، ہم بھی جہاد کریں گے
حالانکہ رات کو کھلبلی پڑی تھی اور عورتوں میں تو کہرام مچا ہوا تھا تو کیا ضرور ہے
کہ مجھے بھی ملوث کیا جائے اور "اخفر مہر" کے ذریعے سے یہ مشہور کیا جائے، کہ
میں نے مصری دستہ کے سرعسکر عزمی پاشا سے درخواست کی کہ وہ حکومت مصر کو سلطان
ابن سعود پر حملے کے لئے آمادہ کرے۔ اور ہم (یعنی ہندوستانی مسلمان) حکومت
مصر کی تائید کریں گے۔

ملاقاتیں

مصری افسروں سے میری جو پہلی ملاقات شیبی صاحب کے مکان میں ہوئی تھی اسکی
تفصیل آپ سن چکے۔ دوسری ملاقات کا پورا حال میرے خط میں آگیا اور مزید تفصیلات
میں ابھی دیتا ہوں۔ ان کے علاوہ تین ملاقاتیں اور ہوئیں، اور پھر ایک رخصتی مصافحہ جو محمل کے
"طوائف وداع" کی رسم کے وقت ہوا جبکہ بیت باناجہ اور باب علی کے سامنے والے

قطعہ زمین مین محمل بر دار اونٹ کو سات چکر دیکر مصری دستہ معہ اپنے افسروں کے اپنے وطن کو واپس ہوا۔ بقیہ تین ملاقاتوں میں سے پہلی مغرب کے بعد جبکہ شب جمعہ اور ۱۴ ذی الحجہ شروع ہوئی تھی، تکیۂ مصری میں ہوئی اور اسکی حیثیت ایک عام "ایٹ ہوم" کی سی تھی جسمیں اراکین حکومت حجاز اور اراکین موتمر شریک ہوئے یہاں مصری قنصل امین توفیق بے سے بھی ملاقات ہوئی اور پہلی بار معلوم ہوا کہ حکومت مصری نے بھی شرکت موتمر کے لئے ایک وفد بھیجا ہے۔ جس میں قنصل موصوف بھی شریک ہیں۔ عزمی پاشا نے مولانا شوکت علی سے خلافت کی اسکیم کے متعلق سوال کیا۔ مگر قلتِ وقت کے باعث وہ تفصیلی جواب نہ دیسکے۔ اسکے بارے میں میری جیبی ڈائری میں ایک نوٹ ہے اور اسکے بعد درج ہے کہ اسی شب عشاء کے بعد سلطان اور ان کے والد بزرگوار طواف کے لئے حرم شریف میں آئے اور ان کیلئے مطاف اور حجر اسود کو خالی کرایا گیا۔ میں اور مولٰنا عرفان صاحب اس بدعت ملکیتن کا تماشہ دیکھ رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اسی طرح طواف کیا کرتے تھے تو ایک نجدی نے جو بظاہر اردو جانتا تھا، بگڑ کر عرفان صاحب سے کہا کہ موتوا بغیظکم اس ملاقات میں بھی عزمی پاشا کے ساتھ کسی سرگوشی کا موقع نہ تھا۔

دوسری ملاقات دوسرے دن یعنی جمعہ کو مصری کیمپ میں جو جرول میں واقع تھا ہوئی، مولانا شوکت علی صاحب، شعیب صاحب، اور سید سلیمان صاحب مدرسۂ صولتیہ کی نئی عمارت کی چھت پر جاکر سویا کرتے تھے، وہ صبح ہوتے ہی وہیں سے چلے گئے۔ میں شب کی ملاقات میں یہ سمجھا تھا کہ یہ ملاقات بھی تکیۂ مصری

یں ہوگی۔ چنانچہ شب کو بیت تو میں سویا اور صبح کو پھر وہیں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہاں کوئی نہیں ہے اور شوکت صاحب میرا انتظار خندربہ کے محلّے میں جو دار صولتیہ سے قریب ہے، شیخ عبداللہ بن بلیہد کے مکان سے متصل منشی احسان اللہ صاحب کے مکان پر کر رہے ہیں۔ یہہ برطانوی قنصل خانے واقعہ جدّہ میں ملازم ہیں اور اسی سلسلہ میں اس مکان میں جس کا کرایہ سنا ہے کہ برطانوی قنصل دیتا ہے اکثر مکّہ مکرمہ میں آکر اپنے اہل وعیال کے پاس رہا کرتے ہیں، میں وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ میرا راستہ دیکھ کر جردل چلے بھی گئے، ٹیلیفون دیا تو کچھ عرصہ بعد شعیب صاحب مصری موٹر لائے اور مجھے مصری کیمپ لے گئے۔ مصر، ہندوستان اور اسلام کے متعلق مصری افسروں سے گفتگو رہی۔ مگر عزمی پاشا سے زیادہ بات چیت کم از کم میرے سامنے نہ ہوئی، اسلئے کہ سلطان کی طرف سے ایک نجدی صاحب ان کے مقربین میں سے کوئی اہم پیغام لائے تھے۔ اور جنرل موصوف انہیں سے گفتگو میں مشغول رہے۔ میں دیر میں آیا تھا اور چونکہ نماز جمعہ کے لئے ہم کو گیارہ بجے سے پہلے ہی حرم شریف جانا پڑتا تھا۔ اس لئے میں تو مصری کیمپ میں تھوڑی ہی دیر رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں خلافت کی اسکیم کے متعلق عزمی پاشا کے سوال کا آج مفصل جواب دوں۔ مگر بوجوہ متذکرہ بالا اسکا کوئی موقعہ نہ مل سکا

تا بہ سرگوشی برائے حملہ مصر بر سلطان نجد چہ رسد۔

اس کے بعد عزمی پاشا اجلاسہائے موتمر میں بطور وزیٹر ایک دو بار آئے تھے اور اصحاب میمنہ کے پیچھے بیٹھا کرتے تھے، میں ان سے ملا بھی تھا اور موتمر کے مباحث کے متعلق دو چار باتیں بھی ضرور کی تھیں۔ مگر یہاں بھی سرگوشی کا کوئی موقع نہ تھا

اور فیکم سمٰعون لھُم کی شان ہر وقت نظر آتی تھی۔ بالخصوص توفیق شریف بے صاحب اُس زمانہ میں "ناموس عام" کی جگہ محمد علی حسن بے صاحب کو سپرد کرکے، ترکوں اور افغانوں کو ورغلانے میں مشغول تھے اور یہیں رہا کرتے تھے۔ ان سرسری ملاقاتوں کے علاوہ آخری ملاقات خود جردل میں مصری معسکر میں ہوئی۔ اسکی تاریخ مجھے یاد نہیں، مگر ۱۶ ذی الحجہ کے بعد اور ۲۴ ذی الحجہ سے قبل ہوئی ہوگی۔ مغرب کی نماز کے بعد میں حرم شریف میں تھا کہ سید سلیمان صاحب ندوی تشریف لائے اور آپنے مجھ سے پوچھا کہ جردل نہ جاؤ گے میں نے پوچھا وہاں کیا ہے، فرمایا کہ وہاں تو کھانے کی دعوت ہے۔ یہ غالباً بعد عصر ہی موصول ہوئی تھی، اور میں اسوقت گھر پر نہ تھا۔ مولانا شوکت علی اور شعیب صاحب میرے دوست ادیب ثروت بے ترکی مندوب کی دعوت پر، ان سے ترکوں کے مذہبی اور سیاسی عقائد پر دل کھول کر گفتگو کرنے گئے تھے۔ ہم دونوں نے یہ خیال کیا کہ وہ وہیں سے سواری کا انتظام کرکے جردل پہنچ جائیں گے۔ اس لئے اب ہمیں سواری کی فکر ہوئی چنانچہ تکیۂ مصری اور مجید یہ دونوں جگہ دریافت کرایا۔ مصری تکیہ کے ناظر صاحب نے نہایت مہربانی سے ہمیں تکیہ ہی میں بلا بھیجا، اور تھوڑی دیر بعد مصری پاشا کی موٹر آئی جس میں ایک اور صاحب پہلے سے رونق افروز تھے۔ دیکھا تو توفیق شریف بے صاحب "ناموس عام" تھے انہیں کے ہمراہ ہم دونوں بھی جردل گئے مؤتمر کے بہت سے اراکین جمع تھے میں پاشا کے درباری خیمہ کے باہر ڈاکٹر عبداللہ دملوجی کی دعوت پر انہیں کے پاس بیٹھ گیا۔ وہاں سگریٹ نوشی ہو رہی تھی جس میں میں بھی شریک ہوا۔ اندر شاہ شیخ عبداللہ بن بلیہد صاحب تھے، اور سگریٹ وہ "کار دیگر" تھا جسکے لئے "چوں بخلوت

می رومذ" کی شرط لازمی تھی، نہ اسوفت، نہ ڈنر پر، جبکہ میں ادیب ثروت بے، اور شاید قاضی عبداللہ بن بلیہد صاحب اور ایک دو مصری افسروں کے قریب بیٹھا تھا، نہ ڈنر کے بعد جبکہ پھر ڈاکٹر دملوجی کے ساتھ میں خیمہ کے باہر ہی بیٹھا رہا مجھ سے اور عزمی پاشا سے کوئی گفتگو ہوئی۔

لیکن یہ سب غیر متعلق بحث ہے اسلئے کہ یہ منےٰ سے واپسی کے بعد کی ملاقاتیں ہیں اور "احقر مہر" فرما ہی چکے ہیں کہ میں نے اپنے "کارنامہ" پر علمائے وفد جمعیتہ العلما کے سامنے منےٰ کے قیام کے دوران میں اسی مکان میں بیٹھکر تنخی ہنگاری تھی جو دونوں دفود کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اس لئے اس تہمت کا سارا دار و مدار اس ایک ملاقات پر رہے جو منےٰ کے مسخر کے پاس مصری معسکر میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات کے وقت تین گواہان استغاثہ میں سے ایک گواہ، مولانا عرفان صاحب خود موجود تھے، پھر ان سے بھی بڑھکر مولانا سید سلیمان ندوی جن کو "زمیندار" نے پھر "علامہ" کی چھنی ہوئی ڈگری ایک گمراہ کن استفتاء پر فتوے دینے کے صلے میں عطا فرمادی۔ اس ملاقات میں شروع سے لیکر آخر تک موجود تھے، وہ عزمی پاشا کے ایک طرف تھے، اور مولانا شوکت علی دوسری طرف، میں اور عرفان صاحب ایک بازو میں تھے، اور جتنی گفتگو ہوئی وہ انہیں دونوں حضرات سے ہوئی اور چونکہ زیادہ بلند آواز سے نہ ہو رہی تھی۔ اس لئے میں نے تو اس کا ایک خاصہ بڑا حصہ خود سنا بھی نہیں، بلکہ واپسی پر انہیں حضرات سے معلوم ہوا کہ عزمی پاشا نے کیا فرمایا۔ پھر تعجب ہے کہ "احقر مہر" نے اپنے چیدہ "مفتی" کی شہادت کو کیوں رد کر دیا۔ کیا وہ "راوی" تو ثقہ نہیں مگر مفتی معتبر ہیں؟ افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض۔

تہمت تراشی

حقیقت یہ ہے کہ " احقر مہر " کی یہ تمام تہمت تراشی بکواس ہے اور خرافات بے شک میرا ایمان ہے کہ اگر سلطان ابن سعود غصب کردہ حکومت حجاز پر قابض رہے جسکی حیثیت نہ شورائی ہے، نہ مولانا ثناء اللہ کے فرمانے کے مطابق شرعی جمہوری بلکہ ان کے نافذ کردہ قانون اساسی کے مطابق خود اُن کے ترکی اور شامی دوستوں کی رائے میں شخصی اور استبدادی ہے اور میری رائے میں قیصری اور کسروانی ہے تو مرکز اسلام میں ایک بڑا فتنہ بپا ہوگا۔ اور اگر ہم اس پر خاموش ہو بیٹھے اور ہم نے صبر کر لیا تو غالباً اس تیرہ سو برس کے دائرۃ السوء سے بھی زیادہ بڑے اور زیادہ برے چکر میں آجائیں گے جو امیر معاویہؓ کی کسروانیت اور یزید پلید کی ولیعہدی سے شروع ہوا تھا اور جس کا خاتمہ سلطان محمد وحید الدین کی دین فروشی اور جزیرۃ العرب تک پر کفار کے قبضے پر ہوا۔ میرا اس پر بھی ایمان ہے کہ الفتنۃ اشد من القتل (فتنہ خونریزی سے بھی سخت تر ہے) میں اس پر عقیدہ رکھتا ہوں کہ لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین (اگر اللہ بعض انسانوں کو بعض دیگر انسانوں کے ذریعے سے حکومت سے دور نہ کر دے تو یقیناً زمین میں فساد پھیل جائے۔ مگر اللہ ایسا ہی کیا کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنے پیدا کئے ہوئے دنیا جہان پر فضل کرنیوالا ہے) میں اس کا بھی قائل ہوں کہ لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت سوامع وبیع وصلوٰت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ (اگر اللہ بعض انسانوں کو بعض دیگر انسانوں کے ذریعے سے حکومت سے دور نہ کر دے تو، مقابر و مآثر حرمین شریفین کی طرح، تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں

جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے ڈھا دئے جائیں) لیکن ساتھ ہی ساتھ میرا اس پر بھی ایمان ہے کہ من یقتل مومناً متعمداً فجزاء ہٗ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذاباً عظیما (جو ایک مسلمان کو دیدہ و دانستہ مار ڈالے تو اسکو دوزخ کی سزا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔ اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ اور اس پر خدا کی پھٹکار پڑے گی۔ اور اللہ نے اسکے لئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے) میں رسولؐ اللہ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ قتال کو کفر سمجھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی پیشگوئی کے مطابق دنیا کی خاطر ہم ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر ہو گئے تھے۔ اور آج بھی کافر ہوئے جا رہے ہیں۔ جو آیات و احادیث کراچی کے مقدمے میں مولانا حسین احمد صاحب نے جیوری کو پڑھکر سنائی تھیں اور جو میرے تحریری بیان میں شامل ہیں، انہیں میں نہ آج بھولا ہوں نہ موتمر میں بھولا تھا۔ جب میں نے ایک تحریک پیش کی تھی کہ ان آیات و احادیث کی بنا پر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے خلاف جنگ نہ کرے، اور اگر بدقسمتی سے دو مسلمان حکومتیں باہم متحارب ہو جائیں تو مؤتمر کی ایک صلح جو کمیٹی فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول الخ (اگر تم آپس میں کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو) اور انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (حقیقت تو یہی ہے کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اگر آپس میں جھگڑ پڑیں تو اے مسلمانو! اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو) پر عمل کر کے آتشِ جنگ کو بجھا دے اور صلح کرا دے، پھر "احقر چہر" کو معلوم ہے کہ اسکا کیا حشر ہوا؟ "احقر چہر" کے دینی بھائیوں نے یعنی سلطان کے نام زدگان نے اس تحریک کو مسترد کرا دیا! کیوں؟ اس لئے کہ میرا کارنامہ نہیں سلطان نجد اور نجدیوں کا یہی کارنامہ ہے کہ مسلمان اور صرف مسلمانوں کے خون میں انکے

ہاتھ رنگے ہوئے ہیں اور وہ غالباً اسوقت بھی یمن کے مسلمانوں پر جنگ کی تیاری کررہے تھے۔ حالانکہ سرگلبرٹ کلیٹن سے حدود حرم کے سامنے ہی ملاقات کرکے انہوں برطانیہ سے معاہدہ کیاہے کہ برطانوی انتداب کی حدود کے خلاف وہ کبھی قدم بھی نہ اٹھائیں گے اور گو سارے عالم اسلام کے بارے میں تو بار بار وعدہ خلافی کرنا ان کا دین وایمان ہے۔ مگر ایک عیسائی سلطنت کے لئے ان العھد کان مسئولا ہروقت ان کی وردزبان ہے۔ اے پنجاب اور دفتر زمیندار کے ٹھیکہ داران تمسک بالکتاب والسنۃ، جاؤ اور اپنے اس زندہ پیر سے پوچھو جس کی تم آج پرستش کررہے ہو، اور ع

ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر است

کے پرانے اصول پر جسکی بنا، پر ملکیت دنیا کے لئے ایک لعنت ہے کہ اسکے نامزدگان نے کیوں ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو ٹھکرایا اور اُس تحریک کو جس کے لئے چھ سر برآوردہ مسلمان قید فرنگ میں مبتلا ہوئے تھے رد کر دیا، بس میرا تم سے اسی قدر خطاب تھا۔ اب ایک آیت قرآنِ کریم سے اور نقل کرتا ہوں اس پر بھی میرا ایمان ہے اور وہ یہ ہے کہ "ان طائفتٰن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما ج فان بغت احدٰنھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ ہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب ا

(اگر تم مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان میں کا ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم بھی اس سے لڑو یہانتک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع لائے، پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ

صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو، بیشک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا
ہے) مسلمانوں میں سے ایک دوسرے سے لڑائی کی صرف اسی صورت میں اجازت ہے
لیکن اگر کوئی مسلمان قتل مومن یا کسی اور خیال سے اس طرح مسلمان سے لڑنے
جھجکے گا تو ملت کو برباد کرادے گا۔ ہم نے گزشتہ تیرہ سو برس میں انبیاء کی خلافت
لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں کاٹیں اور نہ کافر بننے سے گھبرائے، نہ جہنم کا خوف کیا نہ
کے غضب کی پرواہ کی نہ اسکی لعنت سے ڈرے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے
ہمارے اسلاف نے یزید اور اس جیسے ظالموں اور بدکاروں کے خلاف جنگ سے
گریز ہی کیا اور ان کے جبر و اکراہ اور ظلم و تعدی کو برداشت کیا۔ میں کہ ان اسلاف
کی گرد پا سے حقیر تر ہستی ہوں، اللہ سے ڈر کے جس طرح کہتا ہوں کہ انشاءاللہ
دوبارہ ملکیت کی بدعت کا کم از کم مرکز اسلام اور خلافت کے نظام میں تو ارتکاب
نہ ہوگا۔ اسی طرح اُسی خدا سے ڈر کر لیکن اسکے سوا سب سے بیخوف و خطر ہو کر یہ
کہتا ہوں کہ جو فئیہ باغیہ ساری اسلامی دنیا سے لڑائی مول لیگا اور خدا کے امر
سے سرکشی کرے گا اور اپنی قوت کے بھروسہ پر حکم خدا کی طرف رجوع نہ لائیگا
اسکے خلاف ہر مسلمان کو جنگ پر اُبھاروں گا، تاآنکہ وہ فئیۃ باغیہ امر اللہ
طرف رجوع لائے اور عدل و قسط کے ساتھ عالم اسلام میں صلح کا دور دورہ
جائے، وما توفیقی الا باللہ افوض امری الیہ والیہ انیب۔

(۳)

کل کے زمیندار میں مہر صاحب درج فرماتے ہیں، فرط غیظ و غضب

مولانا محمد علی میری تحریر کے الفاظ پر غور نہیں فرما سکے، ورنہ انہیں صاف نظر آجاتا کہ میں نے یہ کہیں بھی دعویٰ نہیں کیا کہ مولانا محمد علی نے عزمی پاشا کو مقام مقدس پر نجدیوں پر حملہ کرنے کی دعوت دی .... بلکہ میرا صاف اور بین اور غیر مشتبہ استفسار فقط اسقدر ہے کہ آیا آپ نے کماندار موصوف سے کہا یا نہیں کہ حکومتِ مصر کو حجاز پر حملہ کرنے کی ترغیب دے، اس صاف، بین، اور غیر مشتبہ استفسار کا جواب تو ہمدرد کے گزشتہ دو پرچوں میں بھی موجود ہے۔ مگر اس خوف سے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ جواب لیا تو ضرور ہے مگر "صاف، اور بین" اور غیر مشتبہ" نہیں ہے میں، آج صاف اور بین اور غیر مشتبہ جواب دیتا ہوں کہ نہیں میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا، اور یہ جھوٹ، کذب اور افترا ہے، اور "لعنۃ اللہ علی الکذبین،، جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار

الزام کی سماعت

لیکن یہ سچ ہے کہ میں نے جب اول بار سنا کہ مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا گیا تو میں فرطِ غیظ و غضب،، سے ایک حد تک بیتاب ہوگیا تھا "زمیندار،، اسوقت تک دفتر میں موصول نہیں ہوا تھا، میں سفیر صاحب کابل متعینہ پیرس سے ملنے حکومت افغانی کے قنصل خانے گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپسی میں فتحپوری گیا اور "زمیندار" کا پرچہ خرید کر کے لایا۔ اور اس میں یہ تہمت دیکھی، میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے "احقر جہر"کے صاف، بین اور غیر مشتبہ استفسار کے الفاظ پر کافی غور کیا اور سمجھا کہ مقامات مقدسہ کے واقعہ کے محرک ہونے کی مجھ پر تہمت تراشی گئی ہے اسلئے کہ اتفاقاً شاید میرے ہی خانگی خط کے ذریعے سے جو میں نے اپنی لڑکیوں کو لکھا تھا۔ اور جو "ہمدرد" میں شائع کر دیا گیا تھا سب سے پہلے محل پر نجدی حملہ ہونے

اور منیٰ میں گولی چلنے کی تفصیلات ہندوستان پہنچی، البتہ دوسرے دن مجھے محسوس ہو
کہ الزام یہ نہیں ہے۔ مگر اسوقت تک بھی اتنا "غیظ و غضب" ضرور باقی تھا کہ میں
نے پھر غلطی کی اور اس بار یہ سمجھا کہ الزام کی نوعیت یہ ہے کہ منیٰ کے کشت و خون
سے سیر نہ ہو کر میں نے چاہا کہ مصری دستہ اب حکومت حجاز پر دھاوا بول دے
اسی لئے جو سرخی دوسرے اور تیسرے دن دی گئی یہ تھی کہ "مصری فوج کا ایک
دستہ اور حکومت حجاز پر حملہ کی تحریک" اس سرخی سے اس تہمت تراشی کی حماقت
خود ہی ظاہر ہو جاتی، مگر جب خاتمۂ مضمون پر میں نے آخری بار تردید کے
"احقر مہر" کے الفاظ دہرائے تب معلوم ہوا کہ میں نے اس بار بھی غلطی کی تھی الزام
کی نوعیت یہ بھی نہ تھی، بلکہ اسی قدر تھی کہ عزمی پاشا کے ہاتھ ایک پیغام حکومت
مصری کے نام بھیجا گیا تھا۔ اور خود پاشائے موصوف اور ان کے چھوٹے سے فوجی
دستے کو نہیں بلکہ حکومت مصر اور اسکی بڑی فوجی قوت کو حکومت حجاز پر حملہ
کے لئے اُبھارا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اسکے جواب میں کہا کہ "وہ سیاسی معاملات
میں مداخلت کے مجاز نہیں"، چونکہ جسوقت میں نے اپنی دوسری غلطی کو محسوس
کیا۔ اسوقت اس مضمون کی سرخی بھی صفحہ ۲ پر چھپ چکی تھی۔ میں سرخی کی اصلاح سے
قاصر تھا۔ اور کاتب اور عملے کے لوگ "سترھویں شریف" میں شرکت کے لئے
جلدی کر رہے تھے، اور اسوقت بھی کافی دیر ہو چکی تھی، اس لئے میں کوئی مزید
نوٹ بھی اسکے متعلق نہ دے سکا، اور حکیم اجمل خاں صاحب کے ہاں سفیر صاحب
افغانی، جنرل غلام نبی خاں صاحب کی دعوت چائے نوشی میں شرکت کے لئے چلا
گیا اور پروف بھی نہ دیکھ سکا، اور بعد کو افسوس ہوا کہ ایک جگہ "... باغی

"دفعیہ باغیہ" لکھدیا، اور جگہ "دنیا کی خاطر ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں کاٹیں"، کے بدلے "انبیاء کی خاطر"، لکھدیا۔ اور اسکی کسی نے تصحیح نہ کی۔ چونکہ "احقر مہر"، کے استفسار کے الفاظ پر کافی غور نہ کرنیکا الزام صحیح ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اسکا اعتراف کروں اور جس طرح پے درپے غلطیاں ہوئیں اسکو ظاہر کردوں ع

گبرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من

ذاتی حملہ

لیکن نامناسب نہ ہوگا اگر اس "طپیدن"، کی وجہ بھی ظاہر کردوں یہ پہلی بار نہیں کہ "زمیندار" میں مجھ پر ذاتی حملہ کیا گیا ہو۔ ایک بار پہلے بھی شاید "احقر مہر"، کے جھوٹے انکسار کی قلعی کھولتے وقت، اور اس جھوٹے "احترام"، کا پردہ فاش کرتے وقت جس کے متعلق مہر صاحب کا ادعا تھا کہ وہ اور تمام ادارۂ "زمیندار" معہ سالک صاحب کے میرا بڑا احترام فرماتے ہیں، میں نے تحریر کیا تھا کہ دہلی کے نامہ نگار کا خط "زمیندار"، میں چھپ چکا ہے جس میں مجھے دہلی کا ایک آبرو باختہ لیڈر صرف اسی جرم پر کہا گیا تھا کہ میں نے ۱۳۴۳ء کے رمضان میں اپنے والد مرحوم کی برسی کے بہانے سے اہل محلہ کو گھر کے پاس کی مسجد میں اپنے والد مرحوم کی برسی کے بہانے سے اہل محلہ کو گھر کے پاس کی مسجد میں افطار کے لئے بلایا تھا اور محلے کی تنظیم کے متعلق کچھ کوشش کی تھی، پھر اسی "زمیندار"، میں ایک اور نامہ نگار کا خط شایع ہوا تھا جس میں مجھ پر مہاتما گاندھی کو سجدہ کرنے کا الزام بھی لگایا گیا تھا۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کو گواہی میں

پیش کیا گیا تھا کہ گو انہوں نے اسکی شہادت دینے سے انکار کیا تاہم اسکی تردید
بھی نہیں کی۔ پھر اسی زمیندار میں، مولانائے موصوف کا وہ سلسلۂ مضامین بھی
البناء العظیم کی ہیبت ناک سرخی کے ساتھ شایع ہوا جس میں میرے ان دیرینہ
کرم فرمانے ہم دونوں بھائیوں پر خوب فقرے کسے تھے، یہ کوئی ایسی کارروائی نہ
تھی جو قطعی غیر متوقع تھی اس لئے کہ مولانائے موصوف "الہلال" میں بھی ایک
دعوتِ نیم شبی سے خمار آلودہ ہونیکا الزام مجھ پر لگا چکے تھے۔ حالانکہ میں نے اور گناہ
بہت سے کئے مگر شراب کبھی بھولے سے بھی نہ پی تھی۔ اور تحریک خلافت میں ہمارے
ساتھ کام کرنے کے بعد بھی ہم پر نظر عنایت فرما چکے تھے، اور لارڈ ریڈنگ سے
میرے اور ان کے اور بھی گہرے دوست مولانا شوکت علی کے "معافی" مانگ
کر گرفتاری سے بچنے پر مولانا محمد علی (کنٹب) صاحبزادہ مولانا عبد القادر قصوری
کی منزجمانہ مدد سے اظہار رائے کر چکے تھے، جس میں نہایت فیاضی کے ساتھ ہم کو
بزدلی کے الزام سے تو بری فرما دیا تھا، مگر...... اس آخری عنایت کا واقعہ یہ ہے
کہ شاید ۱۱۔ یا ۱۲ مئی ۱۹۲۴ء کو جبکہ مولانائے موصوف دفتر خلافت میں مقیم تھے اور
میں بھی وہاں تھا اور ڈاکٹر محمود بھی تشریف رکھتے تھے۔ علی بہادر خاں صاحب اڈیٹر
خلافت نے مولانا کا ایک مضمون مجھے دکھایا جسکی پہلی قسط روزنامۂ خلافت میں شایع
ہو چکی تھی۔ دوسری قسط سراسر مجھ پر اور شوکت صاحب پر فقرے کسنے کی نذر
کی گئی تھی۔ علی بہادر خان صاحب کو اسکے چھاپنے میں تامل تھا۔ اور انہیں ہونا بھی
چاہیئے تھا۔ اسلئے کہ جمعیت خلافت کے صدر اور نیز دیگر اراکین مجلس عاملہ پر اس
قسم کے فقرے کسنے کے لئے اور جمعیت خلافت کی کم سے کم اکثریت کے مسلک کے

جھگڑے اڑانے کی کوشش کے لئے جمعیت خلافت کا آرگن کچھ زیادہ موزوں نہ تھا
میں نے مضمون کی ایک قسط میں اپنے خط وخال کو اچھی طرح پہچان لیا اور علی بہادر خان
صاحب سے کہدیا کہ میری رائے میں یہ مضمون صاف ہم پر حملہ ہے، لیکن چھاپنا نہ چھاپنا انکے
اختیار میں ہے البتہ اگر یہ چھپا تو میں روزنامہ خلافت میں خود اسکا جواب شائع کراؤں گا
اور صاف گوئی پر مجبور ہونگا۔ اس پر شوکت صاحب سے گفتگو ہونے کے بعد سب کی
یہ رائے ہوئی کہ ڈاکٹر محمود صاحب مولانا ابوالکلام سے گفتگو کریں۔ میں نے بعد میں سنا
کہ مولانا نے استعجاب ظاہر کیا کہ اس مضمون کو ہم نے اپنے اوپر حملہ سمجھا، ان کا ہرگز یہ
ارادہ نہ تھا اور ان کا روئے سخن بالکل ایک مختلف جماعت کی طرف تھا اور وہ کچھ
عبارت بڑھا کر یا بدل کر صاف ظاہر کر دیں گے کہ ان کے اعتراضات ہم پر اور ہمارے
بیانات پر نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا بھی اور وہ ترمیم شدہ قسط روزنامہ
خلافت میں شائع بھی ہوئی۔ مجھے اس سے مطلق اطمینان نہ ہوا۔ کیونکہ خواہ کسی جماعت
پر حملہ کیا گیا ہو۔ اسکی طرف جو خیالات منسوب کئے گئے تھے وہ بعینہ ان الفاظ میں تھے
جو میری اس تقریر کے الفاظ تھے جو علی گڑھ کی جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ ابتدائے مارچ
سنہ ۱۹۲۴ء میں میں نے کی تھی اور غالباً شوکت صاحب کے اس تار کی طرف بھی صاف
اشارہ تھا جسے انہوں نے اسکے بعد کے جمعہ کے خطبے کے متعلق لوگوں کے استفسار پر
اخبارات کو بھجوایا تھا۔ اور جسکو شائع نہ کرانے کے لئے مولانا نے حکیم اجمل خاں صاحب
نے اور نیز مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک عربی طالبعلم کے ہاتھ ایک تاکیدی
خط شوکت صاحب کے پاس میرے توسط سے علی گڑھ بھجوایا تھا۔ اگر اس تار کے
متعلق اشارہ نہ تھا تو یقیناً اس سے پہلے تار کے متعلق تھا جو شوکت صاحب خلیفہ عبدالمجید خاں

کو سوئٹزرلینڈ بھیج چکے تھے۔ اس قسط دوم کی ترمیم کرتے وقت مولانا صاحب نے فرمایا تھا کہ "زمیندار" کو بھی یہ مضمون بھیجا جا چکا ہے، اور جو تار زمیندار کو بھیجا گیا وہ یقین ہے کہ انہی کے ایما سے بھیجا گیا ہوگا۔ چونکہ ظاہر ہے میں اس گفتگو میں شریک نہ تھا۔ میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا البتہ میں نے بعد کو سنا کہ یہ تار پہنچنے سے پہلے ہی "زمیندار" اس قسط کو شایع کر چکا تھا۔ خلافت میں اسکے بعد غالباً کوئی قسط شایع نہیں ہوئی، اور جہانتک مجھے یاد ہے اس کا سبب یہ تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے خود ہی باقی قسطیں بھیجنا بند فرما دیں۔ البتہ مجھے اپنی ہجو کے بعد بھی اُنکی جستجو رہی کہ مولانا ہمارے خیالات کو مسئلہ خلافت کی حقیقت سے ناواقفیت پر محمول فرمائیں تو بسر و چشم قبول۔ (گو خود انکی متعدد تحریروں اور تقریروں کے بعد بھی جن کی اشاعت پر جمعیت خلافت کا ہزار ہا روپیہ بے دریغ صرف کیا گیا تھا۔ اگر ہم جیسے لوگ بھی خلافت کی حقیقت سے ناواقف رہے تو پھر مسٹر لائڈ جارج اور حکومت ہائے برطانیہ و ہند کی ناواقفیت کی کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ یہ مسئلہ ہے ہی کچھ ایسا بے ڈھنگا اور اسکے سمجھانے والے ہیں ہی کچھ ایسے ژولیدہ بیان، لیکن معلوم تو ہو خلافت کی حقیقت کیا ہے۔ اور کس طرح خلافت راشدہ کا ڈانڈا مصطفیٰ کمالی جمہوریت سے ملجاتا ہے۔ میں نے سفر اور حضر دونوں میں بڑی تلاش سے ہر جگہ "زمیندار" کے وہ پرچے حاصل کئے اور پڑھے جن میں "النباء العظیم" کی سرخی سے مولانا ابوالکلام کے مضامین شایع ہوئے۔ مگر افسوس آج تک یہ مسئلہ اسی طرح لاینحل رہا۔ البتہ ظفر علی خاں صاحب قید سے چھوٹے تو انہوں نے بھی وہی راگ الاپا۔ اور امرتسر خلافت کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں جو "پیغام حیات" کے نام سے شایع ہوا تھا۔ اسی

ترکی جمہوریت کو اسلامی جمہوریت اور خلافت بتایا۔ اور ایک دنیا کو آج اور بھی محوِحیرت کر دیا ہے کہ اس مصطفےٰ کمالی جمہوریت کے پہاڑ کو در دِ زہ ، ہونا تو تسلیم کر لیا جائے ، اگر یہ کیونکر مانا جائے کہ ۳ر جنوری ۱۹۲۴ء کو جو حمل انگورہ میں رہا تھا وہ اسطرح وضع ہوا کہ ۸۔ جنوری ۱۹۳۶ء کو اس پہاڑ میں سے ابن سعود کی ملکیت کا چوہا بر آمد ہوا ، کیا یہی وہ البناء العظیم تھی جسکی شان تھی کہ ھم فیہ مختلفون ، اور جس کے متعلق کلکتہ کے شدید القویٰ کے ذریعے لاہور میں وحی نازل ہوئی تھی کہ کلا سیعلمون ثم کلا سیعلمون افسوس کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے علمار کی دستار فضیلت ہی کی دھجیاں اڑا دیں ، ورنہ ہم البناء العظیم کی تعبیر کے طور پر بتا دیتے کہ اس نئی جمہوریت میں جو خلافت راشدہ کے منہاج پر قایم ہوئی ہے ، شیخ الاسلام اور امام الانقرہ کون ہوگا ۔ اس خلاف امید تعبیر خواب کے بعد اور پیشین گوئیاں کرتے ڈر لگتا ہے ، اور یوں بھی حجاز کی سرزمین مطلع ائمہ ومشائخ کی رزمگاہ اور جولانگاہ بنی ہوئی ہے ۔ شیخ عبداللہ بن بلیہد پہلے ہی سے موجود ہیں ، استاد رشید رضا علیحدہ کوشاں ہیں اور بار بار حلت رشید یہ ہوتی رہتی ہے جنکو ہندوستان کی امامت نہ ملے انکو حجاز کی امامت کا ملنا کس طرح یقینی کہا جا سکتا ہے ؟ خصوصاً جبکہ اکبر (واصغر عقلاً) جیسے کہنے والے دنیا میں موجود ہیں کہ یہ سب نفسانیت ہے ، حق امام وقت امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کا ہے ۔

البناء العظیم

میں نے زمیندار میں غیر ترمیم وغیر تصحیح شدہ قسط دوئم البناء العظیم پڑھکر ہی صبر کیا ۔ اور جو ارادہ ظاہر کیا تھا کہ روزنامۂ خلافت میں اگر یہ قسط شایع ہوئی تو ضرور جواب دوں گا ۔ اسکو فسخ کر دیا ۔ کیوں ؟ قلم میرے ہاتھ میں بھی ہے اور میرے مضمون شایع

کرنے کے لئے بھی اخبار موجود تھے، اور کچھ عرصے بعد خود میرا اخبار شایع ہونا شروع ہوگیا مگر میں نے اس لئے صبر کیا کہ اگر میں نے جواب دیا تو مولٰینا ابو الکلام صاحب اور میری بحث میں وقت بہت صرف ہوگا۔ اور ملک و ملّت کا بہت سا کام یونہی پڑا رہ جائیگا یونہی ملک و ملّت کی افکار کے انتشار کے لئے کافی سے زیادہ مادہ فراہم کیا جاچکا ہے جب میں شدھی اور سنگھٹن ہی پر قلم نہیں اُٹھاتا اور اپنے کانگریس اور خلافت کے کام سے کام ہے تو اس پر کیوں قلم اُٹھاؤں؟ یہ تو بازار کی گالی ہے جس نے پیٹھ پھیر کر دیکھا اسی کے لگی جس نے نہ دیکھا اور چلا گیا اسکے کیا لگے گی؟ مولانا ابو الکلام صاحب نے کچھ اس چُپ کی داد دی ہو یا نہ دی ہو مگر "زمیندار" کے حوصلے اس خاموشی سے ضرور بڑھ گئے، افغانستان میں دو قادیانیوں کی سنگساری کے بعد میں نے کمریڈ میں چند مضامین نہ اس واقعہ کے متعلق، بلکہ قتل مرتد کے موضوع پر لکھے "ہمدرد" کے ایک سب ایڈیٹر نے مجھ سے کھرے کھرے میرے خیالات دریافت کرکے اسی موضوع پر چند مضامین لکھے جو میرے نہ تھے اور جن کے لئے صرف میری گفتگو سے مواد فراہم نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے ایک مضمون کے بعض استدلالات کی سوء فہم پر ہی مبنی تھے، بس اللہ دے اور بندہ لے ظفر الملت والدین حضرت ظفر علی خان قبلہ مدظلہ کے قلم سے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر "احقر مہر" کے قلم سے) مجھ پر اس نئے غزنوی نے سترہ حملے کئے گو بعد میں مکر گیا اور کہنے لگا کہ حاشا و کلا تم پر حملہ کرنا مقصود نہ تھا، اور یہ تمہارا "تفریح" نہ تھا جسکی دھجیاں اُڑائی گئی تھیں۔ میں نے اس پر بھی صبر کیا، اور جس طرح الجمعیۃ کے چند مضامین پر جو مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے قلم سے میرے خلاف نکلے تھے، گو اصل

موضوع بحث پر کچھ بھی نہ نکلا) باوجود ارادہ کرنے کے کچھ نہ لکھا اور ان حملوں کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ یہ ساری داستان آج اسلئے دُھرائی جاتی ہے کہ وہ میرے احباب اور بزرگ جو خود حملوں سے مامون اور مصئون ہیں اور جب مجھ پر حملے ہوتے ہیں تو میری تکلیف قلبی کا احساس نہ فرما کے مجھے صبر کی تلقین کیا کرتے ہیں اور وہ بھی کچھ اس انداز سے کہ گویا انہیں یقین ہے کہ ابتدار اگر میری طرف سے نہیں ہوئی ہے تب بھی میں ترکی بہ ترکی جواب دئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اور جس طرح حضرت ایوب صبر کے لئے مشہور تھے اسی طرح بے صبری کے لئے میں مشہور ہوں، جان لیں کہ میں نے ایک بار نہیں، بار بار صبر کیا ہے اور ان لوگوں سے جو جواب کے منتظر تھے کہا ہے

ہے کچھ ایسی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

بے شک اس بار میں "فرطِ غیظ و غضب"، سے ایک حد تک بے تاب ہو گیا تھا، اور میری صحت کی جو حالت ہے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر میں نے "احقر مہرؔ" کے "صاف، بیّن اور غیر مشتبہ استفسار" کے الفاظ پر کافی غور نہیں کیا۔ کیا یہ الزام سنگین تھا یا نہ تھا؟ اگر مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر اُبھارنا کوئی بُری چیز نہیں ہے تب تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں میں اس اتنی سی بات پر بگڑ جانے کی معافی مانگتا ہوں۔ لیکن اگر فی نفسہٖ یہ کوئی بری چیز ہے، اور بہت بُری چیز ہے تو پھر ایک ایسے بے بنیاد الزام پر "فرطِ غیظ و غضب"، تعجب خیز کیوں ہے؟ ایک افکِ مبین اور بہتانِ عظیم حضرت عائشہؓ پر بھی "زمیندار" ہی جیسے لفنگوں نے لگایا تھا اور گو کہ حضرت

عائشہؓ اور کجا یہ عاصی پُر معاصی، مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ جو تہمت میرے خلاف تراشی گئی ہے اسکے لئے اسکے لئے اتنی بھی بنیاد نہیں جتنی حضرت عائشہؓ پر اس تہمت تراشی کے لئے تھی جس کا جواب خود خداوند کریم نے عرش و کرسی سے سورۂ نُور نازل فرما کر دیا۔ پھر اس الزام کو سنکر حضرت عائشہؓ کو حضرت یعقوبؑ کا نام تک یاد نہ رہا۔ اور حضرت یوسفؑ کے والدؑ کے اس مقولے کو دہرانے کے سوا کہ فصبرٌ اجمیل واللہ المستعان، اور رونے اور بیمار پڑنے کے سوا ان سے کچھ نہ ہو سکا۔ عرش و کرسی والا خدا آج بھی حی و قیوم ہے۔ اور گو کسی کے لئے بھی سورۂ نور آج نازل نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ عزیزٌ ذو انتقام ہمارا بدلہ لے سکتا ہے تاہم ضروری معلوم ہوا کہ میں پوری تفصیلات عزمی پاشا سے اپنی ملاقات کی دیدوں۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ نہ حج سے پہلے نہ حج کے دوران میں، نہ اس کے بعد مجھے کبھی مصری جنرل سے اس قسم کی درخواست یا گفتگو کرنیکا موقعہ ملا۔

جھوٹ میں تقلید

لیکن ان نجدی بندوں سے اتنا اور کہنا ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو تب بھی کورانہ تقلید سے احتراز نہیں کرتے اور یوں غیر مقلد کہلاتے ہو، کیا تم بھول گئے کہ یہی الزام ہم پر شریف حسین اور امیر علی کے گرگوں نے لگایا تھا۔ مشیر حسین قدوائی صاحب آج بھی زندہ ہیں۔ کل تو انہیں اندیشہ رہا ہوگا کہ نجدی اور غیر مقلد گروہ کے ہم حامی ہیں اس لئے ان کے ذریعے سے اس رشوت کا پتہ نہ چل سکیگا۔ لیکن آج تو یہ جماعت ہمارے خون کی پیاسی ہے۔ پھر آج اس سے کیوں نہیں پوچھ لیا جاتا کہ کتنی رشوتیں ہمیں دی گئی تھیں اور کب کب؟

اور کہاں کہاں ؟ حقیقت یہہ ہے کہ ہم کل جہاں تھے وہیں آج ہیں۔ اور کل جو حق وانصاف کی حمیت ہمیں شریف حسین اور امیر علی کے خلاف اور سلطان ابنِ سعود کی حمایت میں دوڑا رہی تھی۔ وہی آج سلطان ابن سعود کی ملکیت حجاز اور توہین قبور و مآثر کے خلاف دوڑا رہی ہے، ہم پہلے بھی حق کے ساتھ تھے اور آج بھی حق کے ساتھ ہیں۔ رہے یہہ سلطان ابن سعود کے حمایتی یا شریف حسین کے حمایتی اور سلطان ابن سعود کے دشمن نہ یہہ پہلے حق کے ساتھ تھے نہ آج حق کے ساتھ ہیں۔ پہلے بھی یہ کسی نہ کسی فریق کے حمایتی تھے، اور دوسروں کے دشمن، اور آج بھی یہہ کسی نہ کسی فریق کے حمایتی ہیں اور دوسروں کے دشمن، نہ انہیں حق سے واسطہ، نہ باطل سے سروکار۔ جب کسی شخص پر کوئی جرم ثابت کرنا ہوتا ہے تو عدالت کو بتانا ہوتا ہے کہ کونسی چیز اس جرم کی محرک ہوئی، افلاس، یا دشمنی، یا کوئی ایسی ہی چیز، وہ کونسی چیز تھی جس نے ہمیں خدام الحرمین اور حزب الاحناف کی مخالفت سے بے خوف رکھا۔ اور بلا خوف لومۃ ولائم ہم نے انکی غلط بیانیوں کا مقابلہ کیا؟ اگر ہم مذہبی تعصب کا شکار ہوتے تو کیوں وہی نہ کرتے جو بعض اور احناف نے کیا۔ اگر ہم کو کچھ رشوت ملی ہوتی تو آج بھی سلطان ابن سعود کے ساتھ ہم کیوں نہیں؟ کیا وہ خزانہ جس سے بہت سے حاجی مالا مال ہوئے ہیں، اور اوروں کو بھی مالا مال کر رہے ہیں خالی ہو گیا؟ سلطان نے اصرار کر کے ہمیں عبائیں عطا فرمائیں اور گھوڑوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا حالانکہ ہم نہ اُن عباؤں کو استعمال کر رہے ہیں نہ اُن گھوڑوں کو لینا چاہتے ہیں۔ ہم آج بھی اسی مسلک پر قائم ہیں جو ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سب کا مسلک تھا اور جس کے خلاف (سوائے زمیندار

میں شایع شدہ ایک حیدر آبادی کے چند مضامین کے جو غالباً نومبر ۱۹۲۵ء سے پہلے شایع نہیں ہوئے) اسوقت سے جنوری ۱۹۲۶ء تک ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی اب ہم کو خدا و رسول کا واسطہ نہ دو کہ قوم میں تفریق و انتشار نہ پھیلاؤ، بلکہ اُن سے کہو جنکے سارے خیالات اور سارے معاملات ع

ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر است

کے پرانے دنیاداری کے اصول کے مطابق ۸۔ جنوری ۱۹۲۶ء کے بعد سے بدل گئے جاؤ ان کو اپنے اتفاق و اتحاد کے وعظ سناؤ، وہ ضرور ان کے محتاج ہیں ہم سے زیادہ تم بھی اتفاق و اتحاد کی ضرورت کو نہیں جانتے۔ مگر یہ طریقہ کہ ہر باغی سے صلح کر لی جائے اور اسکے آگے ہتھیار ڈالدیئے جائیں بغاوت و انتشار کی ترغیب و تحریص ہے نہ کہ اتفاق و اتحاد کی۔ رہے یہ تہمت تراشنے والے، ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ میں خود بھی سعد پاشا زاغلول کو جانتا ہوں ان کے "وفد" کے دست و بازو جوان سے علیحدہ ہوگئے تھے آج پھر وزارت کے رکن اور وزیر مواصلات ہیں۔ محمد پاشا محمود، ہبرے اکسفورڈ کے ساتھ کے پڑھے ہوئے دوست ہیں ان کے علاوہ بھی مصر میں بہت سے با اثر لوگوں کو میں جانتا ہوں، اور خود ملک فواد کے خاندان کے لوگوں سے بھی واقف ہوں۔ اگر حجاز پر مصری فوج سے حملہ کرانا مقصود ہوتا تو عزمی پاشا جیسے اجنبی فوجی افسر سے "سیاسی معاملات میں مداخلت"، کو نہ کہتا بلکہ اُن سے کہتا جو ایسے معاملات میں مداخلت کے مجاز ہیں۔ مگر یہ سب میاں آتھر کی سیاسی ناتجربہ کاری کا نتیجہ ہے،

ہم جب نجدیوں پر حملہ کرائیں گے تو اسکی شکل یہ نہ ہوگی۔ ہمارا ایک حربہ

ہے اور وہ موتمر اسلام ہے۔ خدام الحرمین کے بعض ننھے نادان اراکین اس پر ہنستے ہیں اور بعض مجانین جنہوں نے سب جمعیتوں کی تخریب کی کوشش کی مگر ایک بھی تعمیر نہ کی۔ ان کو اتنا صبر کا یارا کہاں کہ عالم اسلام کو ایک مسلک پر متحد کرنے کی کوشش کریں، التوائے حج کا اعلان ہی ان کا سارا کارنامہ ہے۔ اگر التوائے حج کے بغیر کام نہ چل سکیگا، تو التوائے حج کے ذریعے سے۔ اور اگر قتال کے بغیر کام نہ چل سکے گا تو فئتہ باغیہ کے ساتھ قتال کر کے، غرض ہر جائز اور شرعی طریقے پر ہم انشاء اللہ تعالے ملکیت کی بدعت کا استیصال کریں گے اور مشترکہ حرمین شریفین میں وہی حجازی جمہوری حکومت قایم کرائیں گے جو عالم اسلام کے حقوق کا پاس کرے مگر سب سے پہلے ضرورت اسکی ہے کہ ایک بار عالم اسلام متحد و متفق ہو کر سلطان ابن سعود اور نجدیوں کو اصلاح اور صحیح تشکیل حکومت کی دعوت دے۔ اگر وہ رد کر دیں تب وہ کیا جائے جو شریعت کا حکم ہے۔ چاہے کوئی ان کا حمایتی فرقہ اس پر راضی نہ ہو، اور چاہے کچھ مولوی تسبیحیں پڑھنے ہی پر اکتفا کرنیکا فتوے دیا کریں۔ جب جمعیت خلافت کا نظام ہندوستان میں قایم ہوا تھا تو ہم نے چھوٹے چھوٹے فرقوں اور اکا دکا مولویوں کے بھروسہ پر اس کام کو شروع نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمارا بھروسہ اسی پر تھا جس پر رسول خدا کو بھروسہ کرنیکا حکم تھا۔ فان حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین (تیرے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جو تیری پیروی کریں۔

عالم اسلام کی موتمر

(ہمدرد - ۱۱- ۱۲- ۱۳ مئی ۱۹۲۶ سنہ عیسوی)

(پہلی موتمر کے بعد، سلطان ابن سعود نے دوسری موتمر نہیں کی۔ لیکن محمد علی موتمر اسلامی کے زبردست حامی تھے، وہ چاہتے تھے، یہ موتمر اگر مکہ میں نہیں تو ممالک اسلامیہ میں سے کہیں بہر حال ہر سال منعقد ہوتی رہے، تاکہ عالم اسلام کے بہترین دل و دماغ، عالم اسلام کے حالات و واقعات، معاملات و مسائل پر غور کریں اور ایک متفقہ راہ عمل تجویز کریں۔

ذیل کے مضامین اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ مؤلف)

ہم لوگ جو مؤتمر عالم اسلام میں مندوبین جمعیت خلافت کی حیثیت سے مرکزی کمیٹی کے جلسہ میں منتخب ہو کر گئے تھے، ۱۸- اگست ۱۹۲۶ء کو حجاز سے واپس آئے اور کراچی میں اُترے، جو کچھ وہاں دیکھا تھا۔ جو کچھ وہاں سنا تھا، جو کچھ وہاں کہا تھا۔ جو کچھ وہاں ہوا تھا۔ جو کچھ وہاں کیا تھا، اور جو کچھ وہاں کرنا اور مسلمانان ہندوستان سے کرانا چاہتے تھے وہ سب کراچی ہی میں پوری طرح عرض کر دیا۔

۲۲- اگست کو دہلی پہنچے۔ یہاں بھی کوئی بات چھپا نہ رکھی، ہر چیز صاف صاف بیان کر دی۔ ہم میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس لئے تمام اور وفود کی طرح جنہیں مسلمانان ہند یا جمعیت خلافت نے کہیں بھیجا تھا ہمیں بھی خاموش رہنے کی کوئی ضرورت نہ پڑی تھی، اور ہماری وہ حالت نہ تھی جو ظفر علی خاں صاحب کی غداری کے باعث ان کے وفد کی ہو گئی تھی، کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب اور مولانا مفتی کفایت اللہ اور دیگر اراکین مجلس عاملہ کو جو دہلی میں موجود تھے ظفر علی خاں صاحب سے کہنا ہی پڑا تھا کہ جبتک آپ کے وفد کی رپورٹ یا رپورٹیں مجلس عاملہ کے پاس نہ آجائیں اور ان پر غور کر کے کسی چیز کے شایع کرنیکا فیصلہ نہ کیا جائے اراکین وفد وغیرہ کچھ شایع نہ کریں۔ (جس کا "زمیندار" نے پھر بھی لحاظ نہ فرمایا اور مہر صاحب کے "مکاتیب" کے ذریعے سے سعودی پروپگنڈا برابر ہوتا رہا) ہم سب اراکین وفد چاہتے تھے کہ اسوقت تک دہلی سے نہ جائیں۔ جبتک اپنی رپورٹ تیار نہ کرلیں، مگر مولانا سید سلیمان ندوی کو گھر جانے کی جلدی تھی اس لئے ہم سب منتشر ہو گئے۔ اور رپورٹ ۲۳ ستمبر سے پیشتر تیار ہو کر مرکزی کمیٹی کے روبرو پیش نہ ہو سکی۔ کاش سید صاحب حج سے واپسی پر ایک ہفتہ اور دہلی میں قیام فرما لیتے تو رپورٹ اگست ہی میں نہیں تو ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ضرور تیار ہو جاتی۔ اور اس پر غور کرنے اور مرکزی کمیٹی کا آخری فیصلہ حاصل کرنے کے لئے دو ہفتہ اور کافی ہوتے۔ موتمرہ جولائی کو ختم ہوئی تھی اور اسکے لجنة تنفذیة یا مجلس عاملہ، یا اگزیکٹو کمیٹی کے لئے ترکی مصر فلسطین، حجاز، نجد اور ہندوستان ہر ایک "قطر"، یا ملک سے ایک

عالم اسلام کی موتمر

(ہمدرد - ۱۱- ۱۲- ۱۳ مئی ۱۹۲۷ سنہ عیسوی)

(پہلی موتمر کے بعد، سلطان ابن سعود نے دوسری موتمر نہیں کی۔ لیکن محمد علی موتمر اسلامی کے زبردست حامی تھے، وہ چاہتے تھے، یہ موتمر اگر مکہ میں نہیں تو ممالک اسلامیہ میں سے کہیں بہر حال ہر سال منعقد ہوتی رہے، تاکہ عالم اسلام کے بہترین دل و دماغ، عالم اسلام کے حالات و واقعات، معاملات و مسائل پر غور کریں اور ایک متفقہ راہ عمل تجویز کریں۔

ذیل کے مضامین اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ مؤلف)

ہم لوگ جو مؤتمر عالم اسلام میں مندوبین جمعیت خلافت کی حیثیت سے مرکزی کمیٹی کے جلسہ میں منتخب ہو کر گئے تھے، ۱۸۔ اگست ۱۹۲۶ء کو حجاز سے واپس آئے اور کراچی میں اُترے، جو کچھ وہاں دیکھا تھا۔ جو کچھ وہاں سنا تھا، جو کچھ وہاں کہا تھا۔ جو کچھ وہاں ہوا تھا۔ جو کچھ وہاں کیا تھا، اور جو کچھ وہاں کرنا اور مسلمانان ہندوستان سے کرانا چاہتے تھے وہ سب کراچی ہی میں پوری طرح عرض کر دیا۔

۲۲- اگست کو دہلی پہنچے - یہاں بھی کوئی بات چھپا نہ رکھی، ہر چیز صاف صاف بیان کردی - ہم میں کوئی اختلاف نہ تھا - اس لئے تمام اور وفود کی طرح جنہیں مسلمانانِ ہند یا جمعیت خلافت نے کہیں بھیجا تھا ہمیں بھی خاموش رہنے کی کوئی ضرورت نہ پڑی تھی، اور ہماری وہ حالت نہ تھی جو ظفر علی خاں صاحب کی غدّاری کے باعث ان کے وفد کی ہوگئی تھی، کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب اور مولانا مفتی کفایت اللہ اور دیگر اراکین مجلس عاملہ کو جو دہلی میں موجود تھے ظفر علی خاں صاحب سے کہنا ہی پڑا تھا کہ جبتک آپ کے وفد کی رپورٹ یا رپورٹیں مجلس عاملہ کے پاس نہ آجائیں اور ان پر غور کر کے کسی چیز کے شایع کرنیکا فیصلہ نہ کیا جائے اراکین وفد وغیرہ کچھ شایع نہ کریں - (جس کا "زمیندار" نے پھر بھی لحاظ نہ فرمایا اور مہر صاحب کے "مکاتیب" کے ذریعے سے سعودی پروپگنڈا برابر ہوتا رہا) ہم سب اراکین وفد چاہتے تھے کہ اسوقت تک دہلی سے نہ جائیں - جبتک اپنی رپورٹ تیار نہ کرلیں، مگر مولانا سید سلیمان ندوی کو گھر جانے کی جلدی تھی اس لئے ہم سب منتشر ہو گئے - اور رپورٹ ۲۳ ستمبر سے پیشتر تیار ہو کر مرکزی کمیٹی کے روبرو پیش نہ ہوسکی - کاش سید صاحب حج سے واپسی پر ایک ہفتہ اور دہلی میں قیام فرما لیتے تو رپورٹ اگست ہی میں نہیں تو ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ضرور تیار ہو جاتی - اور اس پر غور کرنے اور مرکزی کمیٹی کا آخری فیصلہ حاصل کرنے کے لئے دو ہفتہ اور کافی ہوتے - موتمرہ جولائی کو ختم ہوئی تھی اور اسکے لجنة تنفذیة یا مجلس عاملہ، یا اگزیکٹو کمیٹی کے لئے ترکی، مصر فلسطین، حجاز، نجد اور ہندوستان ہر ایک "قطر" یا ملک سے ایک

ایک نمایندہ بھیجنے کے لئے تین ماہ کی مدت مقرر کی گئی تھی۔ مرکزی کمیٹی کا جلسہ اگر اب آخر ستمبر میں بھی منعقد ہو کر وفد کی رپورٹ پر آخری فیصلہ صادر کر دیتا، ہندوستان کی شاخ مؤتمر اسی وقت قائم ہو جاتی، اس کا نمائندہ "لجنہ تنفیذیہ" کے لئے منتخب ہو جاتا تو ساری کارروائی ۵ راکتوبر تک یعنی تین ماہ کی مدت مقررہ کے اندر ختم ہو جاتی۔ مگر ہوا کیا؟ مرکزی کمیٹی کا جلسہ اواخر ستمبر میں تو منعقد ہوا، مگر بہت سا وقت داؤد غزنوی صاحب کے سوالات سننے اور ان کے جوابات دینے اور رپورٹ کے دو ضمنی امور پر لاطائل بحثیں کرنے میں صرف کر دیا گیا۔ اور حاضرین جلسہ نے رپورٹ پر آخری فیصلہ صادر کرنے، مؤتمر کی شاخ قایم کرنے اور اسکی لجنہ کے لئے نمائندہ منتخب کرنے سے پہلے ہی جلسہ کو ختم کر دیا۔ اور رپورٹ کے شایع کرنے اور اواخر اکتوبر میں مرکزی کمیٹی کا جلسہ اور نیز مؤتمر کی شاخ ہند کے قیام کے لئے عام جلسہ منعقد کرنے کا حکم دیا۔ خیر یہ بھی غنیمت تھا۔ اوائل اکتوبر میں نہ سہی اواخر اکتوبر تک یہ کل کارروائی ختم ہو جاتی۔ مگر جب اواخر اکتوبر میں جلسہ منعقد ہونیوالا تھا تو پنجابی ٹولی نے جو مؤتمر سے کہیں زیادہ پنجاب کی کونسل میں اپنے چھ سات اراکین کو منتخب کرانے میں منہمک تھی جلسہ کو ملتوی کرانا چاہا۔ اور چونکہ جلسہ کا وقت دفتر نے نہیں بلکہ خود مرکزی کمیٹی نے متعین کیا تھا۔ دفتر نے انکار کیا تو مولانا ابوالکلام آزاد کا فرمان واجب الاذعان ارسال کرا کے بغلیں بجائی گئیں۔

ان کے ارشاد کے مطابق (حالانکہ وہ مرکزی کمیٹی کے جلسے کے صریحاً

خلاف تھا، جلسہ ۳ دسمبر کو لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ مگر وہ تشریف نہ لائے البتہ، تار ارسال فرما دیا کہ ٹرین چھوٹ گئی، اور جب جلسہ ملتوی کر کے دوسری ٹرین کے وقت کے حساب سے جلسہ کا وقت رکھا گیا۔ اور دوبارہ اسٹیشن پر ان کا استقبال کرنے کے لئے لوگ حاضر ہوئے تو وہ تو نظر نہ آئے البتہ انکی جگہ چھ سات نئے حضرات کی صورتیں نظر پڑیں جو اس سے قبل کبھی مرکزی کمیٹی کے جلسوں یا خلافت کانفرنسوں میں بھی تشریف نہ لائے تھے۔ مگر اس بار تشریف لاکر، پنجابی ٹولی کے ساتھ ووٹ دینے اور انہیں کے ساتھ جلسہ چھوڑ کر چلے جانے میں شریک ہوئے۔ ۵ر دسمبر تک مرکزی کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ مگر عین اسوقت جبکہ وفد کی رپورٹ منظور کی جا رہی تھی مولانا عبد القادر قصوری کو جو بحیثیت نائب صدر، صدارت فرما رہے تھے اسقدر غصہ آیا کہ جلسہ چھوڑ کر چل دیئے۔ اور ساری پنجابی ٹولی اور مولانا ابو الکلام آزاد کا فرستادہ "جگالی ٹولہ" بھی فوراً چلا گیا۔ اور جب جلسہ مولانا عبد الماجد دریابادی جیسے صلح کل اور با ایمان مسلمان کی صدارت میں پھر منعقد ہوا، اور ان حضرات کو جو اسی مکان میں موجود تھے شرکت کی دعوت دی گئی تو مولانا عبد القادر قصوری نے ایک تحریر ارسال فرمائی کہ یہ جلسہ خلاف قاعدہ ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا، کہ میں ایسے جلسہ میں صدارت نہیں کر سکتا۔ آپ جسے چاہیں صدر بنائیں اور جب چاہیں بند کریں۔ بلکہ اس جلسہ کو برخاست کر دیا تھا۔ اور دفتر کو ہدایت کی تھی کہ جب ہے ایک نئے جلسے کے انعقاد کا نوٹس دیکر دوسرا جلسہ منعقد کرائے۔ اس جھوٹی شہادت کے خلاف باقی حاضرین جلسہ نے تحریری شہادت دی اور ملتوی شدہ جلسہ پھر منعقد ہوا جس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید

صاحب بھی شریک ہوئے۔ کورم سے زیادہ یعنی ۵۷-۵۸ حضرات موجود تھے چنانچہ
تمام ضروری کارروائی کر کے جلسہ چند گھنٹے بعد برخاست ہوا۔ اسی دن موتمر
کی شاخ ہند کے قیام کے لئے بھی جلسہ منعقد ہونیوالا تھا۔ سارے ہندوستان
کو اسکی اطلاع تھی، پنجابی ٹولی، اور بنگالی ٹولہ، دونوں اسکے انعقاد کے وقت
لکھنؤ میں وہاں کی خلافت کمیٹی کے مہمان کی حیثیت سے اسی کے مہیا کئے ہوئے
مکان میں موجود تھے۔ مگر ان ۲۱-یا ۲۲ حضرات میں سے ایک شریک جلسہ ہوا
گو ان کے ہم عقیدہ ظفر الملک صاحب جو اسی جلسے کا اہتمام فرما رہے تھے اس
میں شریک ہوئے، اور موتمر کی شاخ ہند کے رکن بنے۔ جہانتک میرا خیال ہے
مولانا سید سلیمان ندوی بھی شریک جلسہ تھے، اور وہ بھی غالباً موتمر کی شاخ ہند
کے رکن بنے۔

پنجابی ٹولی کی یہ چال کوئی نئی چال نہ تھی۔ جب ظفر علی خان صاحب
اپنی غدّاری کے بعد فروری ۱۹۲۶ء میں حجاز سے واپس تشریف لائے تو باوجود
اسی مسیح الملک کی درخواست کے جسکے ساتھ یہ جماعت اسقدر اظہار عقیدت
کرتی رہتی ہے، اور جسکو ہم سے توڑنے کی تمام سعودی صبح و شام کوشش ناکام
کرتے رہتے ہیں، ظفر علی خان صاحب رات بھر بھی دہلی نہ ٹھہرے، اور ان سے
ملکر انہیں اپنی غدّاری کی داستان نہ سنا سکے، نہ اسکے بارے میں کوئی عذر
و معذرت کر سکے، دوبارہ بلانے پر تشریف لائے، اور وعدہ کر گئے کہ
اس قضیۂ نامرضیہ کے متعلق "زمیندار" میں کچھ نہ درج ہوگا۔ مگر پھر بھی
"مکاتیب مہر" کے ذریعے سے سعودی پروپگنڈا ہوتا رہا۔ جب جناب

مولانا ابوالکلام آزاد رنگون سے واپس تشریف لے آئے اور مجلس عاملہ اور مرکزی کمیٹی کا جلسہ ۸۔ مارچ کو منعقد ہوا تو مجلس عاملہ کے پہلے جلسہ میں جو میرے صاحب فراش ہونے کے باعث میرے ہی غریب خانے پر جناب صدر نے منعقد فرمایا تھا، ظفر علی خاں صاحب نے آنے سے انکار فرمایا۔ جب یہ مجھے معلوم ہوا تو میں نے عرض کیا کہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا مکان قریب ہے سب اسی وقت چلے چلیں، میں بھی کسی نہ کسی طرح چلا چلوں گا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ۹ مارچ کو حکیم صاحب کے دولتکدہ پر جلسہ کیا جائے۔ چنانچہ افتاں وخیزاں میں بھی پہنچ ہی گیا۔ گو بسا اوقات لیٹ کر ہی تقریر کر سکا (یہ تفصیل میں نے اس لئے دی ہے کہ جو عذرات بھی اسوقت "زمیندار" کے مالک اور اب اسکے اڈیٹر کو میرے غریب خانے پر تشریف لانے کے تھے وہ سب کے سب چالیس دن میں "عنت ربود"، ہو گئے۔ اور ۱۹۔ ۲۰۔ اور ۲۱۔ اپریل کو مرکزی خلافت کمیٹی کا جلسہ میرے ہی غریب خانے پر منعقد ہوا۔ لیکن ظفر علی خان صاحب کو اپنا نام مؤتمر کے لئے مندوبین کے انتخاب کے واسطے پیش کرانا تھا۔ بھلا اب کس طرح شرکت نہ فرماتے، تشریف لاتے رہے، اور اس گنہگار سے بھی مزے مزے کی باتیں کرتے رہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی چیز تھی اب سنیئے) مجلس عاملہ نے شعیب صاحب قریشی اور مولانا محمد عرفان کی رپورٹ بھی سنی اور ظفر علی خان صاحب کی رپورٹ بھی سنی۔ اور باوجود مولانا عبد القادر قصوری کی وکیلانہ حمایت کے مجلسِ عاملہ نے سلطان ابن سعود کی ملکیت کے خلاف ہی فیصلہ کیا اور گو ظفر علی خاں صاحب نے ووٹ دیتے وقت بھی سلطان کی ملکیت ہی

کی تائید فرمائی، مگر اب ان کے کارفرما، مولانائے قصوری نے بھی ان کا ساتھ دینے کی ہمت نہ فرمائی، اور گیارہ حاضرین جلسہ میں سے دس کی موافقت اور صرف ظفر علی خاں صاحب کی مخالفت سے ۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء ہی کے فیصلے پر صاد کی گئی۔ اس بحث نے سارا دن لے لیا۔ حالانکہ ظفر علی خاں صاحب کی مخالفت سے ۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء ہی کے فیصلے پر صاد کی گئی۔ اس بحث نے سارا دن لے لیا۔ حالانکہ ظفر علی خاں صاحب ۸۔ مارچ کو میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہوتے تو ۹ مارچ کا دن صرف مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسہ کے لئے خالی رہتا۔ لیکن اب پنجابی ٹولہ نے صاحب صدر کو جو حکیم صاحب کے دولتکدہ کے اوپر کے حصہ میں اجلاس کی صدارت فرمارہے تھے اسی مکان کے نیچے کے حصے سے، جہاں وہ مرکزی کمیٹی کے جلسہ کے لئے آئے ہوئے تھے، بار بار نوٹس بھیجنے شروع کئے کہ اگر فلاں وقت تک آپ نیچے آکر مرکزی کمیٹی کا جلسہ نہیں کرتے تو ہم کسی اور کو صدر بنا کر جلسہ شروع کر دیں گے اور حجاز کی حکومت کے مسئلہ کے متعلق جسکے طے کرنے کے لئے ہم آئے ہیں آخری فیصلہ صادر کر دیں گے۔ بالآخر جنابِ صدر نے مغرب تک اور مہلت مانگی اور اس مہلت کے اندر مجلس عاملہ نے ظفر علی خان صاحب اور درحقیقت "پنجابی ٹولہ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جو ہی اسکی خبر نیچے پہنچی اس "ٹولی" کا جوش وخروش رخصت ہو گیا۔ شب کو مرکزی کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ تو بجائے اس اہم ترین مسئلہ پر بحث کرنے کے جسے طے کرنیکا جناب صدر کو دن میں نوٹس دیا جا چکا تھا۔ "پنجابی ٹولی" نے چند دوسرے مسائل پر بحث کئے جانے کو پسند فرمایا۔ اور اس پر اصرار کیا۔ داخلۂ کونسل کے مسئلہ پر جب فیصلہ جناب صدر

کی رائے کے موافق اور "پنجابی ٹولی" کی رائے کے خلاف ہوا تو اس "ٹولی" نے کیا کیا؟ سب کے سب (سوائے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے) جلسہ کو چھوڑ کر چل دئے۔ یاد رکھئے کہ صدر نہ محمد علی تھا نہ شوکت صاحب تھے، بلکہ وہی مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ جن پر اس "ٹولی" کو بجا طور پر پورا پورا اعتماد ہے لیکن سب کے سب جلسہ سے نکل بھاگے، یہ کس لئے؟ یہ اس لئے کہ سلطان کی ملکیت کے خلاف جب مرکزی کمیٹی فیصلہ کرے تو یہ قسم کھا سکیں کہ اس فیصلہ کے صادر کرنے والے سارے جمعیت خلافت کے نمائندے نہ تھے۔ پنجاب والے شریک جلسہ نہ تھے یہ فیصلہ صرف ایک غیر نمائندہ جماعت کا فیصلہ ہے، اگر یہ جماعت اسقدر غیرت دار جماعت تھی کہ جب ۱۹ اپریل کو مرکزی کمیٹی کا پھر جلسہ ہوا۔ پھر وہی تیرہ چودہ "ٹولی" والے شریک جلسہ ہوئے۔ جناب صدر نے اپنا سارا زور اسکی موافقت میں صرف فرمایا نہ کہ علی برادران اور شعیب صاحب جمعیت خلافت کے اُن مندوبین کی حیثیت سے منتخب نہ کئے جائیں جنہیں مؤتمر عالم اسلام میں شرکت کے لئے بھیجنا تجویز ہوا تھا مگر باوجود "پنجابی ٹولی" کی مخالفت کے نہ صرف ہم دونوں بھائی بڑی کثرت رائے سے منتخب ہوئے۔ بلکہ شعیب صاحب کو بھی مولانا عبد القادر قصوری سے زیادہ ووٹ ملے اور ظفر علی خان صاحب کی "نمائندگی" کی وقعت ان ۹ ووٹوں سے عالم آشکارا ہوگئی جو انکو حاصل ہوئے۔ اسکے بعد کیا ہوا؟ کیا اس ٹولی نے قبول فرمایا کہ جمعیت خلافت کے نمائندے ہم اراکین وفد تھے۔ اور اسکے کارفرما مولانا عبد القادر قصوری ظفر علی خاں صاحب اور مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی، مولانا ابوالکلام آزاد کے دست و بازو اسکے صحیح نمائندے نہ تھے؟ ہرگز نہیں! اس جماعت کے نزدیک،

نمایندگی اسی کو کہتے ہیں جسے اور انسان حمایت سلطان ابن سعود کہتے ہیں، اس دن سے آجتک "زمیندار سابق" و "زمیندار حال" علی برادران اور شعیب صاحب کے خلاف سب کچھ شایع کر رہے ہیں۔ اور جب مولانا سید سلیمان ندوی ذرا بھی سلطان ابن سعود کی حمایت سے گریز فرماتے ہیں تو اُن سے "علامہ" کا خطاب چھین لیتے ہیں، اور جب وہ اپنے عقائد کی بنا پر تذبذب کا اظہار فرماتے ہیں تو ان کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں (وفد کی رپورٹ کے متعلق مولانا نے جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ دنیا کے سامنے ہے اور اسکے متعلق میں اب کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ حق کی حمایت نے مجبور کر کے جو کچھ میری قلم سے نکلوایا کاش میں اسے بھی شایع کرنے کے لئے مجبور نہ ہوتا۔ میں نے ابتک یہ بھی شایع نہیں کیا کہ جب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ان کے عجیب و غریب "نوٹ" کے متعلق تحریک پیش فرما کر انکو مخمصہ سے نجات دلانی چاہی تو صرف انہی کے خیال سے میں نے مفتی صاحب کی تحریک کے موافق ووٹ دیا، بلکہ یہ احسان بھی سید صاحب ہی پر تھا۔ سید صاحب شاید اب بھی یقین فرمائینگے کہ اس مسئلے کے متعلق ان کے طرز عمل نے جو اثر میرے قلب پر کیا ہے، وہ میری زندگی کے تلخ ترین تجربات میں سے ہے، اور میں ہمیشہ ان خوشگوار تعلقات کو بار بار یاد کر کے جو ایک مدت سے میرے اور ان کے درمیان قائم تھے اس ناگوار تجربہ کو اپنے حافظہ سے محو کرنا چاہتا ہوں) آج بھی "زمیندار سابق" اور "انقلاب حال" مولانا سے اسکی اُمید رکھتا تھا کہ وہ مؤتمر کی شاخ ہند کی "نمائندگی" کے خلاف فیصلہ صادر فرمادیں گے، اور اسکے کارفرما مولانا عبدالقادر قصوری اور ان کی طرح جو حامیان سلطان ابن سعود امسال حج کو تشریف لے گئے ہیں ان کو مؤتمر کے مندوبین کی

نعم البدل بنانا چاہتا ہے اور "زمیندارِ حال" تو ان کا نام بھی لیتا ہے اور انہیں بحیثیت صوبہ پنجاب کی خلافت کمیٹی کے صدر کے "نامزد" بھی فرما رہا ہے، اور ان کے علاوہ جناب مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب، ڈاکٹر انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کا "انتخاب" بھی فرما رہا ہے، اور اس نمایندگی کے لئے حجاز کی رائے عامہ کے دل و دیدہ کو فرش راہ بنا رہا ہے! یہ ہے پنجابی ٹولی کا اصول نمایندگی!

اواخر اکتوبر ۱۹۲۶ء کا جلسہ اسی ٹولی نے انہیں مولانا ابوالکلام آزاد، کا فرمانِ واجب الاذعان، شوکت صاحب کے نام تار سے جاری کرا کے ۳ دسمبر تک ملتوی کرایا۔ جو خود اس میں شریک بھی نہ ہوئے۔ لیکن جب پنجابی ٹولی کو ان کے فرستادہ بنگالی ٹولہ کے چھ سات ووٹوں سے بھی کثرت رائے حاصل نہ ہو سکی تو عین اسوقت جبکہ ہماری کثرت رائے ہماری رپورٹ کو منظور کر رہی تھی، یہ ٹولی اور یہ ٹولہ لکھنؤ کے ۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کے جلسے سے اسی طرح فرار ہو گئے جس طرح یہ ٹولی دہلی کے ۹ مارچ ۱۹۲۶ء کے جلسہ سے فرار ہوئی تھی، کیا اس تاریخ کے پڑھ لینے کے بعد بھی کسیکو اس ٹولی کے ان اعتراضات پر ذرا بھی اعتماد ہو سکتا ہے جو یہ موتمر کی شاخ ہند کی نمایندگی کے خلاف گھڑ رہی ہے؟

مگر ابھی یہ سلسلۂ فرار ختم نہیں ہوا۔ اسی ٹولی اور اسی ٹولہ نے مرکزی کمیٹی کا ایک جلسہ خاص مولانا ابوالکلام آزاد سے طلب فرمایا، جو ان کی یا ان کے کارکنوں کی غفلت سے ۲۵ فروری سے قبل منعقد نہ ہو سکا۔ لیکن جب وہ جلسہ منعقد ہوا تو نہ بنگالی ٹولہ تشریف لایا نہ پنجابی ٹولی، البتہ غازی عبدالرحمٰن صاحب اس ٹولی کے

کے سکریٹری صاحب نے ایک غزوہ شوکت صاحب اور شعیب صاحب کیخلاف زمیندار سابق کے میدان کارزار میں شروع فرمایا۔ جواب بھی زمیندار سابق وحال میں جاری ہے اور جس میں ان دونوں خادمان ملک وملت پر غبن کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ اور جس کا خاتمہ شاید اس طرح ہو کہ وہ نہیں تو سلطان ابن سعود کے ان سے زیادہ سرگرم حامی اسمٰعیل صاحب غزنوی بمبئی ہائی کورٹ میں شوکت صاحب کے صاحبزادے زاہد علی صاحب کے مفروضہ غبن کو ثابت کرنے یا اس بے ایمانی کے ساتھ تہمت تراشی پر معافی مانگنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔

اسی جلسہ کے بعد موتمر کی شاخ ہند کا سالانہ جلسہ تھا جس میں موتمر کے لئے مندوبین کا انتخاب ہوا۔ لیکن زمیندار سابق وحال دونوں کے نزدیک نمایندگی صحیح نہ تھی۔ کیوں یہ صرف اس لئے کہ نہ پنجابی ٹولی شریک ہوئی اور بنگالی ٹولہ۔ خدارا بتاؤ کہ یہ کونسا اصول نمایندگی ہے؟ کہ جس جلسۂ عام میں جس کا اعلان کافی وقت پیشتر اچھی طرح کر دیا گیا ہو یہ چند لوگ شریک نہ ہوں وہ ہرگز نمایندوں کا جلسہ نہیں۔ جس جلسہ میں حامیان سلطان ابن سعود مندوبین منتخب نہ ہوں وہ نمایندوں کا جلسہ نہیں۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد بلا کسی جلسہ کے کئے ہوئے ایک وفد وائسرائے کے پاس لیجائیں تو وہ نمایندوں کا وفد نہ ہو۔ مگر جو حاجی امسال حج کو گئے ہیں ان میں سے سلطان ابن سعود جس کو جی چاہے نامزد فرمالیں وہ نمایندوں کا وفد بنجائے اور ظفر علی خاں جن پانچ آدمیوں کو نامزد یا منتخب فرمادیں وہ نمایندوں کا وفد بنجائے۔

(۲)

جس ٹولی نے سال بھر برابر یا نو النواء، النواء، کی رٹ لگائی، جو بار بار جلسوں سے اُٹھ اُٹھ کر چلی جاتی رہی، یا جلسہ طلب کرا کے خود شریک جلسہ نہ ہوئی۔ وہ موتمر عالم اسلام کے سلسلہ میں آج ہم پر دوہرا حملہ کر رہی ہے ایک یہ کہ تم نے موتمر کے متعلق اپنی بےحسی کا ثبوت دیا۔ اور ضروری کارروائیوں کی انجام دہی میں بڑی دیر لگائی۔ اور دوسرا یہ کہ تم نے اصول نمایندگی کا خیال نہیں رکھا اول امر کے متعلق، انقلاب کا ارشاد ہے:۔

"اگر لجنہ تنفیذیہ کے انتخاب میں التواء کی سہ ماہہ مدت کو ۵ جولائی ۱۹۲۶ء سے شروع کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لجنۂ مذکورہ کے تمام ارکان کو بدرجۂ آخر گزشتہ ستمبر یا اکتوبر میں حجاز پہنچ جانا چاہیے تھا۔ لیکن جس حد تک ہمیں معلوم ہے نہ ترک ممبر حجاز پہنچا نہ مصری، ہندوستانی اور شامی ارکان کے انتخاب و ارسال کی کوئی اطلاع آئی۔ ہندوستان کی نسبت ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ذمہ دار اصحاب نے گزشتہ موتمر سے واپس تشریف لاتے ہی مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ ہندوستان سے کسی اچھے شخص کو حجاز بھیجا جائیگا۔ اور غالباً اسی عجلت کی بنا پر شاخ موتمر کے قیام کی جلد سے جلد دعوت دی گئی تھی۔ لیکن وفد خلافت کے نمایندوں کو حجاز سے واپس آئے ہوئے آٹھ ماہ گزر چکے ہیں اور ابھی تک کسی شخص کے بھیجنے کا

انتظام نہیں ہوا۔ پھر یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ ہم ایک طرف تو حکومتِ حجاز پر یہ الزام عاید کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ وہ مؤتمر پر مسلط ہو رہی ہے۔ اور دوسری طرف مؤتمر کی آزادی، تقویت اور استحکام کے لئے ہم نے جو ذمہ داریاں قبول کی تھیں انہیں اب تک ادا نہیں کر سکے یعنی لجنۂ تنفیذیہ کے ارکان منتخب کرکے نہیں بھیج سکے۔ جب مؤتمر کے بنیادی انتظامات سے ہماری غفلت و بے پروائی کی یہ حالت ہے تو یہ کیونکر مناسب ہے کہ ہم مؤتمر کے انعقاد میں اختلال واقع ہونیکا الزام دوسروں پر عاید کریں؟ اگر ترکی، مصر، شام اور ہندوستان سے نمایندے حجاز پہنچ جاتے اور اسکے بعد حکومتِ حجاز دعوت ناموں کے اجرا میں مخل ہوتی یا اس کے کسی فعل سے مؤتمر کے کام میں رکاوٹ پیش آتی تو بلاشبہہ ہم اسے موردِ الزام قرار دے سکتے تھے لیکن اب ایسے ایراد کا کون سا موقع اور کونسی دلیل ہے؟ پھر جب خود دنیائے اسلام کی بےحسی کے باعث وہ مجلس ہی قایم نہ ہو سکی جس کے ہاتھ میں مؤتمر کا انتظام رہنا چاہیے تھا تو اب دوسروں پر اعتراض کا کیا حق ہے؟"

مسلمانو! خدا لگتی کہو، کیا یہ ٹولی ہم پر غفلت و بے پروائی، اور بےحسی کا الزام لگا سکتی ہے؟ جو جماعت ہماری حجاز سے واپسی کے بعد سے آجتک ہمارے راستہ میں روڑے اٹکاتی رہی، کیا وہی آج مؤتمر کے منعقد نہ کیے جانیکا

الزام، ہمارے سر تھوپ سکتی ہے؟ اور خود اپنے فرار کو بھول سکتی ہے۔ جبتک عام جلسہ کر کے مؤتمر کی شاخ ہندی ہندوستان میں قایم نہ کی جاتی اور اس کے قواعد نہ بنتے، اور ان کا اتباع کر کے لجنہ تنفیذیہ کے لئے ہندوستان کا نمایندہ منتخب نہ ہوتا۔ ہم کسی کو کس طرح حجاز بھیج سکتے تھے؟ لیکن یہ ٹولی نہ صرف اس بار بار کے التواء کو مسلمانوں کے دل سے بھلانا چاہتی ہے جس کا باعث یہ خود تھی، بلکہ ایک اس سے بھی زیادہ اہم حقیقت پر پردہ ڈال رہی ہے جس سے اسکی ایمانداری کا بھانڈا پھوٹتا ہے۔ اب اس حقیقت کو بھی سن لیجئے اور فرمائیے کہ کیا اب بھی مؤتمر کے منعقد نہ ہونیکا سبب یہ ہے کہ ہم نے لجنہ تنفیذیہ کے متعلق غفلت و بے پروائی، اور بے حسی کا ثبوت دیا، یا اس کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ یہ کہ سلطان ابن سعود نہیں نہیں جلالۃ الملک ملک الحجاز کو اب کسی مؤتمر کی ضرورت نہیں؟

میں قبول کرتا ہوں کہ مؤتمر کو ہر سال موسم حج میں مکہ معظمہ میں دعوت دینا اب سلطان ابن سعود کا کام نہیں ہے، بلکہ مؤتمر کے قانون اساسی کی رو سے جسے سال گزشتہ میں پہلی مؤتمر عالم اسلام نے جس کے تقریباً آدھے ارکان خود سلطان ابن سعود کے نامزد کردہ تھے، الحمد للہ مرتب کر کے چھوڑا۔ مؤتمر کے انعقاد کا وقت موسم حج میں مقرر کرنا صرف اسکی لجنہ تنفیذیہ کا کام ہے، اور اسکے لئے دعوت نامے بھیجنا بھی اسی کا کام ہے، اگو دفعہ ۹ میں یہ بھی درج ہے کہ مؤتمر کے لئے جسکی عموماً مکہ معظمہ ہی میں منعقد ہونے کی توقع ہے۔ دعوت نامے لجنہ تنفیذیہ حکومت مقامی کی موافقت سے ارسال کیا کرے گی۔ اب یہ بھی سن لیجئے کہ اس لجنہ کے اجزا

ترکیبی کیا ہیں اور وہ کس طرح بنی۔

اس لجنہ یا کمیٹی کے اراکین میں ایک صدر یا رئیس مؤتمر اور اس کے دو نائب ہیں جن کا انتخاب ہر سال مؤتمر کے پہلے جلسے میں ہونا قرار پایا ہے۔ اور ان کے علاوہ چھ اور ممبر، ایک کاتب عام، یا سکرٹری ہیں جو آخری جلسے میں منتخب ہوا کریں گے پہلے جلسہ میں مولانا ثناء اللہ صاحب کی تحریک پر، جس کے متعلق کسی کو ذرا بھی شک نہیں کہ وہ سلطان ابن سعود اور ان کے وزرا اور حامیوں کے مشورے کے بعد مؤتمر میں پیش کی گئی تھی، ایک نہایت بے وقوف شخص کو جو شریف کے خاندان کا ہے، اور سلطان کے ہاتھ میں محض ایک کٹھ پتلی ہے رئیس منتخب کیا گیا۔ گو جلسہ انتخاب کے صدر، اسمعیل غزنوی صاحب کے والد ماجد نے، جو اکبر سناً ہونے کی وجہ سے اتنے وقت کے لئے صدر تھے اپنی وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ بول اٹھے "یہ تو جلالۃ الملک ہی کا حق ہے، اور تم سب کی نفسانیت ہے کہ تم کسی اور کو منتخب کرتے ہو جس پر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے اسی وقت صدائے احتجاج بلند کی۔ دو نائب رئیس بھی اسی طرح منتخب کئے گئے۔ حالانکہ انتخاب صدر کے بعد وفد خلافت (غالباً) نیز وفد جمعیت العلماء نے انتخاب میں حصہ لینا فضول اور لغو سمجھا۔ اور کسی کو ووٹ نہیں دئے۔ یہ دو صاحب ہمارے رئیس وفد مولانا سید سلیمان ندوی، اور روس کے وفد کے رئیس رضاء الدین صاحب تھے۔

کاتب عام یا سکرٹری ہمارے معزز مہمان توفیق شریف بنائے گئے، جو ہمارے پاس اس لئے چندہ رو لینے کے واسطے تشریف لائے تھے کہ بقول ان کے شیخ سنوسی کو طرابلس لیجانا ضروری تھا۔ اور اٹلی، برطانیہ اور فرانس

ان کو جانے دینے والے نہ تھے، ایک ہوائی جہاز خرید کر انکو طرابلس تک اڑا لیجانا مقصود تھا،

یاد رہے کہ یہ جس وقت ہندوستان تشریف لائے تھے شیخ سنوسی اور سلطان ابن سعود کے تعلقات یہ تھے کہ سلطان نے ان کو حجاز کے بتوں میں سے سب سے بڑا بت قرار دیا تھا۔ اور ان کو اس قصور پر حرم شریف سے نکلوا دیا تھا کہ انہوں نے مقام ابراہیم کے پتھر کے ایک پیالہ نما حصہ میں زمزم کا پانی بھروا کر پیا تھا۔ لیکن جونہی سلطان نے اعلان ملکیت کر دیا یہ شیخ سنوسی کے مصنوعی ایجنٹ سلطان کے ایجنٹ بن بیٹھے۔ اور سلطان نے انکو عسیر کے وفد کا مؤتمر کے لئے رئیس بنادیا۔

ہم سب کا خیال تھا کہ مولٰنا سید سلیمان صاحب نائب رئیس کا عہدہ قبول نہ کریں، مگر مشکل یہ تھی کہ اگر وہ انکار کر دیتے تو ووٹ پانیوالوں میں تیسرا نام سید رشید رضا جیسے رکابی مذہب کا تھا۔ اور کوئی نہیں چاہتا تھا کہ یہ بزرگ صدارت فرمائیں۔ اسلئے ہم خاموش رہے شریف شرف عدنان صاحب نے جس طرح صدارت فرمائی اس کا حال ہم سے نہ پوچھئے جمعیت العلمأ کے وفد سے پوچھ لیجئے۔ عقل کی تو اس شخص سے توقع ہی فضول تھی۔ مگر، جو بیہودگیاں اور بے ایمانیاں اس نے مؤتمر اور اسکی سبجکٹ کمیٹی کے جلسوں میں کیں وہ ایک لمبی داستان ہے۔ وہ نجدی حکومت حجاز کے عمال کے ہاتھ میں ایک آلہ تھا اور مؤتمر کے یا کسی کمیٹی کے جلسے میں آدھے سے بھی زیادہ اراکین ہوتے تھے تب بھی اگر کثرت رائے عمال حکومت کے موافق نہ ہوتی تھی تو وہ جلسہ نہ کرتا تھا

یا ہونے ہوئے جلسے کو ملتوی کر دیتا تھا۔ لیکن ہماری بدقسمتی تو اس سے بھی بڑھکر تھی جب وہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہوتا تھا تو غیر حاضر ہوجاتا تھا اور پھر سارا بوجھ مولینا سید سلیمان ندوی پر آپڑتا تھا۔ مگر ناموس عالم یا کاتب عام، توفیق شریف صاحب ایسی صورت میں اپنے کو ایک ہندی کا ماتحت بھلا کب سمجھنے والے تھے؟ خود سید صاحب ہی سے پوچھ لیا جائے کہ اس بیہودہ نے ہمارے ساتھ نہیں، دو نائب رئیس مؤتمر کے ساتھ کیسا سلوک کیا سید صاحب خود ہی اس سے بچنا چاہتے تھے کہ ایسے موقعوں پر جبکہ شریف شرف عدنان سارا بوجھ ان کے کاندھوں پر ڈالکر بھاگ جاتا تھا۔ کوئی انہیں اپنے وفد کے ارکان کا طرفدار سمجھے، اس لئے ایک بار تو انہوں نے ہمارے ساتھ خود ہی سخت ظلم کیا۔ کہ ہماری طلب کردہ ڈویژن کو اول تو دیر تک ٹالا کئے، اور بالآخر رائے شماری کرانیسے قطعی انکار فرمادیا۔ بحث ایک نہایت ضروری رزولیوشن پر تھی اور مندوبین حکومت افغانستان نے ہمارے ساتھ اتفاق کیا تھا۔ لیکن توفیق شریف صاحب نے جو اپنے فرائض کی ادائیگی کو چھوڑ کر اور اپنی کرسی کتابت عام پر علی حسن صاحب مصری اخبارات کے نامہ نگار کو بٹھاکر، ترکی افغانی اور یمنی مندوبین کو ورغلانے اور توڑنے کی غرض سے ان کے پاس جا بیٹھے تھے افغانی وفد کے رئیس سفیر انگورہ کو دھوکہ دیا اور انکی رائے ہمارے ساتھ شمار نہ ہونے دی۔ جب ہم سمجھ گئے کہ واقعہ یہ ہے تو ہم نے ڈویژن طلب کی اور افغانی سفیر انگورا ہمارے ساتھ رائے دینے کو مستعد ہو گئے۔ مگر عمال حکومت نے اس سے اختلاف کیا اور سید صاحب نے اول تامل فرمایا اور بالآخر ہمارا حق تلف فرمادیا۔ مقابر و مآثر کی دوبارہ تعمیر و تحفظ کے

متعلق جو اہم ترین رزولیوشن شوکت صاحب نے پیش کیا تھا۔ اُسے بھی رئیس مؤتمر نے اسی طرح ٹالنا شروع کیا جس طرح کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلم قبضہ سے نکلوانے کے اس رزولیوشن کو وہ حج سے پہلے ٹالتے رہے تھے جسے میں نے پیش کیا تھا اور اب خود مؤتمر ہی ختم ہو رہی تھی۔ جب سبجکٹ کمیٹی کے غالباً آخری جلسہ میں اسکے پیش کئے جانے پر اصرار کیا گیا تو ناموس عام توفیق شریف صاحب نے اپنی خاص ادا کے ساتھ کہہ دیا کہ میرے پاس نہیں ہے۔ جناب رئیس کے پاس ہے۔ جب میرے اصرار پر سید صاحب نے اتنی اور ہمت کی کہ ان سے کہا کہ اس رزولیوشن کو رئیس کے پاس سے منگا دیجئے تو انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور کھسک گئے۔ سید صاحب سے پھر عرض کیا گیا تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جب سکریٹری میرے ساتھ اس طرح حقارت کا برتاؤ کرتا ہے تو میں کر ہی کیا سکتا ہوں؟ مگر ہم لوگ مصر رہے اور بالآخر وہ رزولیوشن منگوایا گیا اور گو یوسف لیسین صاحب "ام القریٰ" کے ایڈیٹر اور امیر فیصل نائب جلالۃ الملک کے یورپ کے سفر میں ہمرکاب وزیر خارجہ ڈاکٹر عبداللہ دملوجی کے حجاز سے باہر جانے پر قائمقام وزیر خارجہ نے ہر طرح کوشش کی کہ وہ رزولیوشن مؤتمر میں پیش ہی نہ ہو سکے۔ مگر شوکت صاحب کے بھی ایک بار الٹی میٹم دیدینے پر وہ مؤتمر میں پیش ہی نہ ہوا بلکہ بعض نامزدگان سلطان ابن سعود ہی کی تائید سے باتفاق رائے پاس ہوا۔

یہ ساری داستان اس لئے دہرائی گئی ہے کہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ ہمیں کیسے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ اور مؤتمر کے دوبارہ

منعقد نہ ہونے کا ان سے کیا تعلق ہے۔ جب توفیق شریف صاحب کی حرکات اس قدر ناشائستہ ثابت ہوئیں تو مؤتمر کے آخری جلسے میں طے پایا کہ انہیں "کاتب عام" یا سکریٹری نہ بنایا جائے۔ بلکہ شیخ شاویش یا امیر شکیب ارسلان شام کے وطن پرور کو دعوت دی جائے۔ چنانچہ جب مؤتمر کے خاتمہ پر رسمی طور پر سب کا شکریہ ادا کیا گیا تو ایک شخص نے بھی توفیق شریف صاحب کا شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ انکی جگہ ان کے پاس کے بے مثل قایم مقام، مصری صحیفہ نگار علی حسن صاحب کا شکریہ نہایت گرمجوشی سے ادا کیا گیا جس نے مؤتمر کی روداد روز تحریر کرائی۔ اور اس کا خلاصہ پڑھکر سنایا۔ اور مؤتمر کے آخری جلسے میں ایک بے نظیر خلاصہ مؤتمر کی تمام کارروائیوں کا تحریری پیش کر دیا۔ جسکی مثال کم از کم میرے تجربہ اور حافظہ میں تو محفوظ نہیں ہے۔

رہے لجنہ تنفیذیہ کے چھ اراکین، قانون اساسی کی رو سے ان کا کاتب عام کے ساتھ مکہ معظمہ میں قیام لازمی تھا۔ اور ان کی بھی کاتب عام ہی کی طرح ماہوار تنخواہیں مقرر کر دی گئی تھیں (اتنا اور عرض کر دوں کہ باوجود ہماری اور بہت سے ارکان مؤتمر کی مخالفت شدید کے، شریف شرف عدنان صاحب کی بھی تنخواہ عمال حکومت کے اصرار سے مقرر کر دی گئی تھی۔ اور کوشش تو یہ تھی کہ ہزار پونڈ سالانہ سے لیکر پندرہ سو پونڈ تک رکھی جائے۔ بحمد اللہ بالآخر غالباً سات سو پونڈ سالانہ سے زیادہ منظور ہوئی۔ اور توفیق شریف صاحب بھی اس امید پر کہ وہی کاتب عام رہیں گے، اس عہدہ کی تنخواہ پر ایک موٹر کار اور اسکے مصارف کا اضافہ بھی طلب فرما رہے تھے۔ حالانکہ جب

میں نے عرض کیا، مکہ معظمہ میں ابھی ایک سڑک کا بھی نام نہیں) لجنہ کے باقی چھ اراکین کا بھی اسوقت انتخاب ہونا ناممکن تھا۔ اس لئے مؤتمر سے اس کی اجازت لے لی گئی کہ فی الحال ان کا انتخاب نہ کیا جائے مگر ان اقطار عالم اسلام کا انتخاب کر لیا جائے۔ جبکی شاخہائے مؤتمر کو ان ارکان کے تقرر کا حق دیا جائے۔ خود ترکوں کی تحریک پر یہ طے پایا کہ ریلوے کے ماہر فن انجنیر وہ دیں۔ کیونکہ ایشیائے کوچک میں زیادہ تر ریلیں وہ خود ہی بنا رہے ہیں اور انہیں کافی مہارت حاصل ہے۔ مصر کی تحریک پر مصر کو پانی کے انجنیر کے تقرر کا حق دیا گیا۔ اسلئے کہ دریائے نیل کے بند باندھنے میں انہیں خاص مہارت حاصل ہو چکی ہے۔ اور حجاز کی خاص حالت سے بھی غالباً وہی بہتر واقف ہوں گے تین اراکین شام، فلسطین، اور ہندوستان سے لینے تجویز ہوئے تھے اور شاید ترکی کو، یا مصر کو یا شام کو دو اراکین کے تقرر کا اختیار دیا جانے والا تھا۔ مگر عمال حکومت نے اصرار کیا کہ نجد و حجاز کو بھی دو اراکین کے تقرر کا حق دیا جائے، اور گو کوئی نہ سمجھ سکا کہ موجودہ حالت میں حکومت کس نجدی یا حجازی کو کس فن کا ماہر سمجھ کر مقرر کرے گی جبکہ اسکے تمام تر عمال سوائے مشایخ نجد کے شامی یا مصری وغیرہ ہیں لیکن جب اصرار ایک ناگوار حد تک پہنچ گیا تو بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ شام جو عرب میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے اس حق سے محروم رکھا جائے، فلسطین کو جہاں کے وفد کے رئیس سید امین الحسینی مفتی اعظم قدس شریف ایک نہایت سنجیدہ، خوش اخلاق اور سمجھدار شخص ہیں، تعلیم کے ماہر کے تقرر کا حق دیا جائے۔ نجد و حجاز کو ایک حفظان صحت کے فن کے ماہر اور ایک امور عام کے

سرانجام دینے والے شخص کے تقرر کا حق دیا جائے اور سب نے ہندوستان کی شاخ کو محاسب کے تقرر کا حق دیا۔

میں قانون اساسی مرتب کرنے والی کمیٹی کا رکن نہ تھا، نہ جس وقت یہ امور طے ہوئے ہیں اسکے جلسے میں موجود تھا ورنہ ضرور عرض کرتا کہ تین ماہ کی مدت ان لوگوں کے تقرر کے لئے کافی نہیں ہے بالخصوص ہمارے لئے جو مدینہ منورہ کو بھی جارہے تھے، جن کا وطن بھی سب سے زیادہ فاصلہ پر تھا اور (اجازت ہو تو عرض کردوں) جنکو پنجابی ٹولی سے بھی واسطہ پڑنے والا تھا۔ مگر یہ تین ماہ کی مدت کوئی ایسی مدت نہ تھی کہ اگر ہندوستان کا نمایندہ، پندرہ بیس دن، یا مہینہ بھر بعد بھی جاتا تو خلاف ورزی قانون کے باعث واپس کر دیا جاتا۔ لیکن ان تین ماہ میں کیا کچھ کام ہونیوالا نہ تھا۔ کیا ہم ایسے بیوقوف تھے کہ ہم نے ان تین مہینوں کے لئے کسی قایم مقام کمیٹی کا انتظام نہیں کیا تھا؟ یقیناً ہم نے اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اور اگر ضرورت پڑتی تو یہی قایم مقام کمیٹی اور تھوڑی مدت تک کام کرتی رہتی۔ مگر اب پوچھئے کہ اس قایم مقام کمیٹی کو کیا ہوا جو اب تک اس نے کچھ نہ کیا اور نہ موتمر کی روداد شایع کی نہ ہم سے کچھ خط وکتابت کی۔ نہ اب تک موتمر کی دعوت دی۔ انشاءاللہ کل اسکی داستان سنئے گا اور پھر فرمائیگا کہ سلطان ابن سعود نے اس لجنہ کو زندہ رہنے دیا، یا اس کا پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیا۔ وہ موتمر عالم اسلام کا قیام چاہتے ہیں، اور اسکی دعوت کے منتظر ہیں یا انہوں نے اپنے نزدیک اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اب اس کا انعقاد صرف اس صور اسرافیل کے پھونکے جانے پر منحصر ہے جس کا نام جمہوریت عالم اسلام کی متفقہ اور

(۳)

آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہم کو سال گزشتہ کی موتمر میں کن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا۔ اور کس طرح باوجود ان مشکلات کے ہم نے قانون اساسی کو ایک ایسی موتمر سے بھی مرتب کرا ہی کے چھوڑا جس کے اراکین میں تقریباً نصف، سلطان ابن سعود ہی کے نامزد کردہ تھے، اور کس طرح موتمر کو اس قانون اساسی کی رو سے سلطان ابن سعود کے پنجہ سے نکالکر، آزاد رکھا گیا تھا، اور آیندہ مؤتمر کو دعوت دینا اس لجنہ تنفیذیہ یا ایگزیکٹو کمیٹی ہی کے فرائض میں داخل کیا گیا تھا جس کے اراکین کا تقرر چھ مختلف اقطارِ عالم اسلام کے ہاتھ میں تھا۔ گو یہ دعوت نامے مقامی حکومت کی موافقت ہی سے ارسال کئے جانے والے تھے، آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ اس کمیٹی کے اُن چار اراکین کے تقرر تک جنکو ترکی، مصر، فلسطین اور ہندوستان کی شاخہائے مؤتمر مقرر کرنے والی تھیں، ایک قایم مقام یا ہنگامی کمیٹی مؤتمر کا کام چلانے کے لئے بنادی گئی تھی، آج اس کمیٹی کی داستان سنئے، سلطان ابن سعود نے اس سلسلہ میں جو کارروائی کی اسے ملاحظہ فرمایئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ اگر عالم اسلام کی مؤتمر کے سالانہ جلسوں کے افتتاح کے بعد ہی اسکے دوسرے سالانہ جلسہ کا انعقاد نہیں ہوتا تو قصور سلطان ابن سعود اور ان کے آلہائے کار کا ہے، یا ہمارا۔

مستقل لجنہ تنفیذیہ کے قیام تک جو ہنگامی لجنہ منتخب کی گئی تھی اسکے ارکان بحالت مجبوری وہی ہو سکتے تھے جو اسوقت حجاز میں موجود تھے اور چونکہ ان حجازیوں کو جو دل سے حکومت کے متبع نہ تھے، عمال حکومت کب کام کرنے دیتے، اسلئے ہنگامی کمیٹی میں نجدی حکومت ہی کے عمال اور سلطان ابن سعود کے ہم عقیدہ لوگوں اور حمایتیوں ہی کو

رکھا گیا۔ لیکن افسوس اور صد ہزار افسوس کہ سلطان نے ایک ایسی کمیٹی کو بھی کام نہ کرنے دیا۔ اور جہانتک ہم کو اطلاع ملی ہے نہ سلطان نے اسکو موتمر کے کاغذات دلوائے نہ خود اس نے ہم سے یا کسی اور ملک "یا قطر" کے مندوبین سے اسکی شکایت کی، نہ موتمر کے پہلے جلسے کے اختتام سے جو ۵۔ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء کو ہوا تھا، آج تک کوئی کام کیا

جہانتک مجھے یاد پڑتا ہے، ہنگامی یا قائمقام کمیٹی کے اراکین حسب ذیل تھے

حافظ وہبہ دو نائب جلالۃ الملک" امیر فیصل کے مشیر خاص، یا یوں سمجھئے کہ نجدی حکومت حجاز کے ہوم سکریٹری اور وزیر داخلہ اور موتمر میں سلطان ابن سعود کے نامزد کردہ مندوب نجد تھے اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔

شیخ عبدالعزیز علیتقی :۔ غالباً یہ بھی نجدی حکومتِ حجاز کے ایک رکن تھے سلطان کے ہم عقیدہ ہیں، اور نجدی ہیں، موتمر سے پہلے ہندوستان کا دورہ کر چکے تھے اور غالباً سلطان کے ایجنٹ کی حیثیت سے آئے تھے، موتمر میں سلطان نے انہیں توفیق شریف صاحب شامی اور شیخ ابو زید مصری کی طرح عسیر کی طرف سے مندوب نامزد کر دیا تھا!

شیخ سلیمان قابل :۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بھی سلطان کے ہم عقیدہ ہیں یا نہیں، مگر انہیں سلطان نے موتمر میں حجاز کی طرف سے مندوب نامزد کیا تھا۔

شیخ محمد نصیف :۔ یہ جدہ کے ایک بہت بڑے تاجر ہیں اور سلطان، جدہ آتے ہیں تو انہیں کے دولتکدہ میں قیام فرماتے ہیں نہایت بلند اور وسیع عمارت ہے۔ ہمیں بھی ہندوستان سے آتے ہی آپکے دولتکدہ پر آپ کا مہمان بنایا گیا تھا۔ آپ سلطان کے ہم عقیدہ ہیں، اور خاندان الفضل کی طرح جدہ اور حجاز میں

ہمیشہ، ان کے بڑے زبردست حمایتی رہے ہیں۔

مجھے یاد نہیں کہ ان چار اصحاب کے علاوہ باقی دو ارکان کا بھی تقرر اسی وقت بحیثیت ممبران ہنگامی ایگزیکیٹو کمیٹی ہوا یا نہیں۔ ممکن ہے کہ باقی دو ارکان کا تقرر حکومتِ نجد و حجاز یعنی سلطان ابن سعود کے لئے چھوڑ اگیا ہو کہ ایک حفظان صحت کے ماہر کو وہ نامزد فرماویں اور دوسرے اس رکن کو بھی جو عام معلومات رکھنے والے ہوں اور ان دو مستقل ارکان کا چونکہ سلطان ہی تقرر کرنیوالے تھے اسلئے صرف باقی ان چار قایم مقام ارکان کا تقرر اسیوقت ہوا ہو جنکی جگہ مستقل ارکان کو ترکی، مصر، فلسطین، اور ہندوستان نامزد کرنے والے تھے۔

مگر امیر شکیب ارسلان اور شیخ شادلیش کا جواب آنے تک ایک کاتب عام یا سکریٹری کی سخت ضرورت تھی اور اس ہنگامی کمیٹی نے جس کے چار ارکان کا نام میں اوپر دے چکا ہوں فیصلہ کیا کہ توفیق شریف صاحب کے بہا بہت ہوشیار اور محنتی قایم مقام علی حسن صاحب مصری اخبارات کے نامہ نگار کو اس وقت تک کاتبِ عام مقرر کیا جائے جبتک کہ امیر شکیب ارسلان یا شیخ عبدالعزیز شادلیش ان دونوں میں سے ایک اس عہدہ کو قبول فرمایں اور تشریف لے آئیں چنانچہ علی حسن صاحب مصری کے تقرر کے بعد "توفیق شریف صاحب سے کہا گیا کہ مؤتمر کے دفتر کے تمام کاغذات نئے اور ہنگامی کاتبِ عام کو سپرد فرمادیں، مگر توفیق شریف صاحب نے کاغذات دینے سے صاف انکار کر دیا!" حافظ وہبہ صاحب نے لجنہ تنفیذیہ کی طرف سے سلطان ابن سعود سے اسکی شکایت کی

تو سلطان نے توفیق شریف صاحب کو حکم دیا کہ کاغذات علی حسن صاحب قائمقام
ہنگامی کاتبِ عام کو دیدو۔ اگر توفیق شریف صاحب نے اس حکم کی بھی تعمیل
نہ فرمائی۔ جب سلطان سے اسکی بھی شکایت کی گئی تو سلطان نے فرمایا کہ میں
خود کاغذات لئے لیتا ہوں۔ اور جب اُن سے عرض کیا گیا کہ مؤتمر تو آزاد
خود آپنے اپنی دونوں تقریروں میں ارکانِ مؤتمر کو یقین دلایا تھا کہ وہ
آزاد ہیں تو اب آپ مؤتمر کے کاغذات پر کیوں قبضہ فرماتے ہیں؟ تو سلطان
نے فرمایا کہ یہ توفیق شریف کے قبضے سے کاغذات نکلوانے کی ترکیب ہے
مؤتمر ۵۔ جولائی کو ختم ہوئی لیکن اسکے تقریباً ایک مہینے بعد علی حسن صاحب
مصری ہمیں ینبوع کے بندرگاہ میں ملے (جبکہ وہ اسی جہاز میں مصر جارہے تھے
جس میں سلطان ابنِ سعود کے ولیعہد امیر سعود مصر جارہے تھے اور انہوں
نے ہمکو اطلاع دی کہ سلطان ابنِ سعود نے کاغذات ابتک لجنۂ تنفیذیہ کو
نہیں دئے اپنے ہی قبضے میں لئے بیٹھے ہیں، میں کبتک ان کے انتظار میں
وقت ضایع کرتا؟ آخر تھک کر چلا آیا۔

یہ ہے داستان مؤتمر کی مقرر کردہ لجنۂ تنفیذیہ اور مؤتمر کے دفتر
کے کاغذات کی، اور جہاں تک ہم کو خبر ہے مؤتمر کے تمام کاغذات
آج بھی سلطان ابنِ سعود کے قبضہ میں ہیں۔

آجتک مؤتمر کی روداد نہیں شایع ہوئی۔ سوائے اس ۲۹ مارچ کے
تار کے جو سلطان ابنِ سعود کے آلۂ کار مؤتمر کے نام نہاد رئیس شریف ن
عدنان نے نائب رئیس مولانا سلیمان ندوی کے نام شعیب قریشی صاحب مع

مؤتمر عالم اسلام، شاخ ہند کے ۱۹ مارچ کے جواب طلب تار کے جواب میں ارسال فرمایا تھا، کوئی مراسلہ اُنکا یا ہنگامی لجنہ کے دیگر نجدی اور سعودی ارکان کا کسی کے پاس موصول نہیں ہوا۔ ظفر علی خاں صاحب "زمیندار" انقلاب، اہلحدیث حضرات اور بالخصوص مولانا ثناء اللہ اور اسمعیل غزنوی صاحب وغیرہ اور ایسے ہی اور سعودیوں اور سلطان ابن سعود کے آنریری وظیفہ خوار، یا تنخواہ دار ایجنٹوں کے متعلق تو ہم کہہ سکتے نہیں اور جہاں تک مجھے علم ہے، نہ اُن خطوط کا کوئی جواب آیا جو وفد جمعیت خلافت کے سکریٹری نے لجنہ تنفیذیہ کو اس غرض سے لکھے تھے کہ مؤتمر کا مکمل قانون اساسی اور جو تحریکیں مؤتمر میں پیش ہوئیں اور جو مؤتمر میں منظور ہوئیں ان کی نقلیں وفد جمعیت خلافت کو ارسال فرما دی جائیں۔ ۵ر جولائی ۱۹۲۶ء سے ۱۹ مارچ ۱۹۲۷ء تک کی لجنہ تنفیذیہ کی کارروائی کا یہ خلاصہ ہے لیکن اس پر بھی انقلاب لکھ سکتا ہے:۔

"پھر یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ ہم ایک طرف تو حکومت حجاز پر یہ الزام عاید کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ وہ مؤتمر پر مسلط ہو رہی ہے اور دوسری طرف مؤتمر کی آزادی تقویت اور استحکام کے لئے ہم نے جو ذمہ داریاں قبول کی تھیں، انہیں ابتک ادا نہیں کر سکے یعنی لجنہ تنفیذیہ کے ارکان منتخب کر کے نہیں بھیج سکے جب مؤتمر کے بنیادی انتظامات سے ہماری غفلت و بے پروائی کی یہ حالت ہے تو یہ کیونکر مناسب ہے کہ ہم مؤتمر کے انعقاد میں اختلال واقع ہونیکا الزام دوسروں پر عاید کریں؟ اگر ترکی،

مصر، شام اور ہندوستان سے نمایندے حجاز پہنچ جاتے اور اسکے بعد حکومت حجاز دعوت ناموں کے اجرا میں مخل ہوتی۔ یا اسکے کسی فعل سے مؤتمر کے کام میں رکاوٹ پیش آتی تو بلاشبہ ہم اسے مورد الزام قرار دے سکتے تھے، لیکن اب ایسے ایراد کا کونسا موقع اور کونسی دلیل ہے؟ پھر جب خود دنیائے اسلام کی بے حسی کے باعث وہ مجلس ہی قایم نہ ہو سکی جس کے ہاتھ میں مؤتمر کا انتظام رہنا چاہئے تھا تو اب دوسروں پر اعتراض کا کیا حق ہے؟

اب واقعات آپ کے سامنے ہیں لیکن اس پر بھی "انقلاب" سلطان ابن سعود کی کٹھ پتلی، نام نہاد، رئیس مؤتمر، شریف عدنان صاحب سے نہیں پوچھتا کہ تم نے ابتک دفتر مؤتمر کے کاغذات کو اپنی لجنہ تنفیذیہ کے قبضہ میں کیوں نہیں لیا، مؤتمر کی روداد کیوں نہیں شایع کی مختلف اقطار عالم اسلام کے مندوبین سے خط و کتابت کیوں نہیں کی؟ ترکی اور مصر کی حکومت مستقلہ سے کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ آپ لجنہ تنفیذیہ کے لئے اپنا مندوب کب مقرر کرینگی؟ فلسطین اور ہندوستان کے شعوب سے کیوں نہیں پوچھا کہ اپنے اپنے قطر میں مؤتمر کی شاخ کب قایم کرو گے؟ اور اسکی طرف سے ماہر فن تعلیم و تدریس اور محاسب کب نامزد کر کے بھیجو گے، یہ تو انقلاب اس سعودی کٹھ پتلی سے نہیں پوچھتا مگر اسکی طرف سے کہتا ہے کہ وہ کہہ سکتا تھا کہ "دنیائے اسلام کے دوسرے حصوں نے ابھی تک لجنہ تنفیذیہ مؤتمر کے موعودہ ارکان منتخب کر کے نہیں بھیجے، اور مؤتمر کے کاروبار پر توجہ نہیں کی"۔

سلطان ابن سعود نے جس طرح تشکیل حکومت حجاز کے مسئلہ کو عالم اسلام کی مؤتمر کے فیصلے پر چھوڑنے کے اسوقت تک برابر اور پیہم وعدے کئے جب تک کہ برطانوی نمایندے جنرل کلیٹن سے جدہ یا بحرہ میں معاملہ کر کے انہوں نے امیر علی کو جدہ سے نہ نکلوا لیا۔ اور پھر جس طرح انہوں نے مؤتمر کا انتظار کرنا تو درکنار وفد جمعیت خلافت اور (جہاں تک انہوں نے حقیقت حال کو ظاہر فرمایا ہے) خود ظفر علی خان صاحب سے بھی اسکے متعلق ایک حرف تک نہیں کہا۔ بلکہ انکو مکہ مکرمہ جانے کی غلط وجہ بتا کر، یکایک اپنی ملکیت کا اعلان کر دیا۔ اور جب جمعیت خلافت نے نہیں بلکہ جمعیت العلماء نے جسے دیوبندی عقائد اور اثر کے خیال سے وہ ایک حد تک اپنا حامی سمجھتے ہیں، اُن سے پوچھا کہ مؤتمر میں تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ پیش ہوگا یا نہیں تو جس طرح انہوں نے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے تار کے جواب میں آئیں بائیں شائیں کے سوا کچھ نہ فرمایا۔ جس کے باعث مفتی صاحب نے دور اندیشی اور مصلحت بینی سے کام لیکر خلافت کی مرکزی کمیٹی سے ہمیں یہ حکم دلوا دیا کہ جس مؤتمر کی نمایندگی اسقدر مشتبہ ہے اور جسکو بہت ممکن ہے کہ سلطان اپنے نامزد کردہ آلہائے کار سے بھر دیں۔ اس میں تشکیل حکومت حجاز کا فیصلہ کرنا سلطان کو ملک الحجاز قبول کر لینے کا دوسرا نام ہے اسلئے ایسی صورت میں اس کا ہرگز فیصلہ نہ کیا جائے۔ اور اگر یہ مسئلہ اس میں پیش ہو تو ہم اس میں شرکت سے صاف انکار کر دیں۔ البتہ اس مسئلہ کے فیصلے کے لئے آیندہ عالم اسلام کی ایک سچی اور پوری نمایندہ مؤتمر کے آئندہ سال انعقاد کی بابت سلطان سے کہا جائے اور اس سال بھی صرف سلطان سے نہ کہ مؤتمر میں گفتگو کر لی جائے

اور ہمارا نقطۂ نگاہ ان کے روبرو پیش کرکے ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے، اور اس میں بھی جس طرح سلطان نے افتتاح مؤتمر کے وقت اپنے ۲۶ نامزد کردہ، اور ۳۸ ہندوستانی اہلحدیث حمایتیوں کی بدولت ۵۹ حاضرین مؤتمر میں یقینی کثرت رائے کا بندوبست کرکے اسی مسئلہ تشکیل حکومت حجاز کو مؤتمر کے مطبوعہ پروگرام میں سب سے اول مد بناکر رکھا اور اسے مؤتمر میں پیش کرکے اپنے موافق اسکا فیصلہ کرانا چاہا، اور نیز اپنے خطبہ افتتاحیہ میں بھی اس پر زور دیا اور بالآخر ہمارے الٹی میٹم دینے پر کہ ہماری جمعیت کا حکم ہے کہ ایسی حالت میں ہم مؤتمر میں شرکت سے انکار کر دیں، اگر یہ مد قایم رہی اور مؤتمر میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو ہم ہرگز شریک نہ ہوں گے، اور سلطان کے خطبۂ افتتاحیہ میں سے اسکے متعلق جتنی عبارت ہے اگر وہ نکال ڈالی گئی تو ہم ان کے خطبہ کے بعد ہی اپنی جمعیت کے نقطۂ نگاہ کو ظاہر کر دیں گے اور یہ امید ظاہر کرکے کہ اس مسئلہ میں تمام اقطار عالم اسلام ہمارے ہم خیال ہوں گے۔ ہم جلسے سے چلے آئینگے اور وفد فلسطین کے رئیس سید امین الحسینی مفتی اعظم بیت المقدس کے ہمارے اس پیغام کو پہچانے اور اسکی معقولیت کی داد دینے پر جس طرح سلطان نے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کہہ کر، اس مد کو پروگرام سے خارج فرمایا۔ اور اسکے متعلق جو کچھ عبارت تھی اُسے اپنے خطبۂ افتتاحیہ سے نکال ڈالا، یہ ایک لمبی داستان ہے، جو ہمارے وفد کی رپورٹ میں درج ہے، اگر انقلاب، یا زمیندار چاہتے ہیں

کہ میں اسے دہراؤں تو ہمدرد کا ایک مضمون اور اسکی نذر کر دیا جائیگا۔ لیکن ابتک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ حقیقتاً وہ بھی اسکے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ سلطان نے تشکیل حکومت حجاز کو مؤتمر پر چھوڑ کر سارے عالم اسلام کی ہمدردی حاصل کرلی تھی۔ لیکن جب گلبرٹ کلیٹن نمایندہ برطانیہ سے جدّہ یا بحرہ پر یعنی حدودِ حرم کے سامنے ہی معاہدہ ہوگیا، اور امیر علی کے جدّہ سے نکلوائے جانے کا بندوبست کر دیا گیا تو سلطان کو مؤتمر کی مطلق حاجت باقی نہ رہی اور وہ ہرگز اسکو مدعو کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن جب اس پر بھی جمعیت خلافت اور جمعیت العلماء کی طرف سے اصرار ہوتا رہا تو نہ طوعاً بلکہ کرہاً مؤتمر منعقد کی گئی، اور اس امر کی کوشش کی گئی کہ اسکو اپنے درباریوں سے بھر کے اپنے موافق فیصلہ کرالیا جائے لیکن جب وفدِ جمعیتِ خلافت اور اسکے بعض ان رفقا نے ہمت سے کام لیا، جو وفد جمعیت العلماء کے رکن تھے اور ادھر سے ترک افغان اور یمنی بھی آگئے اور گو، ان حکومات مستقلہ کے مندوبین نے بلا اپنی حکومت سے ہدایات حاصل کئے ہوئے حجاز میں نجدیوں کی حکومت کے قیام کے متعلق اظہار رائے سے احتراز کیا، تاہم وہ کبھی بھی، مؤتمر کو سلطان ابن سعود کا آلۂ کار بننے نہیں دے سکتے تھے۔ تو پھر مؤتمر کو جون کا نون ختم کرنے ہی کی کوشش کی گئی اور جب وہ ختم ہوگئی اور اسکے قانون اساسی نے اسے ایک آزاد ادارہ بنا کر چھوڑا تو سلطان نے اسکے دفتر کے تمام کاغذات ضبط کر لئے اور اپنے ہم عقیدہ تنخواہ دار نوکروں، حمایتیوں کی قایم مقام انگزیکٹو کمیٹی کو بھی مؤتمر کا کام نہیں کرنے دیا۔ اور اسکے امسال موسم حج میں مکہ معظمہ میں منعقد ہونے کے ذمہ دار صرف سلطان ابن سعود ہیں۔

یہ ہے حقیقت حالات، مگر اس صداقت وحق پرستی کو دیکھو کہ اس پر بھی

"انقلاب" سلطان ابن سعود کو ہر الزام سے بچانے کی مضحکہ انگیز طور پر ناکام کوشش کرتا ہے اور لکھتا ہے:۔

"سلطان ابن سعود کسی حالت میں بھی اس صورت حالات کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے انہوں نے، تیئیس ہزار پونڈ کی گرانقدر رقم کا صرفہ برداشت کر کے دنیائے اسلام کو اجتماع کی دعوت دیدی اور اسے اصلاحی اور تنظیمی کاروبار کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ اب اگر دنیائے اسلام خود کچھ نہ کر سکی تو سلطان ابن سعود پر الزام عاید کرنا کیونکر بجا ہے؟ ایک جماعت اسوقت تک سلطان ابن سعود کو عدم انعقاد مؤتمر کے لئے ذمہ دار قرار دے رہی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ایسی غلط اور بے بنیاد الزام تراشیوں سے کونسے اچھے نتیجے کی توقع وابستہ کی گئی ہے۔ اگر سلطان کسی معاملے میں دخل دینے کا خیال بھی کرے (اور ایسا نہیں ہوا) تو شور مچا دیا جاتا ہے کہ مؤتمر کی آزادی سلب ہو گئی اور اگر وہ بے تعلق رہے تو تم اپنی بے حسی اور قصور عمل کے تمام الزامات اس غریب کی گردن پر عاید کر دیتے ہو، مؤتمر اسی صورت میں آزاد رہ سکتی تھی کہ سلطان اور اسکی قوم بھی اس مؤتمر میں محض ایک رکنیت کے حقدار سمجھے جاتے سلطان نے یہ فیصلہ قبول کر لیا۔......... کیا عدم انعقاد مؤتمر کا الزام اس پر عاید کرنے سے ہم خود یہ ثابت نہیں کر رہے کہ اسے مؤتمر پر اقتدار حاصل ہے؟ کیا اسطرح ہم عالم اسلام کی آزاد مؤتمر کے قیام میں

کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ سلطان بھی مؤتمر کی دعوت کا ویسا ہی محتاج ہے جیسے کہ ہم ہیں۔ عدم انعقاد کی ذمہ داری اس پر عاید نہیں ہو سکتی اور شریف شرف عدنان کو محض ملکیت یا حجازیت کی بنا پر معاملات مؤتمر میں سلطان کے زیر اثر سمجھنا کسی طرح بھی جائز نہیں، آپ لوگوں میں طاقت اور ہمت تھی تو آج سے چھ ماہ پیشتر لجنہ تنفیذیہ کے موعودہ ہندی نمایندہ کو حجاز بھیج دیتے اور دوسرے ممالک اسلامی سے بھی استدعا کرتے کہ وہ اپنے اپنے نمایندے جلد بھیج دیں، اس صورت میں صدر مؤتمر پر سلطان کے اثر و اقتدار کی کیفیت خود بخود معلوم ہو جاتی، لیکن جب آپ لوگوں نے خود ان تمام انتظامات میں تساہل کیا جو مؤتمر کے استحکام و باقاعدگی کے لئے ضروری تھے، تو ان نتائج کی ذمہ داری، سلطان ابن سعود پر کیوں ڈالتے ہیں؟ کیا اس طرح آپ کے دامن بے حسی اور قصور عمل کے داغوں سے پاک ہو سکتے ہیں؟ صاف صاف اقرار کیجئے کہ آپ خود نہ کر سکے مانئے کہ دنیائے اسلام کے دوسرے حصے اپنے فرائض و واجبات پر متوجہ نہ ہو سکے، حتیٰ کہ ابھی تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آزاد حکومتوں نے مؤتمر کے دستور اساسی کی نسبت کیا فیصلہ کیا ہے ہمت ہے تو ان مبادی کی اصلاح و درستی اور تقویت و استواری کے لئے کوشش شروع کیجئے پھر دیکھئے کہ کیا سلطان آپ کے کسی معاملے

میں دخل انداز ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ اور بلا وجہ الزام تراشیوں سے نہ مؤتمر منعقد ہوسکتی ہے۔ نہ آپ کے قصور عمل کی تلافی ہوسکتی ہے اور نہ سلطان کو انعقاد مؤتمر کا ذمہ دار ثابت کیا جاسکتا ہے"۔

کیا دنیا میں یہی انقلاب عظیم پیدا کرنا تھا۔ جسکے لئے انقلاب نے دنیائے صحافت میں قدم رکھا؟ میں تسلیم کرتا ہوں کہ پنجاب کے بہت سے ہندو اخبارات مسلمانوں کے ساتھ ذرا ایمانداری نہیں برت رہے ہیں لیکن کیا میں اُن سے عرض کروں کہ آپ بھی مسلمانان پنجاب کے ساتھ اسی طرح ایمانداری برتئے جس طرح کہ زمیندار سابق وحال، ان مسلمانوں سے برت رہے ہیں جو سلطان ابن سعود کے حمایتی اور نجدی العقائد نہیں؟ کیا یہی وہ بے ایمانیاں نہیں ہیں؟ جو وہ دول جو دشمنان اہل مشرق ہیں، جو اسلامی حکومتوں اور مشرقی اقوام و ممالک کے خلاف روز استعمال کرتے رہتے ہیں اور جنکی شکایت انقلاب اور زمیندار ہم سے بھی زیادہ کرنے کے دعویدار ہیں؟ حقیقت حق و انصاف ایک ہے ہر جگہ اور ہر معاملہ میں اور ہر جماعت اور ہر فرد کے ساتھ ہمیں اسی ایک حق و انصاف کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ خواہ وہ اسلامی حکومتیں ہوں یا مشرقی اقوام و ممالک، ہندوستان اور پنجاب کے مسلمان ہوں یا وہ مسلمان جو سلطان نجد کی حجاز میں بادشاہت کو قبول نہیں کرتے۔ اور اس مشترکہ مرکز اسلام میں سواد اعظم اسلام کے مذہبی خیالات و جذبات کے خلاف ہم مقابر و ماثر کو درست خیال نہیں کرتے، ہم ہیں، اور انقلاب و زمیندار میں یہی فرق ہے کہ ہم سب کے ساتھ حق و انصاف، بلکہ رعایت چاہتے ہیں۔ مگر خود کسی کے ساتھ حق و انصاف کا سلوک نہیں کرتے۔

میں نے "انقلاب" کے مضامین میں سے ایسا ایک جزو بھی ان مضامین میں نقل کئے بغیر نہیں چھوڑا جس کا تعلق ہماری غفلت و بے پروائی اور بے حسی سے تھا یا سلطان ابن سعود کی ذمہ داری سے اور مؤتمر کی شاخ ہند کی نمایندگی کے متعلق جب پھر قلم اُٹھاؤں گا تو انقلاب کے وہ تمام اجزا بھی نقل کروں گا جو اس امر سے متعلق ہیں، اور اگر "انقلاب" چاہے تو اس کے تینوں مضامین پورے کے پورے نقل کر دئے جائیں۔ میں کسی شخص کی رائے پر تنقید کرنا نہیں چاہتا جبتک خود اسکے الفاظ بھی میری تنقید پڑھنے والے کے سامنے نہ رکھ دئے جائیں۔ اور یہی ایک وجہ میرے مضامین کی طوالت کی ہوتی ہے۔ کیا "انقلاب" سے اسکی امید کر سکتا ہوں کہ میرے ان مضامین کو بھی نذرِ قارئین کرامِ "انقلاب" کر دے اور انہیں سے رائے لی جائے کہ وہ سلطان ابن سعود اور ان کے حمایتوں کی قایمقام انگزیکٹو کمیٹی کو اسکا ذمہ دار نہیں سمجھتے کہ امسال مؤتمر کو موسمِ حج میں مکۂ مکرمہ میں دعوت نہ دی گئی، بلکہ اسکو ہماری غفلت و بے پروائی اور بے حسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور انکی پنجابی ٹولی کو التوائے تعویق اور تاخیر کے لئے مطلق ذمہ دار نہیں سمجھتے؟ رہا عالم اسلام، تو اڈیٹر انقلاب خود اسے "زمیندار" میں ایک اسم بے مسمیٰ کا لقب دے چکے ہیں سب جانتے ہیں کہ جنگ عمومی میں اور اسکے بعد عالم اسلام نے کیا کیا اور اس غریب اور غلام ہندوستان کے مسلمانوں نے کیا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اندلس کے بعد ہندوستان ہی تو سب سے پہلے حکومت اسلامیہ کو کھو بیٹھا تھا اس لئے یہ کہنا سچ ہوگا جیسا کہ میں نے ایک بار خود سلطان ابن سعود کو لکھا تھا کہ سب سے پہلے ہمیں سوئے تھے تعجب کیا ہے اگر سب سے پہلے ہمیں جاگ اٹھیں۔ مگر افسوس ہزار

افسوس، صد ہزار افسوس، ہمیں پھر سب سے پہلے سوئے جا رہے ہیں، آج نہ ہمیں وحدت
اسلامیہ کا خیال ہے نہ خلافت راشدہ کے احیاء اور نظام اسلام کے اجراء کا نہ جزیرۃ
العرب کو کفار کے تسلّط سے ہم پاک کراتے ہیں نہ ہندوستان ہی کو آزاد کرا تے
ہیں سنگھٹن ہی کا مقابلہ کرتے ہیں نہ شدھی کا، البتہ ہر شخص تنظیم، تنظیم، تبلیغ، تبلیغ
کی رٹ لگا رہا ہے۔ روز آریہ سماج، اور ہندو جاتی کے خلاف اعلان جنگ نکالا کرتے
ہیں۔ مگر جنگ کی تیاری کوئی نہیں کرتا۔ نہ تعلیم ہی کی طرف توجہ ہے، نہ افلاس
ہی کا علاج کیا جا رہا ہے البتہ ان نومسلم مہارانا کا جلوس ضرور نکالا جا رہا ہے جو پانچ
لاکھ راجپوتوں کے ساتھ اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں (واہ رے فریب، کیا الفاظ
ڈھونڈھ کر لگائے ہیں۔ گویا کل ہی خواجہ صاحب کے ہاتھ پر ساڑھے پانچ لاکھ کے ساتھ
پانچ لاکھ مسلمان ہوئے ہیں۔ اور کفر سے نکل کر کل ہی سبھوں نے دامنِ اسلام میں
پناہ لی ہے) فضول خرچیوں، بلکہ فسق و فجور سے بھی عید منائی جاتی ہے، اور عید کے
ڑ بھی، اور ستر ھویں شریف میں کباب و پراٹھے کھا کر ہی حضرت امیر خسروؒ کی روح کو
ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ گویہ ممکن تھا کہ اسقدر اسراف سے کام نہ لیا جاتا تو شاید جامعہ
ملیہ اسلامیہ کے لئے دو تین ماہ کا خرچ نکل آتا۔ یا سو دو سو مسلمان قرضداروں کو
ان بنیوں کے پنجہ سے نکلوا دیا جاتا جو جونکوں کی طرح سود کھا کھا کر ان کا خون پی رہے
خیر یہ تو روز حل کرنیکا عقدہ ہے رہی موتمر تو اسکے لئے مناسب تو یہی تھا
کہ مکہ معظمہ ہی میں اور موسم حج ہی میں منعقد ہوتی۔ لیکن ہم جانتے تھے کہ سلطان ابن
سعود غالباً گیا کریں۔ اس لئے ہم نے قانون اساسی میں یہ ترمیم منظور کرائی تھی کہ اگر

کسی وجہ سے، مؤتمر مکہ مکرمہ میں منعقد نہ ہو سکے تو اقطار عالم اسلام میں سے کسی اور جگہہ منعقد کر لی جائے۔ سلطان کی حکومت کے عمال اور ان کے نامزد کردہ حمایتیوں نے اس ترمیم کے خلاف سخت شور مچایا تھا۔ اور اسکی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر بالآخر کثرت رائے سے مرعوب ہو کر خود قاضی عبداللہ بن بلیہد نے ترمیم کی تائید کر دی تھی اور وہ منظور ہو چکی تھی۔ ۱۶۔ مئی کو مؤتمر کی شاخ ہند کی کمیٹی کا جلسہ ہے، اور اس امر پر غور کیا جائیگا کہ مؤتمر کا دوسرا سالانہ اجلاس کب اور کہاں کرنے کی شاخ ہندوستان کی طرف سے سفارش کی جائے، سلطان نجد لاکھ چاہیں کہ مؤتمر کا اس طرح خاتمہ کر دیا جائیگا لیکن نہ حضرت معاویہ خلافتِ راشدہ کے خیال کو ہمارے دل سے نکال سکے نہ یزید ہی یہ کر سکا، اور سلطان ابن سعود کا حجاز میں بادشاہ بن بیٹھنا بھی خلافت راشدہ کے احیاء کے خیال کو ہمارے دل سے نہیں نکال سکتا۔ اور انکا مؤتمر کو دبا دینے کی اسطرح کوشش کرنا عالم اسلام کو خواہ وہ آج ایک حد تک اسم بے مسمیٰ ہی کیوں نہ ہو، مؤتمر کی طرف سے بالکل غافل نہیں کر سکتا۔ انقلاب اور زمیندار بھی سلطان ابن سعود کی طرح انہیں کی بادشاہت اور ان کے ہاتھ سے سوائے شریف نجدیہ کے مذہب اسلام کی تمام مقبول مقابر و مآثر کی طرح ہدم چاہتے ہیں، انہیں وحدت اسلامیہ کی حاجت ہے، نہ خلافت راشدہ کی، نہ عالم اسلام کی مؤتمر کی۔ لیکن ابھی کچھ لوگ دنیا میں باقی ہیں۔ جنکو ان چیزوں کی حاجت ہے اور جو سلطان ابن سعود پر نہیں بلکہ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

رزمگاہِ حق وباطل

فہرست مضامین

(۱) لکھنؤ کا جلسہ ۱۹۱

(۲) شاندار جلسہ اور شاندار تقریر ۲۰۵

(۳) تقاضائے وفا.................... ۲۴۱

لکھنؤ کا جلسہ

(ہمدرد، ۲۳- اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(ابنِ سعود کی حمایت نے محمد علی کے دوستوں کو ان کا دشمن، جاں نثاروں کو ان کا مخالف، عقیدت کیشوں کو ان سے بدظن کر دیا ہے، ہر روز نئی نئی آستینیں اٹھائی جا رہی ہیں۔ افواہیں مشتہر کی جا رہی ہیں، مخالفانہ جلسے ہو رہے ہیں فرنگی محل محمد علی کا مرکز تھا وہ مخالف ہو گیا۔ حسرت موہانی رفیقِ کار تھے، وہ مخالفوں کی صف میں جا پہونچے، بہت سے نیاز مند جان کے گاہک ہو گئے۔

یہ مضمون اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا۔ مؤلف)

میں جب پٹنہ سے لوٹ رہا تھا تو بعض احباب کا خیال ہوا کہ کانپور سے ایک دن کے لئے لکھنؤ چلا جاؤں اور ۲۶ ستمبر کو ایک جلسہ میں ان امور پر تقریر کروں جن کا تعلق حجاز کے بارے میں خلافت کمیٹی کے طرزِ عمل سے ہے میں اس پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن بعض دیگر احباب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسی زمانہ میں لکھنؤ میں ہمارے مخالفین کی ایک کانفرنس

منعقد ہو رہی ہے۔ اور عوام پر ہمارے جلسہ کا یہ اثر ہوگا کہ یہ کانفرنس اسقدر اہم ہے اور اس کا مسلمانانِ ہند پر اتنا بڑا اثر ہوگا کہ اسکی مخالفت کے لئے مجھے لکھنؤ جانا پڑا۔ حالانکہ جو احباب مجھے لکھنؤ میں مدعو کر رہے تھے نہ انکا یہ خیال تھا نہ میری شرکت پر رضامندی اس خیال سے، بلکہ جس طرح دہلی میں موقعہ پاکر میں ان امور پر تقریر کر رہا تھا، اور پٹنہ میں بھی موقعہ پاکر ایک تقریر کی تھی۔ اسی طرح واپسی میں لکھنؤ آکر تقریر کرنے کا موقعہ ملتا تھا اُس سے فائدہ اُٹھا کر ایک تقریر کرنا اور ان امور کے متعلق خلافت کمیٹی کا جو مسلک تھا اسکو ظاہر کرنا۔

سیتاپور کانفرنس کی شرکت کے لئے مجھ سے اور میری اہلیہ سے میرے عزیز دوست اور بھائی بابو شمبھو ناتھ صاحب نے بلگام ہی میں وعدہ لے لیا تھا بلکہ مجھی سے کہہ کر انہوں نے مہاتما گاندھی سے بھی شرکت کا وعدہ حاصل کر لیا تھا۔ لہذا اس کانفرنس میں شرکت کی غرض سے میں سیتاپور جا رہا تھا اور دوستوں کے کہنے سے اس پر آمادہ ہوگیا کہ وہاں سے واپسی میں لکھنؤ میں ایک دن قیام کروں اور خلافت کے مسلک کے متعلق ایک تقریر کروں۔ دہلی سے سیتاپور کی طرف چلنے سے قبل میرے پاس لکھنؤ سے تار آئے کہ ۲۱ر اکتوبر کو جلسہ ہوگا۔ اس میں شریک ہوں لیکن میرا ۲۱ر تاریخ کو وفد حجاز سے مشاورت کے لئے دہلی واپس آنا لازمی تھا اور چونکہ ارکان وفد اور مشاورت کرنے والے احباب میرے ہی ہاں قیام کرنے والے تھے اسلئے میرا اور میری اہلیہ کا قیام لکھنؤ میں ۲۰ر اکتوبر کے بعد نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی لئے میں نے اصرار کیا کہ اگر جلسہ مطلوب ہے تو ۲۰ر اکتوبر کو کیا جائے اور اسی بناء پر سیتاپور میں بھی مولیٰنا عبدالماجد دریابادی اور دیگر

احباب کو اس پر مائل کیا کہ بجائے ۲۱ - اکتوبر کے جلسہ ۲۵ اکتوبر کو منعقد کیا جائے اور اسی کے مطابق میں ۱۹ کی شب کو لکھنؤ میں پہنچ گیا - مولینا عبدالباری صاحب کا قیام لکھنؤ میں نہ تھا۔ مجھے اس کا بھی علم نہ تھا کہ مستورات مولینا کے ہمراہ حیدرآباد تشریف لے گئی ہیں - یا لکھنؤ ہی میں قیام فرما ہیں اسلئے ۲۰ کی صبح ہی کو دریافت کیا گیا اور جب معلوم ہوا کہ گو مولینا صاحب اور مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب بھی ابھی تک تشریف نہیں لائے ہیں۔ مگر مستورات لکھنؤ ہی میں قیام فرما ہیں، تو سواری کا انتظام کرتے ہی میں فرنگی محل گیا۔ میری اہلیہ دن بھر وہاں مقیم رہیں - اور ہم دونوں نے دن کا کھانا وہیں کھایا۔ کھانے پر مولینا سلامت اللہ صاحب اور صبغۃ اللہ صاحب اور محمد شفیع صاحب وغیرہم سے ملاقات ہوئی اور گو میں ان حضرات سے کوئی بحث مباحثہ کرنا نہیں چاہتا تھا تاہم اُن کے اس مسئلہ کو چھیڑنے پر تھوڑی بہت گفتگو ہوئی اور میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا اور بعض اقوال کی جو میری طرف منسوب کئے جاتے تھے اور جنکو انہوں نے دھرایا تھا تردید کر دی اس کے بعد میں مولینا ظفر الملک سے ملنے گیا۔ اور وہاں اخبارات کی فائلوں میں سے چند مضامین اور تحریرات کو جو ہماری مخالفت میں لکھے گئے تھے نکال کر پڑھا۔ جب میں وہاں سے واپس ہوا تو میں نے مولینا حسرت موہانی اور شیخ مشیر حسین قدوائی کو فرنگی محل سے نکل کر ٹانگہ میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا۔ مولینا حسرت سے صبح ہی کو خلیق الزمان صاحب کے مکان پر ملاقات ہو چکی تھی۔ - اس ضمن میں یہہ ظاہر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ میں نے جب پٹنہ سے واپس ہوتے وقت لکھنؤ میں جلسہ کی شرکت پر آمادگی ظاہر کی تھی تو اسوقت بھی یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے قدیم دوست چودھری صاحب

کے ہاں قیام کروں گا۔ تاکہ جو حضرات ہمارے ہم مسلک ہیں ان سے مشاورت میں سہولت ہو۔ گو اسوقت بھی ارادہ تھا کہ فرنگی محل ضرور جاؤنگا اور مولینا عبدالباری صاحب سے نیاز حاصل کرونگا۔ اور جن امور کے متعلق مولینا صاحب مفاہمت کے خواہاں تھے ان کے متعلق بھی گفتگو کروں گا۔

مولینا حسرت موہانی سے میری عرصے سے بے تکلفی ہے۔ جب انہوں نے اُن امور کے متعلق بحث چھیڑی جنکی بابت میں تقریر کرنے کے لئے آیا تھا تو میں نے حسب معمول بے تکلفی سے اُن سے بحث و گفتگو کی۔ اور گو بعض موقعوں پر گفتگو سخت تھی، مگر الحمد ﷲ کہ سوائے ابنِ سعود اور اہلِ نجد کی مخالفت کے جس میں ان کو میں نے بربنائے اعتقاد غالی اور شریعت پر طریقت کو ترجیح دینے والا پایا ہم میں بالآخر کوئی مسئلہ متنازعہ فیہ نہ معلوم ہوا۔ البتہ وہ خود فرماتے ہیں کہ ابن سعود کے خلاف نہ صرف بر بنائے عقاید ہوں بلکہ انکو سیاست میں انگریزوں کا اسی طرح متبع پاتا ہوں جیسے کہ شریف حسین اور علی ہیں۔

شام کو جلسے میں جب میں پہنچا تو رفاہِ عام کے بڑے ہال سے گزرنا پڑا دہاں ڈاکٹر نعیم انصاری اور چند اور احباب بیٹھے تھے جن سے مصافحہ کرکے میں آگے بڑھا انہیں کے ساتھ شیخ مشیر حسین قدوائی اور ٹھاکر نواب علی خاں صاحب بھی تھے شیخ صاحب تو ہم کو خائن اور رشوت خوار ظاہر فرما ہی چکے تھے، اسلئے اُن سے تو اب کوئی واسطہ نہ رہا تھا۔ لیکن ٹھاکر نواب علی صاحب جن سے میری شناسائی ضرور تھی اب بمجبوری اسکو بھی ترک کرنا پڑا۔ کیونکہ مجھے سیتاپور جاتے وقت ہی لکھنؤ میں معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے مہاتما گاندھی اور ان کے ساتھیوں کے سیتاپور جانیکے

لئے اپنی موٹر اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا تھا کہ شوکت علی و محمد علی کو اسمیں نہ بٹھایا جائے اور بعدہ اوروں کے استعمال کے لئے بھی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ چونکہ نہ مینے نہ مولانا شوکت علی نے کبھی اُن کی موٹر پر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لئے ان کا یہ شرط لگانا میری سمجھ میں نہ آیا تھا، بہر حال جو شخص اتنا دنی الطبع ہو، اس سے شناسائی کے تعلق کا قایم رکھنا بھی نامناسب سمجھتا تھا۔ اس لئے ان سے ملے بغیر میں رفاہ عام کے ہال سے گزرنے لگا۔ مگر ٹھاکر صاحب خود ہی مسکرا کر آگے بڑھے اور مجھے سلام کیا جس کا جواب دیکر میں جلسے کی طرف چلا گیا۔ یہ حضرات کس لئے جمع ہوئے تھے اور جلسہ کی کارروائی میں انہوں نے کیا حصہ لیا اسکو میں نہیں جانتا لیکن مجھے انکی تشریف آوری پر تعجب ضرور ہوا۔ جبکہ خود اپنی کانفرنس میں انہوں نے کسی ایسے شخص کو جو انہیں کسی طرح سلطان ابن سعود اور اہل نجد کی مخالفت میں غلو نہ رکھتا ہو۔ آنے نہ دیا تھا۔ میں نے اسکے متعلق صبح کی گفتگو میں مولینا حسرت سے بھی کہا تھا مگر انہوں نے فرمایا تھا کہ وہ کانفرنس صرف موافقین کے لئے مخصوص و محدود تھی اور تمہارا جلسہ عام جلسہ ہے اس لئے ہم لوگ ضرور آئیں گے۔

چودھری خلیق الزمان صاحب نے تو مولانا حسرت سے اسکا بھی اظہار خیال کر دیا تھا کہ انہیں اندیشہ ہے کہ مخالفین جلسے میں گڑبڑ کرنیکی کوشش کرینگے مگر جلسے کے منعقد کرانے والوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ مخالفین کو مخالفت کا پورا موقع دیا جائے۔ اور اگر باوجود اس رواداری کے انہوں نے گڑبڑ مچائی تو اسکی ذمہ داری تمامتر انہیں پر ہوگی۔ جب مولانا حسرت نے کانفرنس کے متعلق اپنے اور اپنے موافقین کے رویہ کو اس بناء پر صحیح ٹھہرایا تھا کہ وہ جلسۂ عام نہ تھا تو میں نے اسیوقت

اس سے قبل کے جلسۂ عام کا حوالہ بھی دیدیا تھا۔ جس میں شیخ مشیر حسین قدوائی اور انکے ہم مشربوں نے مولٰنا عبدالرزاق ندوی کو بولنے نہ دیا تھا۔ حسرت صاحب نے اسکے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جلسہ میری صدارت میں نہیں ہوا تھا اور میں اس فعل کے کرنیوالوں کی اس حرکت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اس پر اس سب وشتم کا حوالہ دیا گیا جو ابتداءً خود انکی زیر صدارت کانفرنس میں روا رکھا گیا تھا۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ پہلے دن تو سوائے میرے خطبۂ صدارت کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ بہر حال جو گالی گلوچ نظم و نثر میں لکھنؤ میں روا رکھی گئی ہے اور جو طرز تحریر لکھنؤ کے اخبارات نے اختیار کیا ہے وہ شاہد ہے کہ ہمارے مخالفین کن کن حربوں پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو کارروائی خود اس جلسے میں ہوئی وہ اسی کا تتمہ تھا۔ بالکل غیر متوقع نہ تھی۔ پہلے ایک جلسۂ عام منعقد کرنا اور کسی مخالف کو لب کشائی کی اجازت نہ دینا یہ پہلی سیڑھی تھی، "پروہ کانفرنس" کا انعقاد اس زینہ کی دوسری سیڑھی تھی اور جب ہم نے عام جلسہ کیا تو اسکو بھی بیس تیس آدمیوں کی چیخ پکار سے منتشر کر دینا یہ اس زینہ کی آخری سیڑھی تھی۔ مگر ان لوگوں کو چھوڑ کر جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ کچھ بھی ہو، وہ ہماری مخالفت کریں گے باقی تمام اہل لکھنؤ پر اب ظاہر ہو گیا کہ جو جماعت اپنے مخالفین کی آواز کو اہل لکھنؤ کے کانوں تک پہنچنے دینا نہیں چاہتی اس کے پاس حق کا کس قدر خزانہ ہے اور حق بات کے سنے جانے سے وہ کس قدر متردد اور پریشان ہوتی ہے، جو لوگ ہمارے موافق پہلے ہی سے تھے وہ بحمداللہ ابتک اس موافقت پر قایم ہیں۔ جو ابھی مطمئن نہ ہوئے تھے اور ایک حد تک جن پر ہمارے مخالفین کی وسیسہ کاریوں کا اثر پڑ گیا تھا وہ بھی اب مطمئن ہو گئے کہ جن لوگوں کی

اس طرح مخالفت کی جا رہی ہے وہی لوگ حق پر ہیں اور یہی بڑے سے بڑے جلسہ اور مؤثر سے مؤثر تقریر سے حاصل ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ کام بلا دوسروں کی سمع خراشی کے پورا ہو گیا۔ کوتاہ اندیش لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور بیگانہ ہیں کرنے چلتے ہیں ہماری مخالفت لیکن بقول شاعر ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ہم جس وقت جلسے میں جا رہے تھے تو ہمیں ایک جعلی اشتہار ملا جس کے مشتہرین "ارکان جدید خلافت کمیٹی شہر لکھنؤ" یعنی مولینا ظفر الملک وغیرہ قرار دئے گئے تھے۔ اس اشتہار میں یہ لکھا گیا ہے کہ خلافت کمیٹی مدینہ منورہ کو بنی ہاشم کے ہاتھ سے چھیننے کے لئے سلطان ابن سعود کو سامان جنگ، گولہ بارود خریدنے کے لئے مالی امداد کرنا چاہتی ہے اسلئے مسلمانان لکھنؤ دس ہزار روپیہ جمع کر دیں، اشتہار میں دھوکہ دینے کے لئے انعقاد جلسہ کی جگہ بجائے رفاہ عام کے امین الدولہ پارک رکھا گیا ہے۔ یہ ہے وہ حق پسندی و راست روی جن پر حق وحقیقت کا دار و مدار ہے۔ اشتہار مذکور کو ہم بجنسہ یہاں نقل کرتے ہیں:۔

اعلیٰحضرت غازی سلطان ابن سعود کی مالی امداد۔

تمام مسلمانوں پر ضروری ہے، تا کہ غازی ابن سعود اپنا لشکر آراستہ کر سکیں اور سامان جنگ گولہ بارود مہیا کیا جائے محض توپوں اور گولہ بارود اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے ابتک غازی ابن سعود مدینہ منورہ کو بنی ہاشم کے ہاتھوں سے نہیں چھین سکے۔ اگر اہل ہند نے ہمت کی، اور مرکزی خلافت کمیٹی کی استدعا پر توجہ کی تو جلد سے جلد مکہ معظمہ کی طرح

مدینہ منورہ کی بھی غازی سلطان ابن سعود تطہیر کر دیں گے۔ پس لکھنؤ
کے مسلمان اگر غازی ابن سعود کی محبت رکھتے ہیں تو ان کا فرض ہے، کہ
غازی موصوف کے واسطے دس ہزار روپیہ جمع کر دیں اور اسکی پہلی قسط
آج کے جلسے میں ادا کریں اور جب آج جلسہ میں بمقام امین الدولہ پارک مولانا
محمد علی صاحب کی تقریر سننے جائیں تو کم از کم ایک ایک روپیہ اپنے ہمراہ
غازی ابن سعود کے امداد کے واسطے ہمراہ لائیں

المشتہر:- ارکان جدید خلافت کمیٹی شہر لکھنؤ

نظامی پریس لکھنؤ

جلسے میں پہلے میرا خود تقریر کرنیکا ارادہ تھا۔ لیکن اول تو اس خیال سے
کہ توفیق شریف بک صاحب مسلسل چار دن سے علیل ہیں ان سے تا اختتام جلسہ
بیٹھا نہ جائیگا۔ دوسرے اس خیال سے کہ شاید میری تقریر کے بعد لوگ ایک غیر
مانوس زبان میں تقریر اور اسکے ترجمہ میں زیادہ دلچسپی نہ لیں اس لئے کہیں
جلسہ میں تھوڑی تعداد نہ رہجائے۔ میں نے جناب صدر سے درخواست کی، کہ
مجھ سے قبل توفیق شریف بک صاحب سے تقریر کرنیکی درخواست کی جائے چنانچہ
ایسا ہی کیا گیا۔

مولانا حسرت موہانی سے اسکے بعد تقریر کرنے کے لئے کہا جا رہا تھا مگر
نہ خود انہوں نے اسے پسند کیا نہ میں نے ہی اسے مناسب سمجھا۔ اسلئے کہ وہ
میری تقریر کے بعد اس پر تبصرہ کرنیکا خیال صبح کی گفتگو میں ظاہر فرما چکے
تھے اور کہہ چکے تھے کہ تم سے پیشتر بولنے سے کیا حاصل میں تمہارے بعد ہی بولونگا

جنانچہ چودھری خلیق الزمان صاحب نے جو صدر جلسہ تھے اسی پر عمل کیا۔ اور کہہ دیا کہ اگر کوئی بات مولینا حسرت موہانی کی تقریر کے بعد جواب دینے کے لائق معلوم ہوگی یا کسیکو تم سے کوئی سوال کرنا ہوگا تو میں چند منٹ کے لئے تم سے پھر جواب دینے کے لئے کہوں گا۔

اس فیصلہ کے بعد میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ لیکن باوجود اسکے صدر جلسہ نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ میرے بعد مولینا حسرت کو اور اسکے بعد کسی اور مخالف کو جو تقریر یا سوال کرنا چاہیگا موقعہ دیں گے۔ ایک صاحب نے جو بظاہر اہل تشیع میں سے تھے۔ جناب صدر سے کہا کہ مولینا حائری صاحب دس منٹ کے لئے کچھ کہنا چاہتے ہیں انکو اجازت دی جائے۔ جناب صدر نے وعدہ کیا کہ میری اور مولینا حسرت کی تقریروں کے بعد انکو موقع دیا جائیگا لیکن بظاہر وہ اور ان کے ساتھی اس فیصلے پر راضی نہ ہوئے۔ اسکے بعد ہی دوسری جانب سے ایک اور صاحب نے کہا کہ مجھے توفیق شریف بک صاحب سے چند سوالات کرنے ہیں اور وہ سوال کرنے بھی لگے مگر جناب صدر نے فرمایا کہ آپکو بھی بعد میں موقع دیا جائیگا۔ باوجود ان اعلانوں کے جلسے کے گرد اگرد کھڑے ہونیوالے اصحاب میں سے چند نے سامنے سے اور اس سے زیادہ تعداد میں چند نے بائیں طرف سے چیخنا شروع کیا کہ ہم نہیں سننا چاہتے۔ میں نے بار بار کوشش کی مگر بیس تیس شخصوں نے ہر بار یہی چیخنا شروع کیا کہ ہم نہیں سننا چاہتے بعض نے یہ بھی کہا کہ "مولانا حسرت کو اسیوقت بولنے کی اجازت دی جائے" جناب صدر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اور بار بار ان چیخنے والوں کو اس بیہودہ

حرکت سے منع فرمایا، لیکن جب کبھی انہوں نے کچھ ارشاد فرمانے یا میں نے کچھ عرض عرض کرنیکی کوشش کی تو ان بیس تیس حضرات کی طرف سے یہی آوازیں آئیں کہ "ہم نہیں سننا چاہتے"، اس حرکت ناشائستہ کی جو نقت ابتدا ہوئی تھی اس وقت غصہ اور جوش میں بھر کر بعض اور حضرات بھی جو میری تقریر سننا چاہتے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن ہم کو یہ دریافت کرنا منظور تھا کہ کتنے حاضرین میں سے کتنا حصہ تقریر کو سننا چاہتا ہے اور کتنا نہیں سننا چاہتا۔ اس لئے جس طرح بھی ممکن ہوا جناب صدر نے اور میں نے اس جماعت تک جو ہمارے قریب تھی اپنی آواز پہنچائی اور انکو سنایا کہ جو صاحب سننا چاہتے ہیں وہ بیٹھ جائیں۔ چنانچہ ایک بہت بڑی جماعت پہلی بار جوش میں کھڑے ہو جانے کے بعد پھر بیٹھ گئی اور بیٹھی رہی لیکن جو لوگ کہ پہلے ہی کھڑے تھے وہ کھڑے رہے اور ان میں بھی بظاہر ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی تھی جن کے کانوں تک ہماری درخواست کہ جو "سننا چاہتے ہیں وہ بیٹھ جائیں"، بیس تیس کی چیخ پکار کے باعث جو کہہ رہے تھے کہ "ہم نہیں سنتا چاہتے" نہیں پہنچی تھی۔ جلسے کے حاضرین کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی جن میں سے چھ سات سو گرداگرد کھڑے ہوئے تھے مگر چیخنے چلانے والوں کی تعداد بیس تیس سے زیادہ نہ معلوم ہوتی تھی۔ گو ان کے ساتھ بظاہر اس سے زیادہ جماعت ایسی تھی جو جلسے کو درہم برہم کرنا چاہتی تھی، لباس و وضع قطع سے یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ حضرات زاید تر اہل تشیع ہیں اور عام طور پر اس کا چرچا تھا کہ ان میں سے ایک بڑی تعداد شیعہ کالج کے طلبا کی تھی اور اس حرکت کے محرک ٹھاکر نواب علی صاحب تھے بعض لوگوں نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ سعید الرحمٰن صاحب قدوائی بھی بعض لوگوں کو اس طریق عمل پر

ابھار رہے تھے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ امر کہاں تک صحیح ہے وہ سیتاپور کی کانفرنس میں شریک ہوئے تھے مگر مجھ سے ملاقات نہ فرمائی تھی۔ اس جلسہ میں وہ مجھ سے دس بارہ قدم کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن اس چیخ پکار کی ابتدا کے بعد وہ بعض لوگوں کو اس جگہ ملے جہاں سے "ہم نہیں سنتے" کی آوازیں بار بار آ رہی تھیں۔ بعض لوگوں نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ سعید الرحمٰن صاحب فرماتے تھے کہ "محمد علی صاحب اور ٹھہریں خلیق الزمان کے ہاں" یہ ظاہر کرنا بھی ناموزوں نہ ہوگا کہ جس وقت وہ جلسے کو جانے لگے تو مولینا عبد الباری صاحب کے صاحبزادے جمال میاں جنکی عمر پانچ چھ برس کی ہے وہ گھر میں دوڑے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ "آج تو سعید میاں بڑی تیاری کرکے جا رہے ہیں اور تیر ساتھ لے گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ آج تو ہم ہرگز ہار کر نہ آئینگے"

چودھری خلیق الزمان نے ان چیخنے والوں سے بار بار کہا کہ جو میری تقریر سننا نہیں چاہتے وہ چلے جائیں مگر اُن میں سے ایک نہ ٹلتا تھا اور "اگرہم نہیں سنینگے" کی آواز کے سوا اگر کچھ انکی زبان سے نکلتا تھا تو وہ یہی تھا کہ "مولانا حسرت پہلے تقریر کریں یا عرب صاحب پہلے جواب دیں" خلیق الزمان صاحب نے چاہا کہ موافقین و مخالفین کے ووٹ لے لیں لیکن ناممکن تھا کہ اس چیخ پکار میں وہ اپنے اس مفہوم کو بھی جلسہ کو سمجھا سکیں اسلئے دس منٹ اور انتظار کرنے کے بعد انہوں نے جلسہ کو برخاست کر دیا۔

اس عرصہ میں مجھے نہیں معلوم کہ مولانا حسرت موہانی، سید جالب صاحب۔ شیخ بشیر حسین قدوائی، ٹھاکر نواب علی یا فرنگی محل کے کسی شخص نے ان چیخنے والوں کو انکی اس غیر شریفانہ حرکت سے روکنے کی کوئی کوشش نہ کی البتہ صبغۃ اللہ صاحب

شہید نے خلیق الزماں صاحب سے کہا کہ مولانا حسرت سے کہئے کہ وہ ان لوگوں کو خاموش ہو جانے کے لئے کہیں۔ لیکن اسے نہ میں نے قبول کیا نہ صدر جلسہ نے۔ اسلئے کہ جلسہ کی ترتیب اور نظام قایم رکھنا ان کا فرض تھا نہ کہ کسی دوسرے شخص کا اور وہ صدارت سے مستعفی ہوئے بغیر اپنے فرائض کسی دوسرے کو سپرد نہ کر سکتے تھے، حاضرین جلسہ کو اس نظام و ترتیب جلسہ کے متعلق صدر کے احکام ماننے تھے نہ کہ کسی اور کے۔ اور میں ہرگز اس شرط پر تقریر کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ اگر حسرت موہانی صاحب اس پر آمادہ ہوں کہ وہ سنی جائے اسی ہی سنی جائے اسلئے اس تجویز کو اتنی ہی وقعت دی گئی جتنی کہ وہ مستحق تھی اور جب کافی وقت گزر گیا۔ اور مخالفین میں سے نہ کسی نے اپنے طور پر جلسہ درہم برہم کرنیوالوں کو اپنی نازیبا حرکت سے منع کیا نہ وہ خود اس سے باز آئے تو صدر جلسہ نے جلسے کے برخاست کئے جانے کا اعلان کیا اور ہم سب وہاں سے چلے آئے۔ حاضرین کی ایک بڑی تعداد میری موٹر تک آئی اور اس نے نہایت جوش سے اپنے خلوص اور عقیدت اور ہمارے مسلک سے موافقت کا اظہار کیا بہت چاہا کہ میں ایک دن اور رک جاؤں اور پھر ایک جلسہ کیا جائے۔ مگر میں اسی دن چلا آنا ضروری تھا تاکہ ارکان وفد حجازی کے مشورے میں شریک ہوں۔ دوسرے ہر جلسے میں خواہ اسکے حاضرین کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو بیس تیس چیخنے اور گلا پھاڑنے والے ایک مقرر کی آواز کو دبا دینے کے لئے کافی ہیں۔ اور جب تک جلسہ عام ہوگا اور چند اوباش اسکو درہم برہم کرنا چاہیں وہ درہم برہم کیا جا سکیگا۔ اسکا علاج صرف ایسے اوباشوں کا اخراج ہے

اخراج کے لئے قوت کا استعمال لابدی ہے، اگر ہم خود اور ہمارے موافقین، ان
اوباشوں کو خارج کریں گے تو جلسہ میں فساد ہونا یقینی ہے، گو جو مفسد ہیں انکو
ہزیمت دینا ذرا بھی مشکل نہیں اسکا علاج صرف حکومت کی امداد ہے، اور اسکی ہم
تارک موالات ہرگز درخواست نہیں کرسکتے۔ تاہم ہمارے جلسے سے جو غرض
حاصل ہوسکتی تھی، وہ جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اسکے اس طرح درہم برہم
ہوجانے سے حاصل ہوگئی

مولانا حسرت موہانی بھی آج دہلی میں قیام فرما ہیں اور مجھ سے
ل چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے موافقین کی جلسے میں اکثریت تھی اور اگر
فساد ہوتا تو ہزیمت ان کے موافقین کو نہ ہوتی اور اسکا انتظام غالباً ٹھاکر
نواب علی صاحب نے پہلے سے کرلیا تھا۔ میرا خیال ایسا نہیں، اور میں سمجھتا
ہوں کہ ان کے موافقین کی تعداد ہمارے موافقین سے بہت کم تھی، اور
اگر امور مابہ النزاع کا انفصال دست و بازو ہی سے ہوتا تب بھی ان کے
ترکار جنہیں ٹھاکر نواب علی صاحب اور کوئی اور جلسے میں لایا تھا بہت جلد
ال بہ فرار ہوجاتے۔ خیر یہ اپنا اپنا خیال ہے۔ میں نے ان سے عرض کردیا ہے کہ
یں تیار ہوں، وہ جب چاہیں لکھنؤ میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے میں انشاءاللہ
اضر ہونگا۔ اور اگر ان چند اوباشوں سے مدد نہ ملی اور جلسہ اسطرح درہم برہم نہ
ردیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ اہل لکھنؤ ایک بڑی تعداد میں ان کے خیالات سے
بیزاری کا اظہار کرینگے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ وہ تمہاری خوش تقریری سے
نا متاثر ہوجائیں گے۔ میں نے عرض کردیا کہ بلا تقریر کے آپ بھی ووٹ

نہیں لیا کرتے۔ اور گو یہ ممکن ہے کہ خاص لکھنؤ میں آج ایسے لوگوں کی زیادہ تعداد ہے جو ہمارے ان مسائل میں ہماری ہم خیال نہ ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جب کبھی کوئی جلسہ کیا جائیگا جس میں ہر کس و ناکس کو آنے کی اجازت ہوگی اور جس کے حاجب و دربان ان کے شیعی اور فرنگی محلی شرکاء کار نہ ہوں گے اور فریقین کے بیانات کو سننے دیا جائیگا تو میں دعوے سے کہتا ہوں، کہ انشاء اللہ ایک بڑی کثرت ہمارے ہی موافق رائے دے گی وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

(نوٹ) میں نے تمام واقعات جس طرح کہ پیش آئے بلا کم و کاست بیان کر دیئے ہیں اپنے مظنونات سے مطلق کام نہیں لیا ہے اور پڑھنے والوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے کہ ان واقعات کے معلوم ہو جانے کے بعد جس نتیجے پر وہ پہونچ سکتے ہیں پہنچیں۔

شاندار جلسہ، شاندار تقریر

(ہمدرد - ۱۷- ۲۰- ۲۲- نومبر ۱۹۲۵ء)

(لکھنؤ میں فرنگی محل کا اثر سب سے زیادہ تھا - وہ محمد علی کے مخالفوں کا قلعہ تھا۔ تعلقہ داران اودہ، محمد علی کے شدید دشمن تھے، راجہ صاحب محمود آباد ابتک مخالفت پر کمر بستہ نظر آرہے تھے،

لکھنؤ میں ایک جلسہ مولینا ظفر الملک نے کیا - اس میں تعلقداروں کی رعایا نے جو زیادہ تر جاروں اور پاسیوں، اور نا مسلمانوں پر مشتمل تھی، "خدام الحرمین" کے بلّے سینے پر آویزاں کئے اور ڈنڈے ہاتھ میں لئے، اور ہزاروں کی تعداد میں پہنچکر اس جلسہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔

پھر مولینا شوکت علی نے اپنے نام سے جلسہ طلب کیا۔ جلسہ امین الدولہ پارک میں منعقد ہوا۔ سید ظہور احمد صاحب مرحوم وکیل لکھنؤ اسکے صدر تھے، محمد علی نے اس جلسہ میں بڑی معرکۃ الآرا، شاندار، اور یادگار تقریر کی۔ ظلم ہوگا اگر اسے نہ درج کیا جائے۔ مؤلف)

جمعیت خلافت اُن لوگوں کی جماعت ہے جو کلمہ گو و اہل قبلہ ہیں یہ اس مقصد سے بنائی گئی تھی کہ خلافت کی قوت کو جو اسوقت منتشر کی جارہی تھی اور جسکو محفوظ رکھنا ہمارا مذہبی فرض ہے، محفوظ رکھا جائے۔ ہم حکومت سے یہ کہتے تھے، کہ تم جو ہم سے وفاداری کے خواہاں ہو اسکے ساتھ تم نے بھی ہماری مذہبی آزادی کو محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے، یہ درست ہے کہ کوئی معاہدہ لکھکر ایک دوسرے کو نہیں دیا گیا۔ مگر جو من سمجھوتہ ہوا، اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے وفادار رہیں گے، اور تم ہمارے مذہبی جذبات کا احترام کروگے جو بات ہم پر فرض ہے وہ تم نہ کروگے، مگر اسکے خلاف کرنے پر ہمکو مجبور نہ کروگے۔ ہر شخص اپنی شریعت کا مکلف ہے جو فرائض مسلمانوں پر ان کے مذہب نے عاید کئے ہیں، انکو وہی ادا کریں گے، ہندو یا عیسائیوں سے انکی ادائگی کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ہندو اپنے مذہبی فرائض کے خود پابند ہیں مسلمان انکی دلجوئی کے خیال سے قربانی گائے کو ترک کردیں تو اپنی مرضی سے ایسا کرسکتے ہیں. مگر اسکے لئے ان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر جزیرۃ العرب میں غیر مسلم داخل ہو جائیں تو ہم مسلمانون پر ان کا خارج کرنا فرض ہے۔ گورنمنٹ سے ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ آپ عراق و فلسطین میں نہ جائیے۔ ممکن ہے کہ اسکے ہمسایہ حجاز پر بھی آپ کا ہاتھ پہنچ جائے۔ آپ اگر جزیرۃ العرب میں جاتے ہیں تو مجھپر آپ کا نکالنا فرض ہو جاتا ہے۔ جس طرح نماز پڑھنا۔ روزہ رکھنا۔ قربانی دینا زکوٰۃ ادا کرنا میرے مذہب نے مجھپر فرض کیا ہے، ان سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح اگر میں اپنی پوری قوت ایک دوسرے مذہبی فرض

جزیرۃ العرب سے اخراج یہود و نصاریٰ میں خرچ کروں تو اس میں بڑیزید کو مجھے کوئی مانع نہیں آسکتا،،

ایک واقعہ

"شرع اسلام نے ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا خون بہانا حرام کر دیا ہے۔ یہ ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ اسکے خلاف اسکو مجبور نہ کرنا چاہئے"!

ایک مسلمان جو فوج میں ملازم تھا میدان جنگ فرانس میں جرمنوں کے خلاف داد شجاعت دیکر مقتول ہوا۔ اسکے افسر نے اسکی شجاعت سے اسکی بیوی کو مطلع کیا۔ اور اس عورت نے اپنے لڑکے کو بھی اسکے باپ کی خواہش کے بموجب فوج میں بھرتی کرا دیا۔ لڑکا جب فوجی کام سیکھ چکا، تو اسکو کراچی سے بصرہ بھیجا جانے لگا۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ خلیفۃ المسلمین کا علاقہ ہے، اس افسر نے جو اسکے باپ کا دوست تھا۔ فوجی قانون کی سختی سے آگاہ کر کے کہا کہ وہ اسوقت فوج کے ساتھ چلے وہاں پہنچکر وہ اسکو نکلنے کا موقع دیدیگا۔ مگر لڑکے نے ایک قدم بھی بصرہ کی طرف بڑھانے سے اپنے عقاید مذہبی کی بنا پر انکار کیا۔ اور کہا کہ جو قدم بھی بصرہ کی طرف بڑھیگا وہ دوزخ کی طرف بڑھیگا۔ آخر اسکو فوجی سزا دی گئی اور گولی سے مار دیا گیا۔ اس افسر نے دوبارہ اسکے مکان پر جا کر سخت رنج و افسوس کیساتھ اس لڑکے کی ماں کو اس واقعہ سے مطلع کیا تو اس عورت نے کہا کہ " رنج و ہمدردی ظاہر کرنے کی بجائے تم مجھے مبارکباد دو۔ مجھے اپنے شوہر کا انجام تو معلوم نہیں، مگر میرا

ـنت میں ہے،،

مقدم اطاعت

عتقاد کی بحیثیت تھی اپنے مذہبی فرض کو جانتی تھی ہم اپنی شرع
ے ود مکلف ہیں اور اس میں فرق مدارج ملحوظ رکھتے ہیں۔ ہم ماں باپ پیرو
مرشد، حکومت سب کی اطاعت کریں گے۔ مگر خدا کی اطاعت کے بعد۔ ہم کو سب
لوگ عزیز ہیں۔ مگر اسکے مقابلہ میں کوئی بھی عزیز نہیں ہے۔ یہی ہماری توجیہ ہے
اسی کا سبق ہمکو رسول اللہ نے دیا ہے۔ ہم اپنے مذہب کی رو سے پابند
ہیں کہ خلافت کی قوت کو منتشر نہ ہونے دیں جسکو دشمن اسوقت منتشر کرنا چاہتے
تھے۔ یہ ہم نے بارہا گورنمنٹ سے صاف صاف ہندوستان میں بھی کہا، اور
لندن جاکر بھی کہا۔

"در اصل خلافت ترکوں میں محدود ہو گئی تھی۔ انہوں نے خلافت
کی خدمت جیسی کہ چاہئے تھی نہیں کی۔ دنیائے اسلام کے مضار و منافع کا پورا
لحاظ نہیں رکھا۔ اگر لحاظ رکھتے تو ۱۸۵۷ء میں بارگاہ خلافت کا فتویٰ
انگریزوں کی تائید میں صادر نہ ہوتا۔ اور اس سے پہلے ٹیپو سلطان کے نام
پیشگاہ خلافت سے فرمان نہ آتا کہ نیپولین عکہ میں ہے، فرانسیسی لامذہب
ہیں۔ وہ مسلمانوں کے اماکن مقدسہ یعنی جزیرۃ العرب میں داخل ہو گئے
ہیں اور اس پر قبضہ و تسلّط خلاف حکم رسول اللہ کیا ہے۔ تم انگریزوں سے
اتحاد کر لو،،

یہ خلافت کیا ہے احکام دین کو قایم رکھنا اور امر و نواہی کو جاری کرنا

اسکی کبھی تعمیل ہوئی، کبھی اس سے غفلت برتی گئی۔ جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا بعد جانشین بنانا چاہا۔ اور خطیب نے منبر پر چڑھکر اسکی تائید کی اور حضرت ابو بکرؓ کو بھی اپنا جانشین بنانے کا حوالہ دیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا کہ انہوں نے بیٹے کو اپنا جانشین نہیں بنایا، بلکہ حضرت عمرؓ کے لئے وصیت کی جو اسوقت بہترین امت تھے۔ یہ قیصر وکسرے کی سنت ہے ابو بکر کی نہیں ہے" حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی اقتدار خلافت کو قایم رکھنے کے لئے اپنی شہادت گوارا کی۔ اہل وعیال کی مصیبت وبے عزتی کا بھی خیال نہیں کیا" گویا یہ پہلی خلافت کیٹی آپنے قایم کی"

خواجہ غریب نواز

حضرت خواجہ معین الہند اجمیریؒ، سنجر سے اتنی دور آکر ایک پہاڑ کی چوٹی پر قدم جماکر بیٹھ گئے۔ کیونکہ سرکار رسالت نے عالم خواب میں آپکو یہ خدمت سپرد کی تھی۔ اس خدمت کو جانفشانی کے ساتھ ادا کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ مقتدر خاندانوں کی سلطنتیں مٹ گیئں مگر سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا اقتدار آج بھی قایم ہے اور بڑے بڑے والیان ملک کی گردنیں وہاں جھکتی ہیں۔ اگر اس بارگاہ میں پہنچکر مسلمانوں کو اپنی قلت کی بنا پر دوسروں کی کثرت سے خوف ہوا تو انہوں نے خواجہ کی مشن کو نہیں سمجھا۔ اسلام اپنی صداقت وروحانیت سے قلوب کو مسخر کرتا رہا ہے آج مسلمان بادشاہوں پر تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلانے کا غلط الزام لگایا جاتا ہے اگر ایسا ہوتا تو آج آپ کے صوبہ میں جہاں مسلمانوں

کی قوت آخر وقت تک قایم رہی۔ مسلمان ۱۵ فیصدی اور سندھ بنگال کے بعید علاقوں میں ۷۰ - ۸۰ - فیصدی نہ ہوتے۔ مولانا نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی مشہور رباعی پڑھی ؎

شاہ ہست حسین و بادشاہ ہست حسین
دین است حسین و دین پناہ است حسین
جاں دادو نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اسوقت اسلام کا نظام مٹایا جارہا تھا۔ ایک فاسق و فاجر کے ہاتھ پر بیعت لی جارہی تھی۔ اسکو آپنے جان دیکر روکا۔ اور صحیح نظام کو قائم کیا۔ گویا پہلی خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی یوں تو خلافت بعثتِ آدم کے وقت سے قایم ہے اِنِّی جاعِلٌ فِی الارضِ خلیفہ،، مگر اسلام خدا کا آخری مکمل قانون ہے اسی کے ساتھ نظام خلافت وابستہ ہے۔ رسول اکرم اپنے ذمہ کا پیغام بلاکم وکاست ہم تک پہنچا گئے۔ آپ اسکی شہادت دیں گے۔ پھر ہم سے باز پرس ہوگی کہ آیا تم نے بھی یہ پیغام دوسروں کو پہنچایا اسوقت ہم کیا جواب دیں گے ؟

ہمارا فرض

پہلے ہم صرف حامی خلافت تھے، اب صحیح معنے میں خلافت کمیٹی ہیں اور دنیا سے فتنہ و فساد دفع کرنے اور امن و سلامتی پھیلانے کا جو فرض خلافت پر عاید تھا وہ ہم پر عاید ہے۔ جبتک خلافت دوبارہ استقلال کے ساتھ قایم نہ ہوجا ہمارا فرض ہے کہ اسکو قایم کریں اور اسکی نگہداشت کریں کہ ہمارا خلیفہ بے اقتدا

نہ کر دیا جائے۔ ہمارا وہ قلعہ جزیرۃ العرب جہاں ہزیمت خوردہ فوج واپس آ کر اپنے کو دوبارہ کیل کانٹے سے درست کرتی ہے، وہ غیروں کے ہاتھ میں نہ پڑ جائے۔ عرب کا ملک وادی غیر ذی زرع ہے اسکی دولت کے باعث کسی کی رال اس پر نہیں ٹپکتی اسی کو امن کا قلعہ بنایا گیا ہے مصلحت یہ ہے کہ جو اللہ کو رب قدیر اور محمدؐ کو اسکا رسولؐ وخاتم النبیین مانتے ہیں وہ وہاں امن اور اطمینان سے رہ سکیں اور وہاں سے ساری دنیا کو امن وسلامتی کی دعوت دی جا سکے

خلافت

اب جو ترکوں نے الغائے خلافت کر دیا ہے تو خلافت کے دوبارہ قایم ہونے تک اس کے فرائض ہم کو ادا کرنے ہیں۔ یہ بھی اللہ کا ایک انعام ہے کہ، ایسے اہم کام کے لئے مسلمانان ہند کو منتخب کیا گیا ہے۔ اسلام کا نظام جمہوری ہے، اور ہر شخص پر نظام خلافت کی تقویت یکساں فرض ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے میدانِ کربلا میں احیاء خلافت ہی کے لئے عظیم الشان قربانی دی، انکی بظاہر شہادت ہوگئی۔ مگر درحقیقت انکو فتح حاصل ہوئی وہ قوت جو نظام خلافت کو دھمکی دے رہی تھی کچھ عرصہ بعد مٹ گئی، یاد رکھو جیسے ہم ہوں گے ویسا ہی ہمارا خلیفہ بھی ہوگا۔ ہماری حالت خراب تھی ایسا ہی ہمارا خلیفہ بھی تھا اب ہمارا حال یہ ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد ہم پھر اُسی مقام پر واپس آ گئے ہیں جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو اُٹھایا تھا ؎

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

اسوقت وہ کام ہمارے سامنے ہے جس کے لئے رسول اکرمؐ نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کے بعد خاص طور پر بھیجا تھا کہ میرے خاندان کا معتبر شخص جاکر وہ حکم سنائے کہ یاایھا الذین اٰمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا (اے ایمان والو مشرک تو نرے نجس ہیں ان کو بیت اللہ کے پاس بھی پھٹکنے نہ دینا) قریب نہ پھٹکنے دینا دشمن کے حربہ کی مار پر موقوف ہے۔ جب تلوار اور نیزہ اور تیر تھا۔ اسوقت حدودِ حرم سے باہر رکھنا ہی کافی ہوتا۔ مگر اب یہ کام کوئی آسان نہیں ہے، جہاں ۵ ہزار میل سے ۸ ہزار میل تک فیر کرنے والی توپیں موجود ہوں، آلات ہوائی ہوں اور اسکے ساتھ مسٹر لائیڈ جارج کی "نقرئی گولیاں" بھی کام کرتی ہوں جن کی مار سب سے دور کی ہے۔ اس لئے جزیرۃ العرب میں انگوٹھا بھی نہ ٹیکنے دینا چاہیئے سلطان ابوبکر، امام حسین کی سنت کو چھوڑ کر قیصر و کسرے کی سنت پر چل رہے ہیں، خدا نے خود والعصر فرماکر تاریخ اور دنیا کے تجربہ کی قسم کھائی ہے اس شاہد سے زیادہ سچا گواہ کون ہے، جس سے خداوند کریم اپنے بیان کی تصدیق کرائے، تیرہ سو برس کی تاریخ اور انسانی تجربہ ہمکو یہ بتاتے ہیں کہ جب تک ملوکیت اور امارت اور سلطنت کو چھوڑ کر ہم خلافت اور امامت کو زندہ نہ کریں گے تب تک ہم ترقی نہیں کرسکتے، سنّتِ قیصر و کسرے کو چھوڑ دو، سنتِ ابوبکر و عمر، عثمان و علی، حسن و حسین پر عمل کرو اور خلافت کو زندہ کرو۔ ہمکو مایوس ہونیکی کوئی وجہ نہیں خواہ ہماری تعداد کتنی ہی کم ہو۔ زندگی جاوید کی راہ یہی ہے۔ خود اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں، آج یزید کی قبر کا

پتہ نہیں گھر گھر بلائیں ہر شہر میں ملجائیں گی۔ ہم کو اسی نظام خلافت کو زندہ کرنا ہے۔ سارے عالم کو دین حق کی دعوت دینی ہے ہم کو تنہا خوری کی عادت نہیں جیسی کچھ پھیکی، سیٹھی، کھچڑی ہمارے پاس ہے اسکو ہم نعمت سمجھ کر" میں بیٹھ کر نہیں کھاتے، جسکے اندر کوئی نہ آسکے، بلکہ سب کو کھانے کے لئے بلاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ الزام ہم پر یہ ہے کہ زبردستی کھلاتے ہیں۔

اسلام کی بنیاد

اسلام کی بنیاد ہی جمعیتہ پر رکھی گئی ہے سب سے بڑا حقیقی نظام اشتراکی ہمارا ہے۔ مولینا عبدالباری صاحب میرے پیرو مرشد تنہا سفر نہیں کرتے کسی نہ کسی شخص کو ساتھ ضرور رکھتے ہیں، اپنی خدمت کے لئے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ ہر وقت نماز باجماعت پڑھ سکیں۔

ایک شخص رسول اکرمؐ کے خطبہ پڑھنے کی حالت میں آکر نمازیوں کے پیچھے بیٹھا کرتا تھا۔ ایک بار آپ نے اس سے ارشاد کیا کہ دو رکعت سنتیں پڑھ لے۔ آپ کے ارشاد پر سب لوگوں نے پیچھے پھر کر دیکھا کہ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اور ستر عورت بھی مشکل سے میسر ہوا تھا۔ دیکھتے ہی لوگ سمجھ گئے اور نماز کے بعد سب نے اپنے بھائی کی مدد کی۔ کئی شخصوں نے اسکو کپڑے لاکر دئے۔ کھانا کھلایا۔ دیکھئے ایک نماز جماعت کے بدولت اس شخص کو کسقدر فائدہ حاصل ہوا مسلمان کے لئے روزانہ پانچوں وقت کی نماز حتی المقدور مسجد میں پڑھنے کی تاکید ہے۔ پھر ہفتہ میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے مسلمان ایک جگہ جامع مسجد میں پڑھیں سال میں دو مرتبہ قصبہ و

مضافات کے رہنے والے ملکر نماز عیدین ادا کریں۔ عمر میں ایک بار ساری دنیا کے مسلمان بیت اللہ جا کے فریضۂ حج ادا کریں۔ پھر سب مسلمان اپنی نمازوں میں قبلہ کی طرف منہ رکھیں یہ سب جماعتی احساس کی تقویت کے لئے ہے، کون فلسفۂ اجتماع کو شارع اسلام سے بڑھکر جان سکتا ہے، ایک ہندو کارکن کانگریس نے جیلخانے سے نکلنے کے بعد مسجدوں کو نمازیوں سے خالی دیکھ کر حسرت سے کہا "کاش کہ یہ چیز ہمارے پاس ہوتی"

آج ہم موتمر اسلامی کے انعقاد کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مذہب نے ایک موتمر (بذریعہ حج) ہر سال قایم کرنیکا بندوبست کر دیا ہے مناسک حج کی روح کیا ہے، وہی جماعت تبادلۂ خیالات باہمی ہمدردی، عرفات کے میدان میں لاکھوں مسلمان ہر حصۂ دنیا سے آکر جمع ہوں ایک دوسرے کے دکھ درد کو جانیں۔ ہم نے اپنی بے پروائی سے اس مقصد عظیم کو فوت کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ جس دن یہ موتمر اسلامی قایم ہو گئی، اسی روز دنیا میں ایک انقلاب رونما ہوگا۔ جو فرانس اور روس دونوں کے انقلاب سے بڑا ہوگا۔

موتمر

کہا جاتا ہے کہ موتمر قایم نہیں ہو سکتی۔ بالفرض قایم نہ ہو سکے تو کیا ہم کو اسکی سعی و کوشش بھی نہ کرنی چاہئے، اور کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں نماز کے لئے کتنے وعظ ہوتے ہیں جو بے اثر ثابت ہوتے ہیں مگر واعظ برابر اپنے فرض کو ادا کئے جاتے ہیں۔ ہمکو ہمیشہ موتمر کے درپے رہنا چاہئے، آج ہم

سنّتِ حسین پر عمل کرنا چاہتے ہیں، اور اسلام کے نظام کو صحیح لائنوں پر لانے اور مضبوط کرنے کے خواہشمند ہیں۔ خلافت اسوقت نہیں ہے اسکا فیصلہ بعد میں ہوگا۔ وہ ایک شخصی مرکز ہے مگر مقامی مرکز کو فی الحال محفوظ کرنا چاہئے، وہ جزیرۃ العرب ہے، اور ہمارے امان پانے کے لئے مکہ مکرمہ کو بلدالامین کا لقب بارگاہ خداوندی سے ملا ہے، حقیقی مرغان حرم ہم ہیں نہ کہ وہ جنکو تم سمجھتے ہو، وہ مرغان حرم بھی اڑ گئے، اس جگہ گئے جہاں غلہ مل سکتا تھا، یعنی جدّہ پہلے جاؤ اس بام حرف کو صاف کرو جو تمہارا اصلی محفوظ نشیمن ہے، اسکے لئے ہم نے شریف حسین سے کہا کہ امیر فیصل سے میں نے خود کہا۔ مولانا صاحب نے فیصل کے ایجنٹوں کے کہنے سے پیرس میں شام کی حکمبرداری، فرانس کے خلاف جلسہ بھی منعقد کرنا چاہا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فرانسیسی جنہوں نے امیر فیصل کے ایجنٹوں کو صلاح دی تھی۔ صرف روپیہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں نہ ترکوں سے سوائے اسلام کے کوئی تعلق ہے نہ عربوں سے سوائے اسلام کے کوئی علاقہ، نہ شریف حسین اور اسکی اولاد سے ذاتی عناد اور بغض، نہ ابن سعود سے ذاتی غرض اور فائدہ ہمارا مسلک "الحبُّ لِلّٰہ والبغضُ للّٰہ" ہے۔ جب ہم فرانس کے وزیر اعظم موسیو ملران سے ملنے جاتے تھے تو ہمارے ایک ترک رفیق اور شریک کار نے ہم سے کہا کہ آپ سے موسیو ملران کہے گا کہ عربوں سے دوستی اور ترکوں سے دشمنی فرانس کو فائدہ نہ دے گی۔ الجزائر سے تونس اور مراقش کے عرب سر اٹھانے لگیں گے، میں نے آبدیدہ ہوکر اپنے ترک دوست سے پوچھا کہ کیا واقعی وہ ایک مسلمان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ الجزائر تونس اور مراقش

کے عربوں کی آزادی کے خلاف وہ ایک حرف بھی اپنی زبان سے نکال سکتا ہے اور وہ بھی ایک غیر مسلم کے سامنے۔ ہم ہندوستان کے مسلمان ترکوں کی محبت کے جوش میں اپنے ملک سے چلکر یورپ والوں سے استدعا کرنے نہیں آئے ہیں، بلکہ اسلام کی محبت کے جوش میں، اور ترک اور عرب ہمارے لئے یکساں ہیں بلکہ عرب کی سرزمین اور عرب کی زبان اور عرب کے لوگ ہمیں ترکی سرزمین اور ترکی زبان اور ترکوں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں، اسلئے کہ عرب کی سرزمین مہبط وحی ہے، عربی زبان قرآن کریم کی زبان ہے اور عرب کے لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت مند ہیں۔ لیکن خدا اور رسول کے احکام کا احترام عرب کی سرزمین، اور عربی زبان اور عرب کے لوگوں کے احترام سے زیادہ ضروری ہے۔ ہم نے ۱۹۲۰ء میں یورپ جاکر اخرج الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب کا جو حکم کفار کو سنایا تھا وہی آج بھی ۱۹۲۵ء میں ہم کفار اور مسلمان دونوں کو سناتے ہیں۔

حمیتِ اسلامی

ہم پر اس حکم رسول اکرم کا احترام شریف حسین اور اسکی اولاد کے احترام سے باوجودیکہ وہ آل رسول ہیں زیادہ کرنا واجب ہے اور اگر رسول خدا کا یہ حکم ابن سعود کے ذریعے سے پورا ہوتا ہے تو ہم صرف اس بناء پر کہ وہ نجدی ہیں اور آلِ رسول نہیں ہیں ابن سعود کی شکرگزاری کے فرض سے سبکدوش نہیں ہماری اپنی نہ کوئی ذاتی غرض ہے نہ ملکی ۱۹۲۰ء میں جب معاہدہ سیورے پر زبردستی ترکوں کے دستخط کرائے جارہے تھے میں نے پیرس کے ایک جلسہ میں اس معاہدے کی ایک کاپی کو دکھا کر (جو مجھے ایک دوست سے ملگئی تھی) اور جسے میں نہایت

احتیاط سے خفیہ اپنے پاس رکھا کرتا تھا) ان ترکوں اور عربوں سے جو اس جلسے میں موجود تھے کہا کہ اگر یہاں کوئی بے حمیت اور بے غیرت ترک موجود ہے جو اس پر دستخط کرنے کو تیار ہو تو میں اس سے کہے دیتا ہوں کہ وہ دستخط کر دے۔ مگر ہم ہندوستان کے مسلمان اتنے بے حمیت اور بے غیرت نہیں ہیں کہ اس پر راضی ہو کر خاموش بیٹھ جائیں اور اگر اس جلسہ میں کوئی بے حمیت اور بے غیرت عرب موجود ہو جو اس پر دستخط کرنے کو تیار ہو تو میں اس سے بھی کہے دیتا ہوں کہ وہ دستخط کر دے مگر ہم ہندوستان کے مسلمان اتنے بے حمیت اور بے غیرت نہیں کہ اس پر راضی ہو کر خاموش بیٹھ جائیں۔ اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ اسوقت تو بعض غدار ترکوں اور عربوں نے اس معاہدہ سیور پر دستخط کر دئے مگر بعد کو معاہدہ لوزین پر قوم پرور ترکوں نے اپنے دشمنوں اور دشمنان اسلام سے دستخط کرائے، لیکن آپ کو یہ معلوم ہے کہ آپکی ان کوششوں کا جو آپ نے جمعیۃ خلافت کے ذریعہ سے کی تھیں اس کامیابی میں کس قدر حصہ تھا؟ لالہ لاجپت رائے صاحب سے ترکوں نے کہا کہ تمہارے ہندوستان کے بھیجے ہوئے چندہ سے ہمارا اتنا کام نہیں چلا جتنا کہ ہندوستان والوں کی تقریروں اور تحریروں سے اور انکی طرف سے ہم نے ان تقریروں اور تحریروں کو ترکی میں ترجمہ کرا کے شایع کیا اور اپنے ترکی بھائیوں کو غیرت دلائی کہ دیکھو ہندوستانی جو نہ تمہارے ملک کے ہیں اور نہ تمہاری زبان بولتے ہیں نہ تم سے نسبتی تعلق رکھتے ہیں وہ کس قدر تمہاری آزادی کے خواہاں ہیں کیا تم اپنی اور اپنے وطن کی آزادی کی اتنی بھی قدر نہیں کرتے؟ رؤف بے نے

جو صلح لوزین کے وقت ترکی کے وزیر اعظم تھے ڈاکٹر انصاری صاحب سے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اس صلحنامے پر دستخط ہونے سے پہلے ہمیں بار بار کتنی مایوسی محسوس ہوتی تھی۔ بعض وقت تو تھک کر جی چاہتا تھا کہ جو شرائط بھی یورپ پسند کرے انہیں پر ہم بھی دستخط کر دیں۔ مگر پھر خیال آتا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا منہ دکھائیں گے جنہوں نے ہماری خاطر سخت مصائب برداشت کیں اور اس فراخ دلی سے ہمارے لئے چندے کئے جو جمعیت خلافت وقت کے وقت قایم ہوئی تھی اسکا اتنا اچھا نتیجہ نکلا اگر یہی نظام خلافت تمام عالم میں قایم ہو جائے اور مستقل ہو۔ جیسا کہ منشاء خدا و رسول ہے تو پھر کون ہے جو مسلمانوں پر ظلم کر سکتا ہے، اور ان کو ان کے ملکوں سے نکال سکتا ہے اور اسلامی حکومتوں کو صفحۂ دنیا سے مٹا سکتا ہے۔ اس عالمگیر نظام خلافت کو قایم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اسیکو قایم کرنا خلافت کمیٹی نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ جیسے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اس راستہ میں پہلا قدم نظامِ حکومتِ حجاز قایم کرنا ہے اور وہ ہر مسلمان پر خواہ حجازی ہو یا نہ ہو، عرب ہو، یا ترک، ایرانی ہو، یا افغانی، مصری ہو یا ہندوستانی یکساں فرض ہے۔

(۲)

آٹھ، نو برس میں ایک دفعہ بھی شریف حسین یا ان کے بیٹوں کی زبان سے نہیں نکلا کہ ارض حجاز میں سب مسلمانوں کا یکساں حق ہے، بلکہ آزادی عرب پر زور دیا جاتا تھا کہ رسول اکرمؐ، عیسیٰؑ، موسیٰؑ سے بھی پہلے عرب تھے، یہ وہ حمیت جاہلیت ہے، جس پر اللہ نے نفرین کی ہے، وہ ارض پاک سب مسلمانوں کا ترکہ

ہے کسی سنی مسلمان نے تیرہ سو برس میں اپنے منھ سے قبول نہیں کیا کہ باغ فدک حضرت فاطمہ کا ورثہ تھا۔ پھر عرب کی مقدس سرزمین کو ہم محض آلِ شریف حسین کا ورثہ کس طرح سمجھ لیں۔ میرے منھ سے شریف کے لئے ایک دفعہ خبیث کا لفظ نکلا تو ایک عرب نے جو جامع مسجد دہلی میں میری تقریر سن رہے تھے اور جو نجدیوں کے سخت مخالف تھے اسپر کہا کہ آل رسولؐ کا احترام کرنا چاہئے، میں نے کہا کہ ہم سنت رسول پر عمل کرتے ہیں جنہوں نے اپنے اصحاب کو ایک معزز خاندان کی عورت بنام فاطمہ پر حد سرقہ جاری کرنے میں متامل دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ پر چوری ثابت ہو تو اسکا بھی ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اگر ہم رسولؐ کی آخری وصیت کا احترام نہ کریں اور اس شریف اور اسکی اولاد کو جزیرۃ العرب میں کفار کی حکومت قایم کرانے میں مدد دیں یا کم از کم ان بداعمالیوں پر انہیں کچھ نہ کہیں تو کیا ہم مواخذہ حشر سے بچ جائیں گے؟

ہم ۹ برس کے تلخ تجربے کے بعد، شریف حسین یا اوسکی اولاد کا دخل حکومت حجاز میں گوارا نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم وہاں سے ملوکیت ہی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اور تیرہ سو برس پہلے کی حالت پر واپس آنا چاہتے ہیں، مگر وہاں کا انتظام حجازی ہی کریں گے۔ جب ہم افغانستان کو افغانوں کے لئے مصر کو مصریوں کے لئے چاہتے ہیں تو رسول کی اولاد اور ان کے ہموطنوں کو کیونکر ان کے مسلمہ حقوق وطینت سے محروم کر سکتے ہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب نے ایک حدیث مجھ سے بیان فرمائی کہ "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (یعنی کسی مخلوق کی اطاعت کسی ایسے امر میں کرنا جس سے خود خالق کی

نافرمانی ہوتی ہو جائز نہیں ہے۔ جو میں نے مسلمانان ہند کے مذہبی فرائض کی تشریح کرنے کے لئے مسٹر لائڈ جارج کو آخری خط کے جواب میں ان کو لکھ کر بھیجدی تھی، اور ان کے حکم کی نافرمانی کی تھی تاکہ خدا کی نافرمانی نہ ہو۔ اس حدیث کے ماتحت اگر حجازی اپنے ہاں ملوکیت قایم کرنی چاہیں تو ہم اسکو نہ مانیں گے اسی طرح جمعیۃ خلافت کے متعلق حجاز کی قرار دادوں میں سے ایک یہ ہے کہ غیر مسلمین کا کوئی اثر و نفوذ اس مقدس سرزمین میں نہ ہونا چاہئے۔ وہاں کوئی زرعی یا معدنی دولت بھی نہیں ہے۔ جسکی خاطر اغیار کو وہاں جانیکا شوق ہو، اگر وہ جائیں گے تو ہم اُن سے لڑیں گے ہماری خواہش ہے کہ حج کے راستہ صاف اور کھلے ہوئے رہیں۔ ہمیں حج اور عمرہ وغیرہ میں کسی قسم کی روک تھام نہ ہو، مؤتمر اسلامی مسلمانان عالم کے حقوق کی حفاظت کے لئے مناسب انتظامات طے کرے۔ اور اہل حجاز کو حسب ضرورت مدد دی جائے۔ حج کے لئے راستے کھلے رکھنے اور حجاج کی سہولت، امن اور آسائش اور اغیار و اجانب کے اثر اور نفوذ کو دور رکھنے کے لئے حجازیوں کی حکومت پر مندوبین موتمر اسلام کی دیکھ بھال لازمی ہے۔

اس امر کے متعلق میں کچھ عرض کرنے سے پہلے دو باتیں صاف کرنا چاہتا ہوں، اول یہ کہ میں قبول وغیرہ کے متعلق کچھ کہنے لکھنو نہیں آیا ہوں بلکہ کسی جگہ بھی میں نے اس بارہ میں کوئی تقریر نہیں کی ہے اور نہ میں نے اپنے اخباروں میں اسکے متعلق کچھ تحریر کیا ہے۔ مجھے عالم دین ہونیکا دعویٰ نہیں اور میرا مبلغ علم اتنا نہیں کہ میں اس بارہ میں اپنی رائے دوسروں سے منوانا

چاہوں - میں تمام مذہبی امور میں اپنی رائے خود ضرور قایم کرنے کی کوشش کرتا ہوں - اور اپنے مبلغ علم کی کمی کو علماء کرام کی مدد سے دور کیا کرتا ہوں، قرآن کریم کو خود پڑھتا ہوں - مولانا عبدالباری صاحب - مولینا حسین احمد صاحب مولانا کفایت اللہ صاحب وغیرہ ہم سے احادیث اور فقہ کی رایوں اور فتووں کو حاصل کرتا ہوں، اور پھر ان سب کو غور سے اور بار بار پڑھکر اپنی رائے خود قایم کرتا ہوں - اسلئے کہ میں تقلید جامد کا قائل نہیں اور ہر مسئلہ کو کسی ایک عالم کی رائے پر چھوڑ کر خود اپنی عقل کو استعمال نہ کرنے کی بابت مواخذہ حشر سے بچنے پر میرا ایمان نہیں ہے -

ابتک جو کچھ میں نے قبوں اور تخصیص قبور کی بابت پڑھا اور سنا ہے اسکی مدد سے ایک حدتک میں نے اپنی رائے قایم کی ہے مگر مجھکو اسپر اتنا وثوق نہیں ہے کہ میں اس بارہ میں اپنے خیالات کی تبلیغ کو ضروری سمجھوں - اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں اس مسئلہ میں اپنے خیالات کو چھپانا چاہتا ہوں - اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس بارہ میں تمہارا عقیدہ کیا ہے تو مجھے اسکے ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا - مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ خواہ مخواہ میں ہر سوال کرنے والے کو جواب دیتا رہوں - آجکل ہر شخص یہ سمجھنے لگا ہے کہ اسے حق ہے کہ جب چاہے جس شخص کے پاس چلا جائے یا اُسے خط لکھ بھیجے اور پوچھے کہ فلاں چیز کے متعلق تمہاری رائے یا تمہارا عقیدہ کیا ہے اور ایک لاطائل بحث چھیڑ دے اور اسکو اپنی حق تلفی سمجھے اگر وہ شخص وقت نہ ہونے کے باعث یا کسی اور وجہ سے جواب دینے اور بحث و مباحثہ کرنے سے انکار کر دے میری مشغولیت کا حال آپ صاحبوں کو غالباً معلوم ہوگا - افسوس ہے کہ میرے پاس

ضروری سے ضروری قومی کاموں کے لئے بھی کافی وقت نہیں ہے اور دوسرے قومی کاموں میں مشغولیت کے باعث مجھے اپنے اخباروں کی طرف بھی کافی توجہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور میرے اخباروں کے خریداروں کو مجھ سے شکایت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ تاہم اگر مجھے وقت ملسکا اور کسی صاحب نے قبوں کے متعلق میرا عقیدہ پوچھا تو مجھے اس کے ظاہر کرنے میں ذرا تامل نہ ہوگا۔ اسوقت اپنے عقیدے کو ظاہر کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں، بلکہ غیر مفید بھی، اسلئے کہ اندیشہ ہے کہ کہیں خلط مبحث نہ ہو جائے اور خلافت کمیٹی کا مسلک اور میرا عقیدہ دونوں گڈ مڈ نہ کر دیے جائیں۔ خلافت کمیٹی کا مسلک یہ ہے کہ وہ ہرگز اسے پسند نہیں کرتی کہ اہل قبلہ اور کلمہ گویوں کا کوئی فرقہ حرمین شریفین میں جو سب اہل قبلہ اور کلمہ گویوں کے لئے ہیں صرف اپنے فرقہ کے عقائد پر لوگوں سے بزور شمشیر عمل کرائے یا وہاں ایسی کارروائی کر گذرے جو اور فرقوں کے لئے دلآزاری کا باعث ہو اور اپنی قوت بازو کے زعم میں وہ فرقہ دوسرے فرقوں کی دلآزاری کی مطلق پروا نہ کرے۔ قبوں وغیرہ کے مسئلہ میں ایک بڑا اگر وہ اہل نجد کے خیالات سے متفق نہیں اور خواہ اہل نجد کے خیالات صحیح ہوں یا غلط یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی قوت بازو کے زعم میں قبوں وغیرہ کے متعلق وہ کارروائی کریں جو سب فرقوں کے نزدیک مسلمہ طور پر صحیح نہو۔ خلافت کمیٹی کو تمام کلمہ گو اور اہل قبلہ فرقوں کو ایک عظیم الشان کام کے لئے متفق اور متحد کرنا ہے جو قبوں کے انہدام اور انکی تعمیر دونوں سے بہت بڑا اور کہیں زیادہ ضروری اور بقائے قوت اسلام کے لئے کہیں زیادہ لازمی ہے۔ اسلئے میں نے سلطان ابن سعود کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا کہ، گو

آپ کی اور اہل نجد کی نیت محض اصلاح ہی کی ہے تاہم اصلاح کا وہ طریقہ نہ اختیار کرنا چاہئے جس سے اصلاح کم اور فساد زیادہ ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص دلوانے کی غرض سے بصرہ تشریف لیگئی تھیں اور اس سلسلہ میں سخت کشت و خون جنگ جمل سے پہلے ہی واقع ہوا تھا تو ایک بزرگ نے جو غالباً قاضی تھے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اصلاح کی نیت سے، اس پر انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بصرہ تشریف لانیسے پہلے چھ ہزار مسلمانوں کی جانیں اس اصلاح کی کوشش میں جاچکی ہیں، معلوم نہیں انکی تشریف آوری پر کتنے اور مسلمانوں کی جانیں جائیں تو حضرت عائشہؓ پر اسکا بہت بڑا اثر ہوا اور آپنے صلح پر فوراً آمادگی ظاہر فرمادی۔

اسی طرح سلطان ابن سعود کو بھی قبوں وغیرہ کے معاملہ کو اصلاح خیالات کے بعد اُٹھانا چاہئے انکو چاہئے کہ بڑے بڑے امور میں اصلاح کر کے پہلے عالم اسلام میں اپنی ساکھ قائم کریں۔ اور کباٹر کو ارض مقدس حجاز سے دور کرادیں۔ جب اور فرقہ والوں کے دلوں میں ان کے خلاف تعصب نہ رہے گا تو قبوں وغیرہ کے مسئلہ میں بھی وہ انکی بات ٹھنڈے دل سے سننے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ بہرحال صرف اس بناء پر کہ وہ اور ان کے نجدی قبائل اسوقت قوت رکھتے ہیں کہ قبوں کا انہدام کرادیں ان کا انہدام مناسب نہیں اسطرح تو اگر کل اہل تشیع کو بھی قوت اور قدرت حاصل ہوئی اور انہوں نے اپنے بعض عقاید اور خیالات کی بناء پر اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مزاروں کو

روضۂ رسول کے پاس سے علیحدہ کرنا چاہا تو کیا اسوقت ہماری دلآزاری نہ ہوگی۔ ہم کو اسلام کے تمام فرقوں کی مدد سے ابھی جزیرۃ العرب کو کفار کے قبضہ اور تسلّط، اثر و نفوذ سے نجات دلانا ہے۔ اور نظامِ خلافت کو دوبارہ زندہ قایم اور مستحکم کرنا ہے اور ارضِ پاک کے فسق و فجور سے پاک کرانا ہے۔ جب یہ بڑے بڑے کام ہولیں گے تب چھوٹی چھوٹی اصلاحیں خواہ عقاید کی ہوں یا اعمال کی، بھی انجام پاسکیں گی۔

دوسرا امر جس کے متعلق مجھے غلط فہمی کو دور کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے شرکاءِ کار اور خلافت کمیٹی صرف اپنے اپنے افعال و اعمال کی ذمہ دار ہیں۔ ہم نہ سلطان ابن سعود کے اعمال کے لئے ذمہ دار ہیں نہ اہل نجد کیلئے "لا تزر وازرۃ وزر اخری" کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا صرف ہماری کارگزاری کے متعلق ہم سے سوال کیجئے۔ ہم اہل نجد کی کارروائیوں کو جہانتک ہمیں ان کا علم ہے بتا سکتے ہیں اور انکی جو توجیہہ ہمیں معلوم ہے وہ بھی بتا سکتے ہیں۔ مگر ہم ان کے حامی اور وکیل بنکر یہاں نہیں آئے ہیں اس لئے انکی کارروائیوں کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہیں ہے۔

اب ان امور کو واضح طور پر اور صاف صاف بیان کرنے کے بعد ہمیں قبوں وغیرہ کے انہدام کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ واقعات سوائے ایک چھوٹی خبر کے جو ریوٹر کے تار کے ذریعہ سے چند ماہ ہوئے کہ ہندوستان آئی اور جس میں خود ہندوستان میں رنگ آمیزیاں کی گئیں۔ حال کے، بلکہ اس

سال کے بھی نہیں ہیں، یہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں پیش آئے تھے، اس تاریخ کو خوب ذہن میں رکھئے۔ پھر بتائیے کہ تقریباً ایک سال کے بعد اس باسی کڑھی میں ابال کیوں آیا (حاضرین میں سے ایک صاحب، "اسوقت ان واقعات کا علم نہ تھا، بعد کو علم ہوا) قبول، اگر اسوقت ان حضرات کو، ان واقعات کا علم نہ تھا تو پھر خلافت کمیٹی سے کیوں شکایت ہے، علمِ غیب کا تو ہے بھی دعویٰ نہیں۔ اس پر یہ تہمت کیوں تراشی جاتی ہے کہ وہ ابن سعود کے ایجنٹوں اور نمک خواروں کی ایک جماعت ہے۔ جو ابن سعود اور نجدیوں کی کارروائیوں پر پردہ ڈالنا چاہتی ہے۔ جتنا علم ان حضرات کو تھا اس سے زیادہ ہمیں بھی نہ تھا بلکہ جو کچھ ہمیں بھی معلوم ہوا وہ بھی زیادہ تر اوروں کے توسط سے،

مجھے یاد ہے کہ اواخر اکتوبر ۱۹۲۴ء میں جب مہاتما گاندھی ۲۱ دن کے برت کے بعد دھلی میں مقیم تھے، اور بتدریج قوت حاصل کرتے جاتے تھے تو ایک دن حکیم اجمل خاں صاحب نے مہاتما گاندھی کی قیام گاہ سے لوٹتے وقت موٹر میں مجھے ایک خط کی مطبوعہ نقل دکھائی جو کسی ہندوستانی نے غالباً طائف کے واقعات کے بابت نہایت جوش انگیز الفاظ میں لکھا تھا۔ اسکے علاوہ مجھے وہی معلوم تھا جو رؔیوٹر کے تاروں میں تھا اور مناسب معلوم ہوا کہ ان الزامات کی مزید تحقیقات کی جائے اور بہرحال مزید کشت و خون بند کیا جائے۔ خلافت کمیٹی کے کارکن اس سے چار ہفتہ بیشتر ہی اپنی ورکنگ کمیٹی کے فیصلے مورخہ ۵ اکتوبر کو جس کا ذکر کافی وضاحت سے مولینا شوکت علی نے اور میں نے آپکے سامنے کر دیا ہے، بذریعہ تار سلطان ابن سعود اور امیر علی دونوں کے پاس بھیج چکے تھے اب پھر

ایک بار پاسپورٹ حاصل کرنیکی کوشش کیگئی۔ اور جو جو شخص ہم میں کا حکومت ہند کے مقرر کردہ شرائط کے مطابق جاسکتا تھا ان میں سے ایک وفد کا جلد سے جلد انتخاب کیا گیا۔ جو لوگ میری طرح، بھائی کی طرح قید کی سزا بھگت چکے تھے وہ تو باوجود تمنا، اور آرزو کے ارض پاک حجاز کو نہ جاسکے۔ مگر جو کسی طرح اس سے بچ گئے تھے ان میں سے ہم نے اپنی دانست میں بہترین انتخاب کیا۔ مولینا سید سلیمان ندوی پہلے بھی ایک وفد خلافت کے لئے منتخب کئے جاچکے تھے اور آپ کا انتخاب خود مولینا عبد الباری صاحب نے فرمایا تھا۔ امیر فیصل سے آپ یورپ میں مل چکے تھے، آپ سے زیادہ موزوں شخص کوئی اس وفد کی سرکردگی کے لئے ملنا مشکل تھا۔ دوسرے رکن وفد مولوی عبد القادر صاحب قصوری صدر خلافت کمیٹی پنجاب تھے، آپ گو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر آپ کا شمول جماعت اہل حدیث میں ہے اور ایک ایسے وفد میں جو اہل نجد کی کارروائیوں کے متعلق حقیقت حال سے آگاہ ہونے کے لئے بھیجا جانیوالا تھا۔ اس جماعت میں سے ایک رکن کا انتخاب حق بجانب ہی نہیں بلکہ ضروری تھا۔ مولوی عبد القادر صاحب سے بہتر رکن ملنا ناممکن تھا۔ تیسرے رکن حنفی اور قادری تھے یعنی مولینا عبد الماجد صاحب بدایونی جنکی خدمات بطور صدر خلافت کمیٹی ایک عالم پر روشن ہیں۔ ہم نے حنفی اور قادری، ندوی اور اہلحدیث کسی کے انتخاب سے گریز نہیں کیا۔ مگر ایک بات ہر سہ ارکان میں مشترک تھی یعنی وہ خلافت کمیٹی کے بہترین کام کرنے والے اور اسکے مقاصد کے پکے حامی اور حامیان خلافت کے پورے معتمد تھے۔ ۱۸۔ دسمبر ۱۹۲۴ء کو یہ وفد بمبئی سے روانہ ہوگیا۔ جب اواخر نومبر میں

میں حکیم اجمل خاں صاحب اور ڈاکٹر انصاری کے ساتھ بمبئی گیا تھا اسوقت اس امر پر گفتگو ہوئی تھی کہ وفد کے جانے کی اطلاع امیر علی کو دی جائے یا نہیں، حکیم صاحب کا خیال تھا کہ جب امیر علی نے مؤتمر اسلامی کے متعلق ہم کو ایک بار بھی اطمینان نہیں دلایا۔ اور تشکیلِ حکومتِ حجاز میں مسلمانانِ عالم کے حق کو ایک بار بھی نہیں تسلیم کیا۔ حالانکہ سلطان ابنِ سعود نے اپنے ہر اعلان میں ہم سے ان باتوں میں اتفاق کیا تو ایسی حالت میں جدہ کے بادشاہ کو اطلاع دینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مناسب بھی نہ ہوگا۔ اس پر میں نے کہا کہ گو مجھے اسکا اندیشہ تو نہیں ہے کہ انگریزوں کا یہ آوردہ انگریزوں کے پاسپورٹ کی توہین کرے گا۔ اور ہمارے وفد کو جدّہ سے آگے نہ بڑھنے دیگا، تاہم رسمی طور پر ہی سہی لیکن اُسے اطلاع ضرور دی جائے اور بالآخر یہی کیا گیا۔ امیر علی نے ہمارے وفد کا خیر مقدم کیا اور جب وہ جدّہ پہنچا تو امیر علی کی طرف سے اسکا استقبال کیا گیا۔ اور وفد کو امیر علی کی حکومت کی طرف سے مہمان رکھا گیا۔ وفد سے امیر علی اور ان کے وزرا کی گفتگوئیں ہوئیں اور سلطان ابن سعود سے ملنے کا انتظام کیا گیا۔ سلطان نے اپنی موٹریں وفد کے لئے جدہ کے قریب بھیجدیں، اور دو دن وفد کا انتظار دیکھا شب کو امیر علی نے وفد سے کہا کہ آپ نے ہم کو دیکھ لیا۔ اب صبح کو جاکر سلطان ابن سعود کو بھی دیکھ لیجئے۔ ترازو کے ایک پلّے میں ہم کو رکھئے اور دوسرے پلّے میں ان کو اور ہم دونوں کا موازنہ کیجئے۔ مگر صبح ہوئی تو وفد کے ہاتھ میں صرف ایک پلّہ تھا۔ امیر علی نے وفد کو مکہ مکرمہ اور طائف وغیرہ جانیسے

روک دیا اور یہ شرائط پیش کیں کہ تحریر کے ذریعے سے جو امیر علی کی معرفت بھیجی جائے پہلے ابن سعود سے امیر علی کی شاہی حجاز قبول کرالی جائے، اور خلافت کمیٹی کی طرف سے بھی امیر علی کو حجاز کا بادشاہ قبول کر لیا جائے آپکو معلوم ہے کہ خلافت کمیٹی تو ۵؍ اکتوبر ہی کو حجاز کے لئے ملوکیت اور امارت اور سلطنت کو مسترد کر چکی تھی۔ اور آٹھ نو برس کے تجربہ کے بعد شریف حسین اور ان کے لڑکوں کی حکومت سے صاف صاف بیزاری کا اظہار کر چکی تھی وہ کس طرح یہ شرائط قبول کر سکتی تھی۔ اور ابن سعود کو جسکی قوت سے شریف حسین اور امیر علی دونوں فرار ہو چکے تھے کیا غرض پڑی تھی کہ وہ حجاز کے اتنے بڑے حصے پر قبضہ کرنے کے بعد امیر علی کو بادشاہ حجاز تسلیم کرتا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون تھا جس نے مکۂ مکرمہ اور طائف کے حالات پر پردہ پڑا رہنے دیا۔ ابن سعود جس نے وفد کے لئے موٹریں دو دن تک جدہ کے پاس ٹھہرائے رکھیں، یا خلافت کمیٹی جس نے کہ یہ وفد روانہ کیا تھا؟ جواب ظاہر ہے، مگر پھر بھی ہم پر الزام ہے کہ ہم نے حجاز کے واقعات پر پردہ ڈالا۔ انگریزوں اور ابن سعود کے درمیان معاہدہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے۔ امیر علی اور ان کے وزراء نے بھی ہمارے وفد سے گفتگو کرتے وقت اسی پر زور دیا تھا۔ ہمارے وفد نے ابن سعود کو اسکی بابت بھی خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ آپ تشریف لائیے اور ساری حقیقت سن لیجئے اور دیکھ لیجئے، لیکن امیر علی وفد کو کب جانے دیتے تھے۔ ہم نے تار پر تار بھیجے مگر امیر علی نے وفد کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اور وفد چند مہینے صرف کرنے کے

بعد بے نیل مرام واپس آیا۔ اور آجتک نہیں بتایا گیا کہ رات بھر میں وہ کیا معاملہ پیش آیا کہ امیر علی اور ان کے وزراء نے رائے بدل دی۔ ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ وفد نے تو امیر علی سے کہا کہ "تم جدّہ سے ابھی چلے جاؤ"، یہ سراسر جھوٹ ہے۔ وفد نے اس قسم کی کوئی گفتگو نہیں کی۔ لیکن خلافت کمیٹی تو ۵ر اکتوبر ہی کو اپنا وہ فیصلہ بذریعہ تار سلطان ابن سعود اور امیر علی دونوں کے پاس بھیج چکی تھی۔ جس میں ایک شرط یہ تھی کہ کوئی بھی حجاز کا بادشاہ یا امیر نہ ہوگا اور دوسری شرط یہ تھی کہ حکومت حجاز سے شریف حسین اور ان کے لڑکوں اور عمال سلطنت کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ پھر اب کونسی بات تھی جس کا علم رات کی گفتگو کے بعد، اور سلطان ابن سعود اور امیر علی کو ترازو کے دو پلوں میں رکھکر تولنے کی استدعا کے بعد امیر علی اور ان کے وزراء کو ہوا۔

یہ پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ اسوقت آیا جب موسم حج قریب آنے لگا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان جدّہ سے ہوکر گزریں، اور امیر علی ان پر بھاری بھاری ٹیکس لگاکر جدّہ پر اپنی حکومت کچھ دیر اور قایم رکھے یا ان سے بہ جبر اپنی بادشاہت تسلیم کرائے، اسی لئے ہم لوگ اور جمعیۃ العلماء کے اراکین سقوط جدہ کے منتظر تھے، اور مسلمانِ ہند کو متنبہ کر دیا تھا کہ ابھی حج کا ارادہ نہ کریں جسوقت راستہ صاف ہوجائیگا انہیں اطلاع دیدی جائیگی۔ مگر امیر علی نے جدہ سے سامانِ خوراک مکہ مکرمہ وغیرہ کو نہ جانے دیا تھا اسلئے گرانی کے باعث جیران اللہ کی حالت زبوں تھی۔ اور حاجی بھی بظاہر ان تک ان کا رزق پہنچانے کا ایک ذریعہ تھے۔ جوں ہی ہمیں اطلاع ملی کہ ابن

سعود نے تین بندرگاہوں پر قبضہ کرلیا۔ اور وہ عازمان حج کو دعوت دے رہے ہیں اور خشکی پر پہنچ جانے کے بعد ان کی امن و آسائش کا ذمہ لے رہے ہیں تو ہم نے لوگوں کو اطلاع دی کہ حج کا سامان کرو اور جہازوں کا انتظام کرنا شروع کیا۔ اب تو امیر علی بھی واقعات حجاز پر پردہ پڑا ہنیں رکھ سکتے تھے مگر کیا ہوا؟ حکومت نے جمعیتہ العلماء اور اراکین خلافت کمیٹی کے پچھلے انتباہات کو لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر صوبے صوبے، ضلع ضلع، شہر شہر، اور گانوں گانوں تقسیم کرانا شروع کیا۔ اور لوگوں کو یقین دلانا چاہا کہ جمعیت العلماء، اور خلافت کمیٹی بھی یہی چاہتی ہیں کہ لوگ حج کو اس سال نہ جائیں حالانکہ، یہہ انتباہات اسوقت کے تھے جبکہ سوائے جدہ کا حج کو جانے کے لئے کوئی اور راستہ ہی نہ تھا۔ یہی ہنیں بلکہ حکومت نے مدت تک جہاز راں کمپنیوں کو حج کے لئے مسافر لیجانے کی اجازت ہی ہنیں دی۔ گو اعلان بار بار یہی کیا جاتا تھا کہ ہم مذہبی معاملات میں مداخلت ہنیں کیا کرتے۔ مگر یہ واقعات تو آپ سب لوگوں کو بخوبی معلوم ہیں جبوقت بالآخر کمپنیوں کو ایک مہینہ سے بھی زیادہ انتظار کے بعد عین وقت پر ۱۱۔ مئی کو اجازت ملی تب بھی اسی دن حکومت نے ایک اعلان شایع کر دیا کہ اور بندرگاہیں جہازوں کے لئے خطرے سے خالی ہنیں۔ اور رابغ بندرگاہ اوروں سے بہتر ہے مگر وہ احاطۂ جنگ میں شامل ہے۔ اور اسلئے وہ راستہ بھی پر خطر ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر ایک بار بھی رابغ، یا رابغ سے مکہ مکرمہ تک کے راستے میں لڑائی ہنیں ہوئی۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ حج کا راستہ کس نے صاف کرایا ہم نے یا ہمارے مخالفین نے۔ ابن سعود نے یا امیر علی نے۔ جب حاجی روانہ

ہو گئے تو پورٹ سوڈان میں دو ہفتے انہیں کس نے پڑا رکھا؟ رابغ پر گولہ باری کرنے کے لئے کس نے دو کشتیاں توپ چڑھا کر روانہ کیں؟ اور وہ بھی عین اسوقت جبکہ اللہ کے مہمان اپنے میزبان کے گھر احرام باندھے ہوئے کفنی پہنے ہوئے، مُردوں کے لباس زیب تن کئے ہوئے، ایک جوں اور ایک چیونٹی کے مارنے سے بھی پرہیز کرنیکا عہد کئے ہوئے دعوتِ حق پر جوش بھری آواز میں لبیک! لبیک!! پکارتے ہوئے جارہے تھے، اگر امیر علی کو نبرد آزمائی کا بڑا شوق تھا تو جدّہ کے باہر جہاں وہ خار دار تاروں کے جال کے پیچھے، انگریزی قنصل خانے کے زیر سایہ چھپے بیٹھے تھے سلطان ابن سعود کی فوج مدت سے انکی ملاقات کے شوق میں آئی ہوئی بیٹھی تھی وہاں حملہ نہ کیا گیا؟ رابغ پر ہی حملہ کرنا تھا تو حج سے پہلے کیا ہوتا۔ پہلے نہیں تو بعد کو بھی حملہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ ابن سعود سے کیسی لڑائی تھی کہ احرام بند حاجیوں پر گولہ باری کرکے لڑی جارہی تھی؟ اب میں پھر پوچھتا ہوں کہ واقعات حجاز پر پردہ ڈالنے کی کوشش کس نے کی۔ ابن سعود نے جس نے حج کا راستہ صاف کیا۔ اور سارے عالم کے مسلمانوں کو دعوت دی، یا ہم نے جنہوں نے اس دعوت پر "لبیک" کہا۔ اور نہ صرف حاجیوں کو بلکہ ان کی خدمت اور تحقیق حالات کے لئے متعدد صوبوں سے اپنے نمایندے روانہ کئے؟ یا حکومت نے جس نے حج کے راستہ میں بہت سی رکاوٹیں ڈالیں؟ یا ہمارے مخالفین نے جنہوں نے کیسکو ترغیب نہیں دی کہ جاکر حج کرے اور بیران اللہ کی مصائب کم کرے۔ نہ کسی وفد کو تحقیق حالات کے لئے روانہ کیا؟ یا امیر علی

نے جس نے جدّہ کے باب الحج کو بند رکھا اور جو رابغ کا دروازہ ابن سعود نے کھولا تھا۔ اسکو بھی اپنی توپ چڑھی ہوئی کشتیوں سے بند کرادینا چاہا؟ پردہ دار کون تھا اور پردہ در کون تھا؟

سب سے پہلے مکہ مکرمہ کے صحیح اور تفصیل وار حالات کس نے ہندوستان والوں کو سنائے۔؟ کیا وہ ہمارے ہی نمایندے نہ تھے، جن کے لئے ہم نے مشکل سے زادِ راہ بہم پہنچایا تھا؟ دہلی میں نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں غربا سے روپے لے لے کر، محلوں کی مسجدوں میں دو دو گھنٹے تقریر کر کے دس دس بارہ بارہ روپیہ وصول کر کے، خود میں نے اپنے پاس سے افلاس کے باوجود سو روپے دینے کا وعدہ کر کے، اور جب اس پر بھی تین سو روپے سے زیادہ نہ ملا تو بقیہ روپیہ ایک اور مد سے اس ضمانت پر قرض دلا کر کہ اگر جناب صدر حکیم اجمل خاں صاحب جنہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ معطی سے یہ رقم خلافت کمیٹی کو دلا دیں گے، نہ دلا سکے تو باقی رقم بھی میں ادا کر دوں گا یعنی چھ سو روپیہ میں سے چار سو مجھ سا مفلوک الحال شخص ادا کرے گا، دہلی کے نمایندے کو بھجوایا لیکن پھر بھی پردہ داری کرنیوالا میں اور ہمارے مخالفین پردہ دری کرنے کے مدعی ہیں۔

میں ہر شخص کو چیلنج دیتا ہوں کہ من گھڑت باتیں نہیں، صحیح واقعات میں سے ایک ہی واقعہ ایسا بتا دیا جائے جو ہمارے نمایندوں کے علم میں تھا اور سب سے پہلے اُنہیں نے مسلمانان ہندوستان کو اس سے مطلع نہیں کیا۔ ہمارے نمایندوں نے بمبئی جانے کا انتظار نہیں کیا بلکہ کراچی سے جہاز سے

اتر کر دہلی چلے آئے اور مولینا شوکت علی صاحب کو بھی یہیں بلایا۔ وہ اس
وقت آپ ہی کے شہر کے دارالاقامۃ ندوہ کے لئے چندہ کر رہے تھے،
اور نہ آسکے مگر تار دیا کہ مولوی قمر احمد صاحب کو جو سب سے پہلے خود مرکزی
خلافت کمیٹی کی طرف سے روانہ ہوگئے تھے، فوراً بھیجدو تاکہ صحیح حالات معلوم
ہوں۔ یہ نمایندے ایک رپورٹ مرتب کر کے لائے تھے اس رپورٹ کو
اسوقت شایع کیا جا سکتا تھا جبکہ وہ خلافت کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے
پیش ہو چکے۔ مگر اس کا بھی انتظار نہ کیا گیا۔ اور مولینا شوکت علی صاحب
نے ہزاروں کی تعداد میں اسے چھپوا کر تقسیم کرا دیا۔ لیکن یہ نمایندے جمعرات
کے دن دہلی پہنچے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ رپورٹ کے دفتر خلافت
میں پہنچنے کا بھی انتظار نہ کیجئے بلکہ جمعہ کے دن جامع مسجد دہلی میں تمام واقعات
کا بالتفصیل اظہار کر دیجئے۔ جو کچھ آپ نے دیکھا اور معلوم کیا ہے اسکو سچ
سچ بیان کر دیجئے کسی مصلحت کو دخل نہ دیجئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ حضرات
کچھ چھپانا چاہتے بھی تو بیکار ہوتا اس لئے کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی حج کو
گئے تھے۔ اور ان کو واقعات ظاہر کرنے سے کون روک سکتا تھا۔ یہ اس لئے
کہتا ہوں کہ آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ پردہ داری کا خیال کسی صحیح الدماغ شخص
کے دل میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اب آپ بتائیے کہ یہ کس طرح صحیح ہے کہ ہم نے
واقعات حجاز پر پردہ ڈالا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی نے پردہ ڈالا ہے
تو وہ امیر علی اور ہمارے مخالفین تھے۔ اور اگر کسی نے پردہ اُٹھایا ہے تو
وہ ہمیں ہیں۔

حصولِ اطمینان

ہم نے پردہ ہی نہیں اُٹھایا، بلکہ واقعات کا علم ہونے کے بعد جو کچھ کیا جاسکتا تھا وہ ہم نے کیا۔ ہمارے نمایندوں کو سب سے پہلے اسکا خیال ہوا کہ کہیں یہ واقعات مدینہ منورہ میں پیش نہ آئیں۔ اس لئے سب سے پہلے انہوں نے سلطان ابن سعود سے مدینہ منورہ کے متعلق اطمینان حاصل کیا اور وہ نہ صرف زبانی حاصل کیا کہ وہاں جو فوج بھیجی گئی ہے وہ غطغط اور وخنہ کی طرح کے قبائل نہیں ہیں۔ اور اسکے سردار سلطان کے خاص آدمی، اور ان کے رشتہ دار ہیں، اور اسی غرض سے منتخب کئے گئے ہیں کہ وہاں یہ واقعات رونما ہوں، بلکہ ہمارے نمایندوں نے سلطان ابن سعود سے ایک تحریری بلاغ بھی حاصل کیا جسکو وہیں چھپوالیا گیا۔ اور ہندوستان آتے ہی اسکو شایع بھی کر دیا گیا۔

انہدامِ مقابر

اس بلاغ میں صاف ظاہر کر دیا گیا تھا کہ آیندہ قبوں وغیرہ کا انہدام کا مسئلہ مؤتمر اسلامی پر چھوڑا جائیگا۔ اور جب بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ دنیا کے مسلمان انہدام کو پسند نہیں کرتے تو ان کے نمایندوں اور مندوبین کی مؤتمر کیونکر انہدام کا حکم دے سکتی ہے؟ مکہ معظمہ وغیرہ کے آثار اور مشاہد کے متعلق ہمارے نمایندوں سے ابن سعود نے وعدہ کیا کہ اگر علمائے عالم اسلام حکم دینگے کہ انہیں دوبارہ تعمیر کرایا جائے تو پہلے وہ اینٹ اور پتھر کے تعمیر

مگر میں انہیں چاندی اور سونے کا بنوا دوں گا۔ اگر آپ کہیں، ابن سعود کے وعدوں کا اعتبار نہیں تو میں آپ سے پوچھوں گا کہ پھر آپ کیا کرینگے شریف حسین نے تو کسی اصلاح کا وعدہ بھی نہیں کیا تھا۔ ہم نے اس کا کیا کر لیا؟ ہم نے اسکے خلاف بیزاری کا اظہار کیا، اور خدا سے دعا کی کہ اسکی حکومت الحاد و ظلم سے ہم کو نجات دے۔ الحمد للہ کہ خدا نے ہماری سن لی۔ اور سلطان ابن سعود کے ذریعہ سے ہمیں اس مصیبت عظمیٰ سے نجات دلائی سلطان ابن سعود نے پہلے دن سے آجتک ہماری رائے سے اتفاق کیا ہے، اور مسلمانان عالم کو تشکیل حکومت حجاز کرنیکا حقدار قرار دیا ہے، اور حجاز کی بادشاہی سے ہمیشہ انکار کیا ہے۔ مجھے ان کے قول پر پورا اعتماد ہے اور انکی نیت کو بخیر سمجھتا ہوں لیکن مجھے علم غیب کا دعویٰ نہیں، اگر آگے چلکر یہ ثابت ہو کہ انکی نیت بگڑ گئی، اور وہ حجاز پر قابض ہونے کے بعد وہاں کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں اور عالم اسلام کے عقاید اور رایوں کا پاس نہیں کرتے تو پھر ہم وہی کریں گے جو ہم نے شریف حسین کے خلاف کیا تھا۔ ان کے خلاف بھی عالم اسلام میں بیزاری پھیلائیں گے، اور اسی خدا سے پھر دعا کریں گے جس نے ہمیں غدار شریف حسین کی حکومت سے نجات دلائی اور مکہ مکرمہ کو اسکے الحاد و ظلم سے پاک وصاف کیا۔

میں نے سنا ہے کہ اہل نجد تو مدینہ منورہ کو بھی مکہ مکرمہ کی طرح حرم مانتے ہیں اور اگر آئمہ میں سے کوئی مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا قائل نہیں تو وہ خود ہمارے امام صاحب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں گو احترام دونوں کا وہ بھی فرماتے ہیں مگر ان کا یہ خیال نہ تھا کہ امام وقت منادی کی

اصلاح کے لئے مدینہ منورہ میں بھی اسی طرح کسی مفسد پر تلوار نہیں اُٹھا سکتا جس طرح کہ وہ مکہ مکرمہ میں نہیں اُٹھا سکتا۔ بلکہ جس طرح صرف رسول اکرمؐ کے لئے صرف چند گھنٹوں کے لئے مفسدین کا خون بہانا حدود مکہ میں حلال کر دیا تھا۔ اور اسکے بعد سے تا قیامت بالکل بند ہے اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی خون بہانا حرام ہے۔ اور فساد کا علاج صرف محاصرہ سے ہو سکتا ہے یہ مذہب میں نے سنا ہے کہ برخلاف اور تینوں ائمہ کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نہیں ہے اور وہ مدینہ منورہ میں فساد کی بیخکنی کو جایز سمجھتے تھے، ابن سعود اور نجدی اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں۔ گو طائف میں انہوں نے خون بہایا، مگر مکہ مکرمہ میں وہ حالت احرام میں داخل ہوئے اور وہاں مطلق خونریزی نہیں کی۔ مدینہ منورہ کو بھی وہ حرم سمجھتے ہیں اور وہاں بھی صرف محاصرہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔ گو اس میں ان کے مصارف بہت زیادہ ہوں گے۔ اور ہجوم کر کے وہ چند دن مدینہ منورہ پر قبضہ کر سکتے ہیں وہاں نجدی چند کھجوریں کھا کر سارا دن گزار دیتے ہیں اور عام العسرت اور جنگ تبوک کے غازیوں کی یاد کو جو آدھی کھجور پر سارا دن گزار دیتے تھے تازہ کر رہے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ اپنے عہد پر قایم رہیں گے، اور مدینہ منورہ میں بھی مکہ مکرمہ کی طرح نہ صرف خونریزی سے پرہیز کرینگے بلکہ وہاں کے آثار اور مشاہد کو ہرگز منہدم نہ کریں گے اور جس طرح خود ابن سعود کے آجانے کے بعد مکہ مکرمہ میں بھی کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بھی کوئی واقعہ پیش نہ آئیگا۔ ایک بچہ بھی سمجھ

سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے واقعات سے خواہ وہ نجدیوں کے عقاید کے مطابق کتنے ہی درست کیوں نہ ہوں ابن سعود کی مشکلات کا اضافہ ہوگیا، وہ عالم اسلام کو خوش کرنا چاہتے ہیں نہ کہ شریف حسین اور اسکی اولاد کی طرح ناراض اور بیزار۔ اسلئے انہوں نے محاصرین کے ساتھ نہ توپیں بھیجیں، نہ انکو چار پانچ میل سے زیادہ مدینہ منورہ کے قریب جانے کی اجازت دی ہے، بلکہ یہ تاکید کر دی ہے کہ اگر علی کی فوج ہتھیار ڈالدے اور تم کو مدینہ میں بلائے تو تم خود نہ جانا۔ یا تو میں خود آؤں گا یا کسی کو اپنی طرف سے داخلہ کے لئے مامور کروں گا۔ خلافت کمیٹی نے اب ایک تیسرا وفد بھیجا ہے جو وہاں پہنچکر مؤتمر کے انعقاد کا انتظام کرنے میں ابن سعود کو مدد دے گا تاکہ مؤتمر کے ذریعہ سے شرعی جمہوری حجازی حکومت علی منہاج خلافت راشدہ قایم کی جاسکے۔ اراکین وفد میں حنفی، اور قادری اور شیعہ سب کو شریک کرنے کی کوشش کیگئی اور جانے سے انکار کیا تو خود، ایک اہل حدیث مولوی عبدالقادر صاحب نے اس بناء پر انکار کیا کہ اہل حدیث کو تو خود ابن سعود پر بھی اعتماد ہے۔ بھیجو تو کسی ایسی جماعت کے رکن کو بھیجو جسکو اطمینان دلانا مقصود ہے۔ ہم نے کسی فرقہ کے رکن کو لینے سے انکار نہیں کیا۔ خواہ وہ قبوں وغیرہ کے معاملہ میں نجدیوں کے عقاید سے کتنا ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اسکو شریک کر سکتے تھے جو خلافت کمیٹی کا حامی اور اس کا معتمد کارگزار ہو مثلاً مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی، مولوی خورشید حسنین صاحب جو اہل تشیع میں سے ہیں مگر خلافت کمیٹی کی خدمت کرتے کرتے جیل بھی ہو آئے ہیں۔

(ا)

پٹنہ میں میں اپنے پرانے دوست سلطان احمد صاحب کی کوٹھی پر گیا وہ خود وہاں نہ تھے۔ بہت سے بچوں سے ملاقات ہوئی مگر دو بچوں کو میں نے کھدر پوش پایا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مذہب امامیہ رکھنے والے خلافت کمیٹی کے حامی اور جیلخانے جانے والے خورشید حسنین صاحب پٹنہ کے نامی وکیل کے صاحبزادے ہیں وہ خود عتبات عالیات کی زیارت کو گئے ہوئے تھے ہم نے فوراً انکو تار دیا کہ وہیں سے حجاز چلے جائیں، ہمارا یہ وفد اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیگا کہ مدینہ منورہ میں نجدی کیا کرتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ وعدہ خلافی کرنا چاہیں گے تو ان کو ان کے وعدے یاد دلا سکیگا۔ اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اس سے زیادہ خلافت کمیٹی کیا کر سکتی تھی۔ ایک وفد دسمبر ۱۹۲۴ء میں بھیجا۔ پھر حاجیوں کے ہمراہ اپنے نمایندے بھیجے۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے منہدم شدہ عمارات کو بچشم خود دیکھا اور ان کے انہدام کے متعلق پوری تحقیقات کی۔ طائف کے واقعات کی آج تحقیقات چشم دید ہونا ممکن نہیں۔ مگر جو کچھ مکہ مکرمہ میں معلوم ہو سکتا تھا وہ معلوم کیا۔ اور اگر واپسی کے لئے جہاز کے بعد کو ملنے کی امید ہوتی، اور حاجیوں کے ساتھ واپس آنا حاجیوں کے ان خدام کے لئے ضروری نہ ہوتا تو وہ طائف بھی جاتے۔ ابن سعود سے مدینہ منورہ کے متعلق وعدے حاصل کئے اور مکہ مکرمہ کے واقعات کے متعلق احتجاج کیا۔ یہاں آکر سب حالات بلا کم و کاست شایع کر دئے۔ اسکے بعد بھی خلافت کمیٹی نے یہاں سے صدائے احتجاج بلند کی اور ابن سعود کو پوری طرح متنبہ کر دیا۔ اب تیسرا وفد بھیج گیا ہے اور ایسی

خبروں کے متعلق جو بیت المقدس سے مدینہ منورہ پر گولہ باری اور مسجد نبوی کے ایک گنبد کو نقصان پہنچنے کے بارہ میں وصول ہوئی تھیں اور جن پر یہاں گنبد خضرا کو نقصان پہنچنے کا حاشیہ چڑھایا گیا تھا۔ خود ہمکو حقیقت سے مطلع کرسکیگا۔ یہ تو ہم نے کیا۔ اب آپ بتائیے کہ ہمارے مخالفین نے کیا کیا۔ وہ کونسی ایسی چیز تھی جو ہم کو کرنا چاہئے تھی اور ہم نے نہیں کی؟ اور وہ کونسی ایسی چیز تھی جو ہمکو نہ کرنا چاہئے تھی اور ہم نے کی؟ جس بات کے جواب دہ ہم ہیں اسکے متعلق ہم سے جواب طلب کیجئے، جس بات کے جواب دہ سلطان ابن سعود ہیں اسکے متعلق اُن سے جواب طلب کیجئے اور ہم بھی طلب کریں گے۔ خلافت کمیٹی کی کوشش یہی ہے کہ ابن سعود کو مسلمانان عالم کے جذبات کا پاس کرنے پر مائل کرے۔ انکو وہاں کا سلطان اور بادشاہ بنانا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ مگر جب تک حجاز کا مستقل انتظام شرعی جمہوری حجازی حکومت کی شکل میں مؤتمر اسلام کے ذریعہ سے نہو۔ سلطان ابن سعود وہاں کے باشندوں اور وہاں کے آثار و مشاہد کی حفاظت کے لئے مسلمانان عالم کو جوابدہ ہیں۔

خلافت کمیٹی، شوکت علی اور محمد علی کا دوسرا نام نہیں ہے آپ سب چار چار آنے سالانہ دیکر کثرت سے اسکے ممبر بنئے، اور جس پر آپکو اعتماد ہو اسکو خلافت کے عہدوں پر منتخب کیجئے۔ اگر وہ اچھے ہوں گے تو نیک نامی آپ کی ہوگی اور اگر وہ بُرے ہوں گے تو اسکا الزام آپ پر ہوگا۔ ہم پر ہر چیز کا الزام دھرنا درست نہیں ہم ہرگز آپ سے کوئی عہدہ نہیں مانگتے۔ لیکن یہ ضرور مانگتے ہیں کہ قوم کا جو کام ہم کر رہے ہیں وہ آپ بھی کریں۔ نہ ہم کو کام کرنے دینا نہ خود کام کرنا اسکے ہم قائل نہیں

ہیں۔ خدا اور رسولؐ کا کام رکنا نہ چاہیئے، اگر آپ اس محنت سے جی چرائیں
گے، یا جیل سے بھاگیں گے تو کوئی دوسرا اس کام کو کرے گا۔ اسکی نہیں بدی
ہے کہ خود کام بھی نہ کیا جائے، اور کام کرنے والوں کو سارے زمانہ میں
مطعون کیا جائے۔

تقاضائے وفا

(ہمدرد - ۱۳- جنوری ۱۹۲۶ء)

(ہندوستان میں جنگ حجاز زور شور سے جاری ہے، بھائی بھائی کا باپ بیٹے کا، بیٹا باپ کا، دوست دوست کا مخالف ہے، دو گروہ ہیں، جو مسلمانوں کے ذہن و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، ایک گروہ سلطان ابن سعود کا حامی ہے، اسلئے کہ وہ ان سے امید رکھتا ہے، وہ حجاز میں بادشاہت کے بجائے جمہوریت قایم کریں گے، سلطان اسکا وعدہ بھی کر چکے ہیں۔ اس گروہ کے سرگروہ محمد علی شوکت علی ہیں، دوسرا گروہ ابن سعود کا مخالف ہے اسلئے کہ وہ وہابی ہے۔ عہد شکن ہے اور حسین، سابق شریف مکہ کا جاں نثار ہے اسلئے کہ وہ عترت رسولؐ میں سے ہے، ہاشمی ہے، سید ہے، اگرچہ اس نے ترکوں سے بغاوت کی، خلیفۃ المسلمین سے سرتابی کی۔ ملت اسلامیہ کے مفاد سے روگردانی کی۔ اس گروہ کے رہبر و رہنما مولینا عبد الباری صاحب فرنگی محلی ہیں، ہندوستان کے مشایخ، اور صوفیا ہیں۔ لکھنؤ کے تعلقہ دار اور زمیندار ہیں۔

محمد علی، مولینا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، لیکن اس باب

ہیں علی الاعلان اپنے مرشد سے بھی اختلاف کرتے ہیں، اسلئے کہ ان کے خیال میں مرشد، اس بارے میں صحیح راستہ پر نہ تھے۔

پیر و مرید کی اس جنگ میں مخالفین کو موقع ملتا ہے، وہ پیر و مرشد کو مرید کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ اور دونوں میں نقیض پیدا کرا دیتے ہیں۔

مخالفین کہتے ہیں، محمد علی کو ان کے مرشد نے عاق کر دیا، وہ مردود طریقت ہیں، وہ تفریح آب ہیں، وہ مسلمان نہیں رہے۔ ان میں کفر و فسق کے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں۔ محمد علی یہ سب کچھ سنتے ہیں، برداشت کرتے ہیں، جھیلتے رہتے ہیں۔

جب بار بار پیر و مرشد کا نام نامی بیچ میں آتا ہے تو ان کا پیمانۂ صبر چھلک اُٹھتا ہے اور وہ اپنی پوزیشن صاف کرتے ہیں۔

اس مضمون میں عارف صاحب کا ذکر ہے۔ عارف ہسوی اپنے وقت کے بہترین انشا پرداز تھے۔ ہمدرد کے سب ایڈیٹر تھے۔ محمد علی کے معتمد علیہ تھے، "قلم تو ہتب رقم"، کے نام سے ردولی کے عرس کا سفرنامہ لکھا تھا جس میں تفصیل سے ان ایرادات کا ذکر کیا تھا، جو حلقۂ مشایخ کی طرف سے حضرات فرنگی محل کی طرف سے، گروہ صوفیا کی طرف سے، اور حتیٰ کہ حضرت مولینا عبد الباری کی طرف سے محمد علی پر عاید کئے جاتے تھے، یہ اسی کا جواب باصواب ہے۔)

مؤلف

عارف صاحب ہسوی کا مضمون آج "ہمدرد" میں شایع کیا جاتا ہے

اس سلسلہ میں مجھے عرض کرنا ہے کہ میں نے ابتک کوشش کی اور اس میں ایک حد تک کامیاب رہا۔ کہ باوجود فرنگی محلی سرگرمیوں کے، ہم لوگ اور تمام کام چھوڑ کر فرنگی محل سے بحث و مباحثہ میں منہمک نہ ہو جائیں، اور اس خرافات میں اپنا وقت ضایع نہ کریں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جب کوئی شخص مجھ پر حملہ کرتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسی وقت اسکو جواب دیدوں، اور یہ صرف اسوجہ سے نہیں کہ مجھے اپنی مخالفت ناگوار گزرتی ہے، بلکہ اسوجہ سے بھی، اور زیادہ تر اسی وجہ سے، کہ میں باوجود ایک عالم سے اصولوں پر لڑنے اور جھگڑنے کے، نہیں چاہتا کہ دنیا میں ایک فرد بھی مجھ سے ناراض، اور بیزار ہو، اور گو میں نے آجتک اصول کی لڑائی کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا اور منافقانہ دوستی، اور موافقت کو کبھی گوارا نہیں کیا، تاہم اگر ایسے اختلافات کی وجہ سے کوئی مجھ سے ناخوش ہو جاتا ہے تو میرے قلب کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور مجھے حق پر اتنا وثوق ہے کہ بار بار کوشش کرتا ہوں کہ مخالفین کو حق بات نئے نئے طریقوں سے سمجھاؤں تا آنکہ وہ مجھ سے متفق ہو جائیں۔ مجھے ایک طرف ساری دنیا کی بادشاہت دی جائے اور دوسری طرف ساری دنیا کی خوشنودی، تو میں دنیا کی بادشاہت پر خوشی سے لات مار دوں گا۔ اسلئے کہ اس معنی میں میں یقیناً ہر دلعزیزی کا بھوکا ہوں حکومت کا بھوکا نہیں۔ لیکن جہاں دوسروں کی خوشنودی کا اسقدر طالب ہوں وہاں اس سے بھی زیادہ خود اپنے ضمیر اور اپنے خدا کی خوشنودی کا طالب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ گو، ہر لڑائی بھڑائی میرے لئے ایک سوہان روح

ہوتی ہے۔ مگر میں پھر بھی سیکڑوں لڑائیوں میں شامل ہوا ہوں۔ اور میرے مخالفین اور موافقین دونوں جانتے ہیں کہ جب میں لڑتا ہوں تو بے جگری سے لڑتا ہوں۔ میں اپنے دوست اور رفیق کار عارف صاحب کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں، گو شاید وہ مجھے ابتک بھی اچھی طرح نہیں جانتے۔ میرے فوری جوش سے اگر وہ آگاہ نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔ اسلئے کہ جن لوگوں سے صبح وشام کا ساتھ رہتا ہے وہی غریب سب سے زیادہ مجھ مغلوب الغضب کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ عارف صاحب اسکی گواہی دیں کہ کتنی بار جبکہ وہ سختی کی طرف مائل ہوئے ہیں مجھ جیسے مغلوب الغضب نے ان کو نرمی پر مجبور کیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ انکو اسکی بھی گواہی دینا پڑے گی کہ کتنی بار انہوں نے کسی کے ساتھ مسامحت یا کسی کی تعریف میں مبالغہ کیا یا بیجا نرمی کی جانب محض اس خوف سے اظہار میلان کیا کہ کسی سختی سے فلاں شخص ناراض ہوگا تو میں خود ان پر بکھر پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر جگہ نہ سختی کام دیتی ہے، نہ نرمی۔ سلطان ابن سعود اور نجدیوں کے خلاف جس مذہبی غلو اور تعصب کا بعض "دین داروں" نے اور بے ایمانی اور دنیا طلبی کا بعض دنیا داروں نے ثبوت دیا ہے۔ اس نے صاف ظاہر کر دیا کہ ان حضرات پر دین کے کاموں میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ نہ دنیا کے۔ میں بقول اپنے دوست ڈاکٹر کچلو کے بہانگ دہل کہتا ہوں گزشتہ دس بارہ سال کی آزمائش نے دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں میں کچھ افراد اسلام کی حقیقی محبت رکھتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کچھ کام کرنے کی

اہلیت تو وہ سب کے سب بلا استثنا کے تحریک خلافت میں شامل تھے گویہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اس تحریک میں شامل ہوا تھا اسلام سے حقیقی محبت نہیں رکھتا تھا۔ جب کوئی تحریک زوروں پر ہوتی ہے تو اہل و نااہل سب اس میں شریک ہوجایا کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہی دیکھا گیا ہے کہ نااہلوں سے کچھ زیادہ ہی شور مچایا کرتے ہیں۔ تحریک خلافت کے باعث مسلمانان ہندوستان نے مسلمانان عالم میں امامت کا درجہ حاصل کیا مگر افسوس کہ اسکو نبھا نہ سکے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لڑتے لڑتے فوجیں تھک بھی جایا کرتی ہیں۔ مگر افسوس تو اس کا ہے کہ اس شخص کے خلاف جس کے ذریعے سے خداوند کریم نے حجاز مقدس میں ہماری آرزوئیں پوری کردیں۔ جو لغویت ہندوستان کے مسلمانوں میں سے ایک جماعت نے کی وہ بھی سارے عالم اسلام میں بے مثل و بے عدیل ہے۔ جب اس لغویت کو ہندوستان کے باہر کے مسلمان دیکھتے ہیں تو انہیں تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی ہندوستان ہے جس نے عربوں اور ترکوں اور مصریوں سب کو اس دور آزمائش میں اسلام کا صحیح راستہ بتا دیا جہانتک اس لغویت کا تعلق دشمنان اسلام کی سازش اور دسیسہ کاری سے ہے اسکے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مگر اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ جو امر ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ ان دشمنان اسلام سے ساز و باز بھی نہیں رکھتے وہ بھی شخصی و خاندانی وجاہت اور اپنے طبقے کے اثر کے قیام کے لئے اس لغویت میں اس درجہ مبتلا ہوگئے۔ ریوٹر کے جس جھوٹے تار کی بنیاد پر کذب و افترا، اشتعال انگیزی اور افساد کی ایک سر بفلک عمارت تعمیر کی گئی تھی

اسکے جھوٹے ہونے کے متعلق اب کسی ڈھیٹ سے ڈھیٹ کذّاب و مفتری کو بھی بحث مباحثہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لیکن تعجب ہے کہ مسلمانوں کے ان مذہبی اور سیاسی پیشواؤں نے جنہوں نے" رویوٹر کے جھوٹ پر بھی حاشیہ چڑھایا تھا ابتک اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا اور اس سے تائب نہیں ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ اب المقطم جیسے عیسائی اخبار کی لڑائی ہوئی خبر کی تشہیر میں بھی مصروف ہیں۔ کہ گو سلطان ابن سعود سے سر گلبرٹ کلیٹن حدود نجد و عراق، و نجد و شرق اردن کے متعلق گفت و شنید کرنے آئے تھے لیکن معاہدہ حدود حجاز کے متعلق ہوا۔ اور جو عقبہ و معان خود علی اپنے بھائی عبداللہ کی حدود میں شامل کر رہے تھے وہ حقیقتاً اس " وہابی " نے کفار کو دئے ہیں۔ اس گروہ سے میں نے پہلے بھی ایک سوال کیا تھا جس کا جواب اب تک نہ ملا۔ اور اب پھر وہی سوال کرتا ہوں۔ کیا آپ لوگوں کو اس سے خوشی ہوئی کہ آپ جھوٹے ثابت ہوئے تو ہوئے مگر روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توہین و تخریب سے بچ گیا۔ مگر آپ جھوٹے ثابت ہوئے۔ اب اس سوال میں ذرا سا اضافہ کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیا آپ لوگوں کو خوشی ہوئی کہ خیر وہ " وہابی "، ہی سہی، مگر سلطان ابن سعود نے عقبہ و معان کے انگریزی قبضے میں جانے پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ یا آپ کو رنج ہوا کہ ایک " وہابی " نے وہ کام کیا جو آپ کے شریف اور ذرّیات نے نہیں کیا۔ اور اگر اجازت ہو تو اتنا اور بھی بڑھا دوں کہ کیا آپ لوگوں کو خوشی ہوئی کہ گزشتہ آم کے موسم میں جن دو بھائیوں کے متعلق آپ کے متعلقین اس مبالغے سے کام

لیتے تھے کہ انہیں عشرۂ مبشرہ کے ہم پایہ قرار دیتے تھے وہ ملحد و کافر نکلے، یا آپکو دو مسلمانوں کے ارتداد پر صدمہ ہوا۔

لطف یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ جماعت ہمیں ملحد و کافر ثابت کرنا چاہتی ہے دوسری طرف جب ملاقات ہوتی ہے تو وہی اعزاز و اکرام کا اظہار کیا جاتا ہے جو دو فاسق و فاجر بھائیوں کو عشرۂ مبشرہ کے درجہ تک پہنچانے کے زمانے میں کیا جاتا تھا یہ منافقت تو کسی حال میں روا نہیں۔ مگر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اور اس ذاتی بحث کو اسقدر بھی اسی وجہ سے چھیڑا گیا کہ اس سے اس جماعت کی ذہنیت اور جبلت ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقتاً اسکو اپنے ذاتی وجاہت، خاندانی عصبیت اور طبقے کے وقار کے قایم رکھنے کی فکر اسلام اور مسلمانوں کی محبت سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن یہ اس گروہ کی آخری کوشش ہے اور بالکل مذبوحی کیفیت کے مترادف ہے۔

عارف صاحب غلطی پر ہیں اگر وہ اس پروپاگنڈے کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ انکی رائے میں تمام کام چھوڑ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ عارف صاحب میں، مجھے ہمیشہ احساس تناسب کی کمی محسوس ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ردولی شریف کے عرس کے پروپاگنڈا سے انہیں اسقدر متاثر پاتے ہیں۔ اجمیر شریف کے عرس میں شرکت میں اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھتا ہوں اور اگر اس آستانۂ گرامی سے فیض حاصل نہ بھی ہو تب بھی جہاں اتنے مسلمان جمع ہوں وہاں پہنچنا ہم جیسے خادمانِ ملّت کے لئے یوں بھی بسا ضروری ہے۔ لیکن ہم نہ بھی حاضر ہو سکے (اور خوف ہے کہ میں تو شاید اس بار محروم ہی رہوں) تب بھی جسطرح خداوند کریم نے اچانک ردولی شریف میں کذب و افترا کے تار عنکبوت کو پارہ پارہ

کرنے کا سامان فراہم فرمادیا۔ اسی طرح اجمیر شریف میں بھی وہی مسبب الاسباب اس کا سامان فراہم فرمادے گا۔ بیت عنکبوت سب گھروں سے زیادہ کمزور ہے اسکی شکست و ریخت اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ میں تصوف کا ماننے والا ہوں مگر اسی حدتک جس حدتک کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنت خلفائے راشدین ہے۔ اور میگساران بادۂ توحید کا سلسلہ پیر مغاں ساقی کوثر تک جاتا ہے اس تصوف کو صرف اسلام اور مسلمانوں کی بقا کی فکر تھی۔ نہ کہ ذاتی وجاہت حمیت الجاہلیۃ اور خاندانی اثر و اقتدار کے بقا کی۔ انشاء اللہ وہی تصوف اب زندہ رہے گا۔ اور جو بدعت و اختراع ہے، وہ ہر ضلالت و گمراہی کی طرح فنا ہوجائیگی۔ خداوند کریم خود اسکا انتظام فرمارہا ہے۔ ابن سعود غریب پر ایک ایک صوفی منش خورد و بزرگ دریدہ دہنی سے حملہ کر رہا ہے اور نجدی قبائل کی قبہ شکنی کو کفر و الحاد بتاتا ہے مگر مصطفےٰ کمال پاشا اور حکومت انگورہ کی "تکیہ شکنی" کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ حالانکہ وہاں تو اس بدعتی تصوف کی جڑ بنیاد ہی اکھاڑ کر پھینکی جارہی ہے۔ نہ ہم افراط کے طرفدار ہیں نہ تفریط کے۔ اسلام اور خلافت کے لئے ہم ان انگریزوں سے لڑے جن میں پل کر ہم جواں ہوئے تھے۔ اسلام اور خلافت کے لئے ہم ان ترکوں سے بھی لڑنے کے لئے تیار تھے اور ہیں۔ جن کی مدد ہم نے ہر طرح کی۔ مگر جو پروپاگنڈا ان کے خلاف انگریز کر رہے ہیں ہم اس سے ذرا بھی متاثر نہیں۔ اور اگر موصل کا معاملہ بلاجنگ کے طے نہ ہوا تو ہم حق حمایت میں انشاء اللہ جان تک دیکر دکھادیں گے کہ جو ترکی افراط سے نہیں دبے وہ انگریزی تفریط سے بھی دبنے والے نہیں۔ اسلام اور خلافت کے لئے ہم شریف مکہ کے مخالف ہوئے اور سلطان ابن سعود سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اگر خدا

نخواستہ ضرورت پڑی تو اسلام اور خلافت کے لئے ہم ان سے بھی لڑ پڑیں گے۔ اسلام اور خلافت کی خاطر ہم نے اپنے ان برادران وطن سے بھی لڑنے سے گریز نہ کیا۔ جنکی اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی میں ہمیں کبھی شبہہ نہ تھا۔ مگر اسلام اور خلافت کے لئے اگر خدا نخواستہ ضرورت پڑی تو ہم ان سے بھی لڑینگے۔ اور برادران ہنود میں جو اسلام اور مسلمانوں کے بغلی دشمن ہیں، وہ تنظیم و تبلیغ کا بار بار نام لینے والوں سے کہیں زیادہ ہم سے بیزار اور خائف ہیں۔ اسلام اور خلافت کے لئے ہم نے علماء ہند اور صوفیائے ہند سے رشتہ جوڑا تھا۔ اور کبھی نکث عہد کے ہم مرتکب نہیں ہوئے۔ لیکن ایسے اسلام اور خلافت کیلئے ہم ایک بار نہیں، ہزار بار اُن اسے اپنے رشتہ کو توڑ دیں گے۔ اور صرف اُسی خدا سے رشتہ جوڑے رہینگے جس سے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی ہم نے سوال الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہہ کر رشتہ جوڑ لیا تھا۔ جیسا کہ میں نے سیتاپور میں کہا تھا۔ ہم اپنے پیر و مرشد کے پاس فنافی الشیخ ہونے کی غرض سے نہیں گئے تھے بلکہ فنافی اللہ ہونے کی غرض سے اور ہمارے لئے وہی پرانا طریقہ آج بھی موجود ہے۔ ان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسولہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر (اگر تم میں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملہ کو اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اللہ اور اسکے رسول ہی کی طرف رجوع کرو) شاہجہاں جیسے باپ نے اورنگ زیب جیسے سچے مسلمان بیٹے کو سموگڈھ کی فیصلہ کن فتح اور پائے تخت آگرہ کے قبضے کے بعد ایک شکایت نامہ لکھا تھا کہ تم باوجود ادعائے اتباع

کے اسکی اسقدر خلاف ورزی کرتے ہو اور اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم کے آخری جز کا احترام بالکل نہیں کرتے۔

اورنگ زیب نے جواب میں لکھا کہ "اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول کے اتباع میں کامل نہیں ہوا ہوں۔ تیسرے جز کی ابھی کہاں نوبت آئی ہے" کاش ہم لوگ اورنگ زیب ہی کی طرح سچے اور پکے متبع شریعت ہوتے مگر جو کوئی ہم پر نکث عہد کا الزام لگائے وہ میرے اس شعر کو یاد رکھے جسکو بحالت نظر بندی میں نے اپنی سب سے پہلی غزل میں مسلمانوں سے خطاب کرکے کہا تھا۔ ؎

عہد اوّل کو بھی اچھا ہو جو پورا کرلو
تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

اور اگر اسی زمانے کے میرے اس شعر پر بھی نظر رہے تو برا نہیں ؎

سرکش نہیں، باغی نہیں، غدّار نہیں ہم
پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

یہ "تقاضائے وفا" صرف انگریزی حکومت ہی کے مقابلے میں نہیں ہے بلکہ ہر غیر اللہ کے مقابلے میں ہے۔ میں نے آجتک ایک لفظ بھی مولانا عبد الباری صاحب کے خلاف نہیں لکھا۔ اور جو کچھ مولانا صاحب کے متعلق سنا تھا کہ وہ ہمارے خلاف کہتے اور کرتے ہیں اسکو کبھی باور نہ کیا تھا۔ ۸۔ نومبر ۱۹۲۵ء تک تو اپنے متعلق مولانا صاحب کے خیالات خود ان کی زبانی لکھنؤ میں سن چکا تھا اس لئے پہلے سے زیادہ اس خیال پر قایم تھا کہ یہ نئی فرنگی محلی تحریک صرف مولانا صاحب کی

شخصیت اور خاندانی اثر سے بے جا فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ اور اس میں چند قدوائی حضرات پیش پیش ہیں۔ اور اس قدر طوعاً نہیں جس قدر کرہاً۔ چند فرنگی محلی حضرات بھی شامل ہو گئے ہیں۔ مگر خدام الحرمین کے سکریٹری مشیر حسین صاحب قدوائی کی غلط بیانیاں اور ہذیان سرائیاں، اور ۸۔ نومبر کی شام کو پاسی چماروں کو خدام الحرمین کا طغرائے امتیاز عطا کر کے قدوائی اور فرنگی محلی حضرات کا ان کی کمان اپنے ہاتھ میں لینا۔ اور انہیں لاٹھیوں سے مسلح کر کے فساد کے لئے جلسہ میں لیجانا۔ یہ وہ چیزیں تھیں جس کے بعد میں نے مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ انتظار کروں اور دیکھوں کہ مولانا صاحب جو خدام الحرمین کے صدر اور اب فرنگی محلی حضرات کے بزرگ اور قدوائی حضرات کے پیر و مرشد ہیں وہ ان کے افعال قبیحہ پر اظہار بیزاری فرماتے ہیں یا نہیں، ابھی نہیں کہ اظہار بیزاری ابتک نہیں فرمایا گیا بلکہ اخبار "حق"

بر عکس نہند نام زنگی کافور

کے متعلق ایک فرنگی محلی صاحب نے اقبال کیا کہ وہ از سرتا پا دروغ مجسم بھی فرنگی محلی سرپرستی میں نکلتا تھا۔ اور انہیں حضرات نے ایک "بیان واضح"، میں اپنے دروغ بافی کی اور وضاحت بھی فرمادی۔ اور یہ بھی بحیثیت نائب معتمد خدام الحرمین ہیں۔ جس کے بعد یقین نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا صاحب کو ان حرکات کی اطلاع نہ ہو۔ اب عارف صاحب تحریر کرتے ہیں کہ رودولی شریف میں، جو پروپاگنڈا کیا گیا۔ اس میں مولانا صاحب خود بہ نفس نفیس شریک تھے، اس حالت میں یہ باور کرنا آسان نہیں کہ مولانا صاحب اُس پروپاگنڈا سے بیزار ہیں جو

الطاف الرحمٰن صاحب قدوائی، اور صبغۃ اللہ صاحب شہید وغیرہم نے گزشتہ چند مہینوں سے شروع کیا ہے۔ اور جو اس سے پہلے فقط مشیر حسین صاحب قدوائی کی خصوصیت تھی۔ اس پروپاگنڈا سے علانیہ اظہار بیزاری نہ کرنا خود کچھ کم نہ تھا۔ لیکن کاش مولانا صاحب کا اس سے منفیانہ ہی تعلق ہوتا مثبتانہ نہ ہوتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ مثبتانہ بھی ہے تو پھر سوائے اسکے کیا کہا جائے کہ ع

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

صرف اتنا اور عرض کروں گا کہ بحمد اللہ میں مولانا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے پیشتر بھی مسلمان تھا۔ آج بھی مسلمان ہوں۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ مسلمان رہوں گا۔ جب آٹھ برس علیگڈھ اور چار برس اکسفورڈ رہ کر مجھ میں کفر والحاد نے سرایت نہ کی تو اب جب کہ اسلام کی خاطر میں علیگڈھ سے بھی منہ موڑ لیا۔ اور اکسفورڈ پر بھی لات ماردی، کیا خداوند کریم مجھے کفر والحاد کی طرف لیجائیگا؟ اب موت روز قریب تر معلوم ہوتی ہے اب تو یہی دعا ہے کہ گو زندگی عبادات و ریاضات میں صرف نہ ہوئی۔ مگر موت اس آخری عبادت و ریاضت میں نصیب ہو جس کا نام شہادت ہے اور میرا شعر سچا ثابت ہو ؎

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپکے جوہر کھلے

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصلحین۔ اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے۔ دین و دنیا دونوں میں تو ہی ولی ہے۔ مجھے اسلام ہی پر موت دے اور صلحا میں مجھے شامل فرما۔ مجھے فقط

تیری خوشنودی منظور ہے ؎

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیئے ہے،

مجھ سے سب بیزار ہو جائیں۔ مگر تو اور تیرا رسول بیزار نہ ہوں کسی سے نکث عہد ہو، مگر تجھ سے اور تیرے رسول سے نہ ہو۔ دنیا بھر کی بیعتیں فسخ ہو جائیں مگر وہ بیعت فسخ نہ ہو جو سب سے پہلی بیعت ہے اور جسکی تجدید تیرے ان بندوں کو نصیب ہوئی تھی جنہوں نے تیرے رسول کے ہاتھ پر، بلکہ بقول تیرے، خود تیرے ہاتھ پر پیڑ کے نیچے بیعت کی تھی اور جن کی بیعت پر تو راضی ہوا تھا۔

خداوندا میں اقرار کرتا ہوں کہ میں تجھ سے راضی ہوں، اور تیرے رسول[1] پاک سے، تیرے قرآن سے اور تیرے رسولؐ کی سنت سے، اے کاش تو اور تیرا رسول بھی مجھ سے راضی ہو جائیں۔ اگر تیری اور تیرے رسول کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو پھر کیا ہے۔ تب تو تیرا حشر ہوگا اور میں ہونگا اور میرا یہ شعر میرا طغرائے امتیاز ہوگا۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اسلامیات

فہرست مضامین

(۱) ایک اُمّی کی تقریر ۲۵۷

(۲) فقہہ اسلامی کی ترتیب و تدوین ۲۹۲

(۳) اسلامی نظام ۳۰۵-۳۱۷

ایک اُمی کی تقریر

علمائے کرام کے مجمع میں

(ہمدرد ۱۸-۱۹-۲۰ جنوری ۱۹۲۵ء)

دمراد آباد میں جمعیتہ علماء ہند کا سالانہ جلسہ ہوا تھا۔ محمد علی نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔ تقریر کی فرمائش کی گئی۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے ایک دلپذیر تقریر بھی ارشاد فرمائی۔

تقریر کے دو حصے ہیں!

پہلے حصے میں پوری سحر طرازی کے ساتھ مخالفین کو دندان شکن جواب دیا ہے، جنہوں نے "خلافت کمیٹی کے "غبن"، پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کی تھیں ابتک یہ افسانے زبان زد ہیں۔ محمد علی کی تصریحات کے بعد مسئلہ آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے۔

دوسرے حصے میں علماء کرام سے خطاب ہے اس خطاب سے اندازہ ہوگا کہ محمد علی علماء کرام کو کیا سمجھتے تھے، ان سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ ان سے کس قسم کی رہنمائی کی توقع کرتے تھے۔ یہ حصہ بھی اپنے کیف و اثر میں

و اعمال سے ہر روز مجھے اسلام کا درس دیتے ہو۔ جب ہندو مسلمانوں میں جوش تھا اور ہر مسلمان خلافت کے لئے گرویدہ تھا لوگوں میں اسلام، اور مسلمانوں کی طرف میلان طبع پیدا ہوتا تھا۔ یہی طریقہ تبلیغ کا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب ہندوستان تشریف لائے، تو اُسوقت یہاں ہندوؤں کی حکومت تھی اور مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی لیکن وہ اجمیر میں تن تنہا بیٹھ گئے۔ اسوقت وہ ہندوؤں کی کثرت سے ڈرتے نہ تھے۔ ان کو اللہ کی وحدت پر پورا بھروسہ تھا۔ آج ہم سات کروڑ مسلمان ہیں اور ڈر رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ بظاہر ہمیں خدا کی وحدت پر پورا بھروسہ اور توکل نہیں رہا۔ سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۲۱ء میں مسلمان مذہب کے رنگ میں پورے ڈوبے ہوئے تھے۔ اور جس طرح حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ و پند سے نہیں بلکہ اپنے اعمال حسنہ سے اسلام کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح مسلمان مذہب کے رنگ میں ڈوبے ہوئے بہترین وعظ دے رہے تھے وہ رنگ وہی تھا جسکی شان میں آیا ہے۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (اللہ کا رنگ، رنگ میں اللہ سے اچھا کون ہے)۔

مگر آج یہ حالت ہے کہ محض پنڈال کی آراستگی سے ہم اس جلسہ کو کامیاب نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے کہ آج قوم میں زندگی کے آثار نظر نہیں آتے۔ کوئی بوڑھا ہندو مرجاتا ہے تو اسکی نعش پر رنگین کپڑے ڈالکر پھولوں سے سجاتے ہیں اور اسکے جنازہ کو باجا بجاتے ہوئے لیجاتے ہیں۔ لیکن یہ ظاہری خوشی کے سامان دلی رنج کو چھپا نہیں سکتے۔ مجھے تو اس پنڈال کی آراستگی و پیراستگی میں قومی زندگی کے سامان

بے مثل ہے۔ مولف)

بعض حضرات غالباً پنڈال کی شان و شوکت کو دیکھ کر اس جلسہ کو کامیاب سمجھتے ہوں گے، لیکن حقیقی کامیابی اور چیز ہے۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں یو، پی، پولیٹیکل کانفرنس کا اجلاس مراد آبادہی میں منعقد ہوا تھا۔ اسی سلسلہ میں ایک عام جلسہ بھی یہیں ہوا تھا۔ جہاں آج جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہے۔ اسوقت یہاں کوئی پنڈال نہ تھا۔ لیکن حاضرین کی تعداد اس سے تقریباً تگنی تھی۔ لوگوں میں جوش تھا اسی زمانہ میں ترک موالات کی ابتداء ہوئی۔ اور تحریک کی رفتار کے ساتھ ساتھ لوگوں کا جوش بھی بڑھتا گیا۔ جب ۱۹۲۱ء میں ہم لوگ قید ہوئے تو یہاں کے پُر جوش کارکنوں نے اس پر طرح طرح کی نظمیں لکھیں۔ جلوس نکالے۔ آجکل لوگوں کی سرد مہری کو دیکھ کر ہم محض پنڈال کی ظاہری نمائشوں سے اپنی کامیابی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب ہم قید ہوئے تھے تو ہم نے اس باغ کو ہرا بھرا چھوڑا تھا آج اس بہار میں خزان کا انداز پایا جاتا ہے۔ اسوقت ہندو اور مسلمان دوش بدوش کام کر رہے تھے۔ ترک موالات کا جوش جھوٹا جوش نہ تھا۔ بلکہ جو اتحاد اسوقت ہو رہا تھا وہ لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف لا رہا تھا۔ یہ سب سے بہتر دعوت الی الخیر تھی۔

تبلیغ کا حق

مہاتما گاندھی جب جوہو میں تھے تو ان سے اس امر میں گفتگو ہو رہی تھی کہ تبلیغ کا حق ہر مذہب کو حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم تو اپنے اخلاق

نظر نہیں آتے۔ بلکہ مردنی سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جس جماعت کو تمام ملک کا نظام درست کرنا ہے، کیا وہ محض اس طرح کے جلسے کرنے سے سرسبز ہو سکتی ہے۔ اب تو ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام افراد میں ایک نئی روح پھونکی جائے۔ قوم کی شیرازہ بندی ہو سکے اور جو نظام قایم ہونا چاہئے اسکے متعلق سب ملکر کام شروع کر دیں۔ اگر جلسہ کے بعد ہم تمام امور کے سرانجام دینے کے لئے آمادہ اور مستعد ہو جائیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ جلسہ کامیاب ہوا۔ ورنہ پنڈال کی آراستگی اور عورتوں کی گرما گرمی کو کامیابی نہیں کہا جا سکتا۔"

لوگ کہتے ہیں کہ اب چندے وغیرہ اسلئے بند ہو رہے ہیں، اور خلافت کمیٹی اسلئے کنگال ہو رہی ہے کہ روپیہ کا غبن ہوا۔ خلافت فنڈ کا کسی نے غبن نہیں کیا یہ ضرور ہے کہ ۱۶½ لاکھ روپیہ چھوٹانی صاحب کے پاس سے نقد کی صورت میں نہ مل سکا۔ لیکن انہوں نے کارخانہ اور مال اسکے عوض میں دیدیا۔ جسوقت وہ کارخانہ اور مال خریدا گیا تھا تو بظاہر اس قیمت کا تھا۔ آج اگر گاہک اسکے لئے نہیں ہیں اور بازار گرا ہوا ہے اور اسکی قیمت پوری نہیں مل سکتی تو ہماری بدنصیبی ہے، میں یہ ضرور کہوں گا کہ چھوٹانی صاحب نے سخت غلطی کی کہ یہ روپیہ اپنے کاروبار میں لگایا۔ لیکن انکی نیت کبھی بے ایمانی کی نہیں تھی۔ چھوٹانی صاحب سے ہمارے تعلقات آجکل کشیدہ ہو رہے ہیں، نہ وہ ہم سے خوش ہیں نہ ہم ان سے خوش لیکن پھر بھی حق بات کہنا چاہئے اور وہ یہی ہے کہ انکی نیت خراب نہ تھی جب ہم ان پر الزام دھریں تو ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ جسوقت تحریک خلافت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اسوقت وہ مدد دے رہے تھے۔ جسوقت کمیٹی کے پاس روپیہ نہ تھا

اسوقت انہوں نے مالی امداد کی۔ اگرچہ جو روپیہ انہوں نے خلافت کمیٹی بنجانے کے بعد اپنی گرہ سے خرچ کیا۔ اسکا کمیٹی نے ایک ایک حبہ ادا کر دیا۔ تاہم وہ مخیر لوگوں میں سے تھے، اور دریا دلی کے ساتھ انہوں نے قومی کاموں میں مدد دی، پھر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انکو کتنا بڑا نقصان پہنچا۔ خلافت کمیٹی میں کام کرنے کے باعث کس طرح ان کے ٹھیکے جاتے رہے۔ گورنمنٹ اور ریلوے نے ان کو کام دینا بند کر دیا ایک دفعہ انکے کارخانہ میں آگ لگی تو آگ بجھانے کے لیئے پانی نہ پہونچ سکا۔ سنا ہے کہ انہوں نے سراسیمہ اور پریشان ہو کر جو افسر وہاں موجود تھا اس سے کہا کہ کیا مجھے خلافت کمیٹی کی صدارت کے باعث یہ سزا دی جا رہی ہے تو اس افسر نے جواب دیا کہ نہیں یہ تو محض اسوجہ سے ہے کہ اسوقت پانی نہیں مل سکتا۔ وہ محکمہ ایک دوسرا ہے جو خلافت کے کام کے باعث تم کو سزا دے گا۔

یہاں کاروباری لوگ بھی موجود ہیں اور زمیندار بھی۔ اگر کسی کا کاروباری منیب غبن کر لے تو کیا وہ ہمیشہ کے لیئے اپنا کاروبار بند کر دے گا۔ اگر کسی زمیندار کا کارندہ اسکی زمینداری میں اپنی بدمعاملگی کی وجہ سے خرابی ڈالدے تو کیا وہ زمینداری سے دست بردار ہو جائیگا؟

ایسی صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ آیندہ احتیاط برتی جائے اور زیادہ ایماندار امین اور کارندے تلاش کیئے جائیں۔ اسی طرح ہم بھی اس قومی کاروبار کو کس طرح بند کر سکتے ہیں۔

اگر چھوٹانی صاحب کی وجہ سے ہمارے کام کو نقصان پہنچا تو ہم کیسے اس کاروبار کو چھوڑ سکتے ہیں۔ بہرحال یہ واقعہ اسوقت کا ہے جبکہ ہم لوگ جیل میں تھے،

یہ سب کچھ ہمارے پیچھے ہوا۔ ایک اور بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے وہ یہ کہ چھوٹانی صاحب کمپنی کو سب سے زیادہ مالدار اور متمول نظر آئے ہیں تو اسوقت ہندوستان میں موجود نہ تھا۔ جب وہ خلافت فنڈ کے خزانچی مقرر کئے گئے، لیکن کسی شخص نے اسوقت، یہ نہ کہا کہ انکو خزانچی مقرر نہ کیجئے، خلافت کا روپیہ بنک میں رکھنا مناسب معلوم نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مصر میں زاغلول فنڈ کی مثال مسلمانوں کے سامنے تھی۔ جو اعتراض خلافت فنڈ کے متعلق اب کیا جاتا ہے۔ یہ تو اسوقت کرنا چاہئے تھا۔ کسی واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے بعد اعتراض کرنا آسان ہے، لیکن اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے، بہرحال خلافت فنڈ کا حساب قوم کے سامنے دیا جا چکا ہے اور وقتاً فوقتاً دیا جارہا ہے لیکن آخری حساب یہاں نہیں بلکہ خدا کے یہاں دینا ہے۔ اور کسی شخص کو اس آخری حساب سے گریز نہیں ہو سکتا۔ آج اگر آپ ہمکو بری الذمہ بھی قرار دیں لیکن دراصل ہم بری الذمہ نہ ہوں تو خدا کے یہاں ضرور جوابدہی کرنا پڑے۔ ہم کو اس ذمہ داری کا پورا احساس ہے اور اسی کی بنا پر ہم ابتک قومی کام کر رہے اور خدا کے خوف سے غافل نہیں ہیں۔ چھوٹانی صاحب کا کارخانہ ترکوں کو بھیجا جانیوالا ہے۔ سامان لد رہا ہے۔ اور ترکی انجنیر عنقریب آنے والے ہیں۔ خدا ہمیں اس ذمہ داری سے جلد سبکدوش کرے تاکہ آیندہ اسکا جھگڑا مٹ جائے۔ ہم لوگ کارخانہ چلانا نہیں جانتے۔ یہ کارخانہ عزت آبرو کے ساتھ ترکوں کے پاس چلا جائے تو ہم لوگ آرام سے سوئیں۔"

جب میں قید سے رہا ہوا تو میری لڑکی جس کا انتقال ہو چکا ہے زندہ

تھی۔ اسوقت میری رہائی کے بعد جو پہلا جلسہ دہلی میں وسط ستمبر ۱۹۲۳ء میں ہوا اس میں میں نے تقریر کی، اور یہ دلیل پیش کی کہ میری لڑکی علیل ہے۔ فرض کرو اسے علاج معالجہ کے لئے سو روپے کی ضرورت ہے اور میرے پاس روپیہ بھی موجود ہے مجھے اسکی محبت بھی ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں اب اگر میں یہ روپیہ کسی شخص کے ہاتھ بھیجوں اور وہ اس روپیہ کو میری لڑکی تک نہ پہنچائے تو میں کیا کروں گا؟ اگر میری بیٹی کو روپیہ کی ضرورت ہے اور میرے پاس روپیہ بھی ہے اور اسکی محبت بھی میرے دل میں ہے تو میں کیا کروں گا؟ اسکے سوا اور کچھ نہیں کروں گا کہ روپیہ بھیجوں اور جب تک ان چیزوں میں سے ایک میں کمی نہ ہو تب تک روپیہ برابر بھیجتا رہوں گا۔ خواہ وہ کتنی بار غبن کیوں نہ کیا جائے۔ صرف اس حالت میں روپیہ بھیجنا بند کروں گا جبکہ بیٹی کی ضرورت مٹ جائے، یا میرے پاس روپیہ نہ رہے یا بیٹی کی محبت دلمیں نہ رہے

بتائیے!

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اسلام کو آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ اور آپ کے پاس روپیہ ہے، اور آپ کے دل میں اسلام کی محبت ہے تو کیا ایک چھوٹا نی کے واقعہ کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے اسلام کی خدمت اور امداد سے دست بردار ہو جائیں گے؟ آپ کو بھی وہی کرنا پڑیگا جو مجھے کرنا پڑتا۔ یعنی سب سے زیادہ متدین آدمی کی معرفت اپنی بیٹی کو روپیہ بھجواتا۔ اگر غبن ہوتا تو اس سے بھی بہتر آدمی تلاش کرتا۔ لیکن جب تک یہ تینوں چیزیں ہوتیں روپیہ سے ہاتھ نہیں روک سکتا تھا۔ ایک چھوٹا نی نہیں

آج اگر مولانا حسین احمد، ڈاکٹر کچلو، اور مولانا شوکت علی سب کے سب غبن کر جائیں تو بھی آپکو روپیہ بھیجنا ہے، اور بھیجنا ہے۔ چھوٹانی کو، کچلو کو، شوکت علی کو علیحدہ کر دیجئے، اور دوسروں کو اس کام کا ذمہ دار بنائیے لیکن اگر آپ اسلام کی امداد نہ کریں گے تو آپ سے پوچھا جائیگا کہ کیا اسلام کی حاجت مٹ گئی، یا آپ کا دیوالہ نکل گیا۔ یا اسلام کی محبت آپ کے دل سے نکل گئی کہ آپ امداد نہیں کرتے؟ مجھے بتلائیے اور اگر میرے استدلال میں ذرا بھی کمی ہو تو مجھے ٹوک دیجئے۔ وہ کون شخص ہے جس کا دیوالہ اسلام کی امداد میں نکل گیا ہے؟ کیا اسلامی ضروریات بند ہو گئی ہیں؟ آج کیا ترکوں میں یتیم بچے بیوائیں اور محتاج نہیں ہیں؟ کیا جزیرۃ العرب کے انخلا کے متعلق کوشش کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا موتمر اسلامی کے لئے، وفد حجاز کے لئے تنظیم کے کاروبار کے لئے روپیہ کی ضرورت نہیں ہے؟ آپ کی اتنی بڑی جماعت یہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس میں کتنے ایسے ہیں جنکی وہی حالت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے آپ کے لباس سے تو وہ حالت معلوم نہیں ہوتی مجھے تو کسی شخص کا بھی پھٹا ہوا لباس نظر نہیں آتا۔ اگر بظاہر کوئی کمی نظر آتی ہے تو اسلام کی، آپکی دولت کی کمی نہیں، بلکہ محبت کی کمی ہے، یا یہ وجہ ہے کہ آپ چھوٹانی کے واقعہ سے غلط استدلال کر رہے ہیں"

علماء سے خطاب

حاضرین سے متوجہ ہونے کے بعد اب میں علماء کرام کی طرف متوجہ

ہوتا ہوں۔ میں علمائے کرام سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ حضرات اپنے منصب گرامی کی رفعت اور اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کرتے۔ عالِم کے معنی علم والے کے ہیں، اور علم وہ چیز ہے کہ جو پہلی وحی خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی جس میں فرمایا کہ علم الانسان مالم یعلم یہ خدا کا سب سے بڑا احسان تھا۔ اور اسی وجہ سے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوئے تو علمائے کرام کے لئے آپ نے فرمایا کہ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" اور علما وارث انبیا ہوتے ہیں۔

آپ کی جماعت اور جماعتوں کی طرح نہیں ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہوں وہی آپ کرنے لگیں۔ یا انکی تقلید اور نقل کریں۔ آپ کی جماعت کا درجہ سب جماعتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ آپ کا منصب سب سے بلند ہے۔ اسی لئے آپ کی ذمہ داری بھی سب سے زیادہ ہے لیکن اگر علمائے کرام اپنے منصب کی بلندی اور اہمیت سے پوری طرح واقف ہوتے اور آجتک اپنے منصبی فرائض پوری طرح ادا کرتے تو ناممکن تھا قوم کی حالت اتنی خراب ہوتی جسکی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا۔ علمائے کرام یہ کہکر نہیں چھوٹ سکتے کہ جو کچھ ہمارا حق تھا ہم نے ادا کردیا۔ لیکن ہم کیا کریں کہ لوگ ہمارے کہنے پر نہیں چلتے۔ قرآن کریم شاہد ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے لوگوں کی ذبوں حالت دیکھ کر کس طرح بیتاب اور بےچین ہو جاتے تھے اور بار بار خداوند کریم

آپ سے فرماتا تھا کہ تم کیوں اسقدر کڑھتے ہو اور پریشان ہوتے ہو۔ تم اپنے
آپ کو کیا اس طرح سے ہلاک کر ڈالو گے۔ تمہارا کام تو یہ ہے کہ ہمارا پیغام
ہمارے بندوں تک پہنچا دو۔ تم ان کے وکیل نہیں ہو۔ اگرچہ آپ اللہ کے
بندوں پر وکیل نہ تھے اور "بر رسولاں بلاغ باشد وبس"، تاہم آپ کے
اس فکر و تشویش کا یہ نتیجہ تھا۔ اور خود آپ کے اخلاق کریمانہ کا یہ ثمرہ تھا، کہ
آپ کے ملک کی حالت انتہائی پستی سے نکل کر بہت جلد بلکہ آپ کی زندگی
ہی میں سب سے بڑی بلندی تک پہنچ گئی۔ یورپ والوں اور بالخصوص عیسائیوں
نے کیسے کیسے سخت اور جھوٹے اعتراض آپ پر کئے ہیں اور کیسی کیسی تہمتیں
تراشی ہیں۔ لیکن انکو بھی اسکا اقرار کرنا پڑا کہ آپ سب سے زیادہ کامیاب
نبی ہوئے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو دیکھئے۔ یہ میں نہیں کہتا، نہ میں جانتا ہوں کہ
صحیح ہے یا غلط، اناجیل میں لکھا ہے کہ آپ کے سب سے بڑے حواری حضرت
پطرس جنکی شان میں ہے کہ تو وہ چٹان ہے جس پر میرا کلیسا بنے گا۔ اور
جن کا جانشین پاپائے روم چالیس لاکھ نفوس پر ایک امام معصوم کی طرح
حکومت کرتا ہے۔ ان کے متعلق اناجیل میں خود حضرت موسیٰ نے فرمایا
تھا کہ اسوقت تو بڑھ چڑھکر میرے سامنے اپنی محبت کا دعوے،
کرتا ہے لیکن صبح ہوتے ہوتے تین بار تو ہی میری متابعت اور نبوت کی صداقت
سے انکار کرے گا۔ چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ نے
اپنی قوم کو سخت غلامی سے نجات دلائی لیکن اس غیر احسانمند قوم کو دیکھئے
کہ جب ان سے کہا گیا کہ اپنے دشمنوں سے نہ ڈرو جنکو تم "ھذا قوم جبارین"

کہہ کر ان کے مقابلہ میں جانیسے لرزتے ہو، تم اِن پر غالب آجاؤ گے، بشرطیکہ تم اپنے وطن مالوف تک پہنچ جاؤ۔ تو انہوں نے حضرتِ موسیٰ سے کہا فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون ۔ اے موسیٰ تو اور تیرا رب دونو جاکر ان سے لڑو، ہم توبہیں بیٹھے ہیں، یہ وہ قوم تھی جو دعویٰ کرتی تھی نحن احباء اللہ نحن ابنا اللہ ۔ (ہم اللہ کے چہیتے ہیں، ہم اللہ کی اولاد ہیں) لیکن مثل مشہور ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو، جب ان سے اپنے ہی کام کے لئے کہا گیا کہ تھوڑی سی تکلیف گوارا کرو تو انہوں نے فوراً انکار کر دیا اور بھٹکتے پھرے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو دیکھئے کہ جنگِ بدر سے قبل آپ یہ معلوم کرنے کے منتظر ہیں کہ لوگ کتنی ہمت کرنا چاہتے ہیں مہاجرین نے انکو یقین دلایا کہ وہ ہر حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہیں، اسپر بھی آپ کسی چیز کے منتظر معلوم ہوتے تھے، انصار فوراً تاڑ گئے کہ شاید ہمارے جواب کا انتظار ہے۔ یہ لوگ قریشِ مکہ کی طرح زیادہ لڑنے بھڑنے والے نہ تھے، قریش کو اپنے کاروانہائے تجارت کی حفاظت کے لئے ہمیشہ چاک چوبند رہنا پڑتا تھا۔ لیکن انصار بنگال کے کاشتکاروں یا مصر کے فلاحین کی طرح تھے۔ لڑنے بھڑنے سے انکو کوئی سروکار نہ تھا۔ اب تک اسلام کی خاطر انہوں نے تکلیف نہ اُٹھائی تھی۔ اسکے علاوہ عقبۂ ثانیہ میں جو عہد ان سے لیا گیا تھا وہ بھی مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور امداد کا عہد تھا۔ جب وہ لوگ تاڑ گئے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ مدینے والے بھی ظاہر کریں کہ وہ کہاں تک اس مصیبت کے وقت میں مدد دے سکتے ہیں اور کتنی ہمت کریں گے، تو انصار

میں سے ایک سردار نے اُٹھ کر کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہمارے جواب کے منتظر ہیں ؟ اگر آپ ہم سے فرمائیں گے تو ہم برق الغماد تک بھی جاکر لڑنے کو تیار ہیں، اور ہم سمندر تک بھی جاکر آپ کی طرف سے لڑینگے ہم یہود کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا خدا دونوں جاؤ اور اُن سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، غرضکہ فاسقوں اور فاجروں کی جماعت کو آپ نے زہاد اور عباد کی جماعت بنا دیا تھا۔ ظالموں کو نرم دل کر دیا تھا۔ وہی حضرت عمرؓ تھے جو اپنی باندیوں کو ان کے اسلام لانے کے باعث مارتے تھے اور تھک کر بیٹھ جاتے تو کہتے تھے، یہ نہ سمجھنا کہ بس میں مار چکا، ذرا آرام لے لوں پھر آکر مارتا ہوں، یا پھر وہی عمرؓ تھے کہ ایک بچے کے رونے سے انکا دل لرز جاتا تھا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں جنگ کے زمانہ میں رات کو دورہ کرتے ـــــ آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی جسکی وجہ سے بچہ رو رہا ہے آپ نے عورت سے پوچھا کہ تو اپنے بچے کو دودھ کیوں نہیں پلاتی اس نے کہا کیا کروں، عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جو بچہ دودھ چھوڑ دے تو اُسے وظیفہ بیت المال سے دیا جائے۔ میں غریب اور مفلس ہوں بچہ کا دودھ چھڑا رہی ہوں تاکہ اسے وظیفہ ملجائے، اور میری گزر اوقات ہو سکے، آپ نے جب یہ سنا تو بہت روئے کہ خدایا خبر نہیں میرے اس حکم سے کتنے بچے بھوکے مرے ہوں گے۔ صبح جاکر سب بچوں کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا اور شیر خواری کی قید اُٹھا دی۔

(۴)

اصل معجزہ

علمائے کرام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کا بیان فرماتے ہیں۔ شق القمر کا معجزہ دیکھنے والے آپ کے عہد کے بعد دیر تک زندہ نہ رہے شق القمر کے معجزہ کا اثر انہی پر ہوا جنہوں نے اس معجزہ کو دیکھا۔ مسجد نبوی کے چوبی ستون کے آہ وزاری کرنے کا اثر انہی پر ہو سکتا تھا جو اس زمانے میں تھے اور جنہوں نے یہ کیفیت دیکھی تھی، لیکن ایک معجزہ جو حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ، اور تمام انبیاء کرام کے سب معجزوں سے بڑھکر تھا اور جس کا ثبوت اسوقت تک دنیا میں رہے گا۔ جب تک تاریخ صفحۂ عالم سے محو نہ ہو جائے۔ وہ یہ ہے کہ کس طرح آپ نے عرب کی سرزمین کو عیبوں سے پاک کر دیا۔ اور کس طرح اپنی زندگی میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کے اخلاق سے بہتر دنیا میں آجتک کسی کے اچھے اخلاق نہیں ہوئے، مکہ مکرمہ کی تیرہ برس کی زندگی کی ساری کمائی کل ڈیڑھ سو مسلمان تھے ان میں کا اگر ایک مسلمان بھی آج ہوتا تو نتیس چالیس کروڑ مسلمانوں کی حالت اس طرح ناگفتہ بہ نہ ہوتی، وہ آج ایک عالم پر مسلط ہوتے یہ نہوتا جو آج ہے کہ طرابلس اٹلی کے پنجے میں ہے، ریف پر ابتک اسپین کا قبضہ ہے۔ مراکو الجیریا۔ ٹیونس پر فرانس کا قبضہ ہے۔ مصر اور سوڈان پر انگریز قابض ہیں۔ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت ہے۔ جزیرۃ العرب پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی حکومت ہے۔ اور مکہ و مدینہ تک ان کا اثر ہے۔ سماترا

اور جاوا ڈچ کے ہاتھ میں ہے۔ افغانستان، اور ایران پوری طرح محفوظ نہیں۔ ترکستان روسیوں کی دست بُرد سے مصئون نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے اتنی بڑی تعداد چھوڑی کہ بہت جلد مسلمان ایک عالم پر مسلط ہو گئے، اور آپ کی زندگی ہی میں آپ کا تمام ملک کفر و شرک سے پاک ہو گیا۔ اور اسکے مبلغ چار دانگ عالم پر پھیلنے لگے۔ آج اگر مسلمانوں کی حالت زبوں ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسکی ذمہ داری کسی طرح علماء پر عاید نہیں ہوتی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا راز خود آپ کا اخلاق اور آپ کی تعلیم تھی، تو آجکل کی زبوں حالت اسکا پتہ دیتی ہے کہ علمار کی تعلیم اور علمار کے اخلاق خود وہ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کے ہونے چاہئیں۔ میں اپنے جیسے تمام جاہلوں اور اُمیوں کی طرف سے اپنی گنہگاری اور فسق و فجور کا اعتراف کرتا ہوں، لیکن اگر خدا کے دربار میں ہم سزا کے مستوجب اور مستحق ٹھہریں گے تو علمار بھی اس سے بری نہیں ہو سکتے۔ ہم اس ماہی گیر کی طرح ہیں کہ جسکو دربان نے بادشاہ کے حضور میں جانے سے روکا تھا۔ اور اس شرط پر چھوڑا تھا کہ مچھلی کی قیمت یا انعام ملے اس میں آدھوں آدھ کا شریک دربان بھی ہو۔ جب بادشاہ نے مچھلی کی اس سے قیمت پوچھی تو اُس نے کہا کہ سَو دُرّے۔ جب آخر کار وہ اسی پر مصر رہا۔ اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ دُرّے لگائے جائیں تو اُس نے پچاس پر آکر دُرّے مارنے والے کو روک دیا۔ اور کہا کہ بقیہ پچاس میرے شریک آپ کے دربان کے حصّے کے ہیں چنانچہ اس نے دربان کو بھی سزا دلوائی۔

آپ حریم اسلام کے دربان ہیں، اگر عاقبت میں ہمارے درّے لگیں گے تو یہ نہ سمجھئے کہ آپ بچ جائیں گے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر ہم پچیس کے مستوجب ہیں تو آپ شاید پچھتر کے مستوجب ٹھہریں گے اسلئے کہ آپ پر ہم سے کہیں زیادہ ذمہ داری خود ہمارے اخلاق کی عاید ہوتی ہے، آج استرداد برار کے مسئلہ میں پانچ گھنٹے آپ کی صحبت میں گفتگو رہی اور آپ نے فرمایا کہ خواہ کامیابی ہو یا نہ ہو یہ تو حق کی آواز ہے اور حق کی آواز پہنچانا ہمارا کام ہے، یہ آوازِ حق، محمد شاہ رنگیلے پیا کے دربار میں اور واجد علی شاہ کی صحبتوں میں پہنچائی جاتی اور انہیں بہترین طریقے سے اخلاق حسنہ کی تعلیم دی جاتی تو کیا اسلامی حکومت ہندوستان سے اسی طرح چلی جاتی جس طرح رخصت ہو گئی ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ بعض لوگ ایسے نہیں ہیں جن کے لئے خدائے کریم نے فرمایا ہے ختم اللّٰہ علی قلوبھم و علی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوہ، لیکن سب کی ایک سی حالت نہیں آپ کا کام بلند آہنگی سے ہمت کے ساتھ، جراءت کے ساتھ امرا کی صحبتوں میں، والیان ملک کے درباروں میں شریعت حقہ پہنچانا ہے۔ استرداد برار کے مسئلہ میں کوشش کرنا تو مسلم لیگ جیسی جماعتوں کا کام ہے آپ کا کام تو یہ ہے کہ یہاں سے بارہ میل رامپور کا دربار ہے، اس سے زیادہ دور ٹونک کا دربار ہے۔ پھر حیدرآباد ہے وہاں آپکو محتسب کی حیثیت سے جانا ہے اور کلمۂ حق سنانا ہے۔ میں نے جیلخانہ میں ایک شعر لکھا تھا ؎

اے حاملِ شریعتِ اقدس ہے سر بھی نذر
یا چاہتا ہے بوجھ ہی سر سے اُتار دے

علماء کا کام

آپ کا کام فقط یہی نہیں ہے کہ لوگ داڑھی رکھتے ہیں یا نہیں، لبیں کترواتے ہیں یا نہیں؟ پاجامہ ٹخنوں سے اونچا ہے یا نہیں؟ اس سے بڑا اور اس سے زیادہ عظیم الشان کام امراء سے لیکر غرباء تک مسلمانوں کے تزکیۂ نفس کا ہے اور ان کی اصلاحِ اخلاق کا۔ آپ میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حجروں میں بیٹھے تھے تو تم انگریزی تعلیم یافتہ خود ہم کو حجروں میں سے نکالکر لائے۔ اگر تم یہ چاہو کہ ہم حجروں میں چلے جائیں تو یہ نہ ہوگا۔ آپ سے کون کہتا ہے کہ آپ حجروں میں جائیے؟ میں تو کہتا ہوں کہ سیروا فی الارض، آپ تمام عالم کا نظارہ کیجئے۔ دیکھئے کہ کفّار کی کیا حالت ہے وہ کس قدر غالب ہیں؟ مسلمانوں کی کیا حالت ہے، وہ کس قدر مغلوب ہیں؟ آپ کو تمام عالم کی تنظیم کرنا ہے۔ آپ حجروں میں کیسے جاسکتے ہیں؟

میرے متعلق کہا گیا ہے کہ میں گاندھی کا متبع ہوں، ہندو پرست ہوں، ایسا ہوں، ویسا ہوں، اسکا جواب تو میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ واقعی میں مہاتما گاندھی کو ان کے اخلاق و عادات کے لحاظ سے آجکل دنیا میں سب سے بڑا انسان سمجھتا ہوں۔ میں خود حالانکہ فاسق و فاجر ہوں لیکن عقیدے کے لحاظ سے خود اپنے تک کو اُن سے بہتر سمجھتا ہوں اس لئے کہ میں مسلم ہوں اور میرا عقیدہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا

اور میں اسی کو صحیح سمجھتا ہوں۔ اس کے خلاف کسیکو صحیح نہیں سمجھتا۔ جب شدھی اور سنگٹھن کے جھگڑے کی اطلاع مجھے جیل میں پہنچی تو میں نے اسوقت جو شعر لکھا تھا اُسے آپ کو سناتا ہوں اس سے آپکو اندازہ ہوگا کہ میں آپکے منصب کو، اور مسلمانوں کے منصب کو کتنا اونچا سمجھتا ہوں۔ جو لوگ مسلمانوں کی شدھی کے درپے تھے اُن کو خطاب کرکے میں نے لکھا تھا کہ ؎

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ
نہیں اے بُت یہ بندے تیرے بس کے

میں نے اسی غزل میں یہ بھی لکھا تھا ؎

مے کہنہ ملے گی مسجدوں میں
یہ خمخانے ہیں تیرہ سو برس کے

میں آپ کو بتاؤں کہ میں آپ کو کیا سمجھتا ہوں سنئے آپ وہ ہیں کہ جنکی شان میں خداوندکریم نے فرشتوں سے فرمایا تھا انی جاعل فی الارض خلیفہ (میں دنیا میں ایک وائسرائے مقرر کرنیوالا ہوں) فرشتوں کو اچنبا ہوا تھا۔ اور انہوں نے پوچھا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء (کیا تو دنیا میں ایسے کو اپنا نائب مقرر کرے گا جو فساد پھیلائیگا اور خون بہائیگا؟) اور پھر اپنی بزرگی جتائی تھی کہ اگر ہم خطا کرنا چاہیں تو خطا نہیں کرسکتے۔ ہر وقت نیک کاموں میں مشغول ہیں نحن نسبح بحمدک ونقدس لک لیکن خداوندکریم نے ان کو جھڑک دیا کہ تم نہیں جانتے ہو جو کچھ میں جانتا ہوں۔ پھر سارا علم الاسماء انسان کو دیا تھا۔ اور فرشتوں سے ان کی عاجزی

جہاز ہیں۔ مگر ہوا پر تو آپ ہی کے بادشاہ کی حکومت چلتی ہے۔ ریح عاصف تو وہی چلاتا ہے اور قومِ عاد کو اسی ریح عاصف نے تباہ و برباد کیا تھا۔ وائسرائے کے بادشاہ کے پاس بڑے بڑے جنگی جہاز ہیں لیکن سمندر کی موجیں جو جہازوں کو ڈبو دیتی ہیں۔ ان پر آپ ہی کے بادشاہ کا قبضہ ہے۔ ایک غلام قوم کے حاکم فرعون کو آپ نے دیکھا کہ وہ کس طرح تباہ ہوا؟ فاغرقناھم فی الیم، پس ہم نے ان کو ڈبو دیا۔ زلزلہ اور کوہِ آتش فشاں کس کے زورِ بازو ہیں؟ آپ کے بادشاہ کے یا وائسرائے کے بادشاہ کے؟ جبکہ یہ قوتیں آپ کی پشت پناہی کے لئے موجود ہیں۔ اور سب آپ میں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ آپ سچے معنوں میں اپنے بادشاہ کے وائسرائے بنیں اور اسکی مرضی کے مطابق چلیں تو پھر آپ کس سے خوف کرتے ہیں۔ آپ سے تو کہدیا گیا ہے، وانتم الاعلونَ ان کنتم مومنین، (تم ہی ور رہو گے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو)

آپ خدا کے خلیفہ ہیں اور جس نظام کو آپ کو درست کرنا ہے اس کا نام نظامِ خلافت ہے۔ اور اسی نظامِ خلافت کے لئے، ہر ہر ملک ہر ہر صوبے، اور ہر ہر ضلعے، شہر اور قریہ میں خلافت کمیٹیاں بنانا ضروری ہیں۔

اب آپ سمجھے کہ میں آپ کو کہاں سے کہاں لایا۔ مجھے آپ پر یہی حقیقت روشن کرنی تھی کہ جسکے لئے یہ ساری تمہید اٹھائی گئی تھی۔ وائسرائے کے بادشاہ کی سلطنت چھوٹی ہے۔ آپ کے بادشاہ کی سلطنت سارا عالم ہے۔ اس سارے عالم کے آپ وائسرائے ہیں۔ ہر سلطنت کے لئے ایک قانون ہوتا ہے۔ اور اس قانون کے چلانے کے لئے پولیس اور فوج ہوتی ہے۔ آپ کے بادشاہ کا

قرآن کریم ہے۔ اس قانون کے نظائر کا نام حدیث ہے۔ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ وہ زبردستی اپنا قانون لوگوں سے منواتے ہیں۔ میں نے اور میرے بھائی نے اور بہت سے مسلمانوں نے تو پہلی اگست ۱۹۲۰ء کو صاف کہدیا تھا کہ اب ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔ صرف خدا ہمارا بادشاہ ہے اور ہم اُسی کی اطاعت کریں گے۔ اسلئے کہ ہندوستان کے بادشاہ نے اس شرط کو بھلا دیا۔ جس پر ہماری وفاداری مشروط و منحصر ہے، اور ہمارے مذہبی احکام کا احترام نہیں کیا۔ پھر بھی اگر ہم اس بادشاہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ہم کو سزا دی جاتی ہے۔

صحیح بادشاہ

کراچی میں ہم نے ثابت کر دیا کہ ہم اپنے صحیح بادشاہ کی یعنی خدا کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ اس پر بھی ہم سے کہا گیا کہ تم اس سرزمین کے قانون کی اور اسکے بادشاہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ اور ہم کو حبس دوام کی سزا دینے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اور دو برس کی سزا بھی دیدی گئی۔ ہم نے رسولِ خدا کے احکام سنانے چاہے تو عدالت نے کہدیا کہ:- Nevermind the prophet (کچھ پروا نہیں کہ تمہارا نبی (صلعم) کیا کہتا ہے) ملک کا قانون یہ ہے اور بادشاہ وقت کا قانون یہ ہے۔ لیکن خدا کا قانون جس کے چلانے کے لئے ہم اور آپ مقرر کئے گئے ہیں وہ اسی پر نافذ ہوتا ہے جو بلا جبر و اکراہ خود اسے قبول کرے۔ مسلم کیا ہے؟ وہ کہ جان بوجھ کر خدا کی دی ہوئی آزادی کو پھر خدا کو واپس کر دے۔ اور اسکے عوض خدا کی غلامی اختیار کرلے۔ ہمارا مذہب

ہندو ازم کی طرح کسی مقام یا ملک کے ساتھ منسوب نہیں، اور نہ یہودیت کی طرح کسی قبیلہ کے ساتھ منسوب ہے، نہ عیسائیت کی طرح ایک نبی کے ساتھ منسوب ہے۔ حالانکہ ہم کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ جو کوئی بھی نسبت ہو اس پر فخر ہے۔ لیکن ہمارے دین کا نام "محمڈن ازم" نہیں بلکہ "اسلام" ہے اور یہی دین حضرت آدم سے لیکر آجتک ہر اس بچے کا ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ فطرتِ انسانی یہی ہے۔ اور انسان کا وجدان سلیم، اور ضمیر اسی کو قبول کرتا ہے کہ گو خدا نے ہمیں مختار بنا دیا ہے کہ چاہے ہم فی سبیل اللہ چلیں یا فی سبیل الطاغوت، چاہے جنّت کا راستہ اختیار کریں چاہے دوزخ کا۔ لیکن ہماری فطرت یہی ہے کہ ہم طاغوت کا راستہ چھوڑ کر اللہ کا راستہ اختیار کریں۔ اور دوزخ جانیکا ڈھنگ نہ اختیار کریں، بلکہ جنت کی طرف دوڑیں۔ انسان کے لئے دونوں راستے کھول دئے گئے ہیں۔ اور ہم سے کہدیا گیا ہے کہ "فہدینٰہُ النجّدین" اور ہر نفس کو اسکے فجور اور تقوےٰ دونوں سے آگاہ کر دیا ہے، "فالھمھا فجورھا وتقوٰھا"، خدائے تعالےٰ خیر و شر دونوں کا خالق و قادر ہے۔ اور مذاہب نے دنیا میں خیر و شر دونوں کو دیکھ کر غلطی کی۔ اور مجوس تو اس عقیدے پر پہنچ گئے کہ نیکی کا خدا اور ہے بدی کا اور ہے۔ ایک ہرمزد اور دوسرا اہرمن ہے۔ دونوں میں لڑائی ہوتی ہے۔ کبھی ایک غالب آتا ہے کبھی دوسرا۔ قرآنِ کریم نے تکوین کا باب نہایت مختصر رکھا ہے۔ اور وہ اسی قدر ہے کہ روحوں نے اپنے خالق کے سوال کے جواب میں اسکی ربوبیت کا اقرار کر لیا۔ الست بربکم قالوا بلیٰ

اس نے ارواح سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کہ بیشک وہ اپنی طرف نہ صرف بندوں کی نیکیوں کو منسوب کرتا ہے بلکہ بندوں کی بدیوں کو بھی، اسلئے کہ وہی علت العلل ہے۔ لیکن اس نے یہ بھی بتادیا کہ انسان کی فطرت میں نیکی ہے نہ کہ بدی اس نے ہم کو یہ بھی بتادیا کہ، ہر انسان صرف اپنا بوجھ اُٹھاتا ہے نہ کہ دوسرے کا "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ"۔ اس طرح عیسائیت کے مسئلہ گناہ موروثی کی جو حضرت آدمؑ کی لغزش کے باعث عیسائیوں کے نزدیک بنی آدم کو بطور ترکہ ملا ہے۔ اور عیسائیت کے دوسرے مسئلہ کی حضرت عیسیٰ کی سولی پانے سے سب انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔ اسلام نے پوری تردید کردی۔ اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین" بیشک ہم نے انسان کو ایک اچھے پیمانہ پر بنایا۔ پھر اسے سب سے ادنیٰ مرتبہ پر ڈال دیا۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدا نے انسان کو بلندی پر پہنچا کر خود ڈھکیل دیا۔ اور انسان قصور وار نہیں۔ مقصد صرف اسی قدر ہے کہ خداوند کریم قادر خیر و شر ہے اسی لئے آگے بتادیا الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت فلهم اجر" غیر ممنون اسفل سافلین میں وہی جاتے ہیں جن میں ایمان نہیں۔ اور جن کے اعمال خراب ہیں۔ ایمان والے اور اچھے کام کرنے والے تو ایسا انعام اور صلہ پاتے ہیں جسکی انتہا نہیں جو رسول اکرم صلعم کو جھٹلاتے تھے اور کہتے تھے جیسا کہ بہت سے لوگ آج بھی کہتے ہیں کہ خدا انسان کو کیوں سزا دیتا ہے۔ جب

اسی نے انسان کو بدی کی طرف ڈھکیل دیا۔ اُسکا یہ جواب ہے۔ اور پھر پوچھا کیا فمایکذبک بعد بالدین۔ اب اللہ کے بانٹ کے منصفانہ ہونے کے بارہ میں کوئی کیسے جھٹلائیگا۔ کیا ہر دوزخی اپنے ہی کفر اور بداعمالی کے باعث دوزخ میں نہیں جاتا؟ اور ہر ایک جنتی کیا اپنے ہی ایمان، اور نیک اعمال کے اجر کے طور پر جنت کو نہیں حاصل کرتا۔ اس سے بڑھکر منصفانہ کیا بانٹ ہوسکتی ہے الیس اللہ باحکم الحاکمین، کیا اللہ سب انصاف کرنیوالوں میں اچھا انصاف کرنیوالا نہیں ہے۔ آپ سے کہا جاچکا ہے کہ قرآن کریم خدا کا قانون ہے لیکن اسکے مطابق صرف اسی کو چلایا جاتا ہے جو خود اُسے اپنے بادشاہ کا قانون سمجھکر قبول کرے۔ انگریزوں کے قانون اور LAW OF THE LAND کی طرح سے ہر ملک کے رہنے والے پر اُس کا نفاذ نہیں ہوتا۔ کوئی کافر اسلام کی شرع سے مکلف نہیں کیا گیا۔ کفار کے لئے ہمارا کام نشر و تبلیغ کا ہے۔ ان کے لئے آپ اور ہم صرف خدا کے ایلچی ہیں۔ لیکن جس کسی نے بلاجبر و اکراہ قرآن کریم کا قانون مان لیا اور خدا کی دی ہوئی آزادی کو اُسی کی غلامی سے بطیب خاطر اور برضا و رغبت بدل لیا۔ اس کے لئے البتہ شریعت اسلام میں اور نظام اسلام میں احتساب بھی ہے۔ اور دُرّے بھی ہیں اور سنگساری بھی ہے۔ اسکے لئے آپ اور ہم اللہ کے "پولیس مین" ہیں یہ کام خلافت کا ہے اور یہی کام مسلمانوں میں خلافت کمیٹی کا ہے۔ پھر ہر سلطنت میں اسکی حفاظت کے لئے ایک فوج ہوتی ہے اور ملک میں اسکے قلعے بھی ہوتے ہیں کہ جہاں ہزیمت خوردہ فوج بھی پناہ لے سکے۔ اور پھر تازہ دم ہو کر کیل کانٹے سے

درست ہو کر نکلے، اور غنیم کو اپنے ملک کی حدود سے نکال دے۔ خدا کی سلطنت کا قلعہ جزیرۃ العرب ہے اور ہر مسلمان جو نماز کی صف میں کھڑا ہوتا ہے اسکا سپاہی ہے اور ایک امام کے اشارہ پر جو ساری کی ساری جماعت جھکتی ہے اور زمین پر گر پڑتی ہے۔ اور پھر اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی فوج ہے جنکو میدان جنگ میں بھی حفاظت اسلام کے لئے اسی طرح ایک دوسرے سے ملکر کھڑا ہونا ہے۔ اور ہر ایک کو امام کی اطاعت کرنا ہے جس طرح وہ مسجد میں یعنی پریڈ کے میدان میں روز بطور قواعد پریڈ کے کرتے ہیں۔ یہ ہے نظام خلافت جس کا قلادہ ترکوں نے اپنی گردن سے نکالکر پھینک دیا ڈر ہے کہ کہیں قلادۂ اسلام بھی یونہی نہ اتار پھینکیں۔

وہ یورپ پر فتح پاکر بھی افسوس ہے کہ اس سے مرعوب ہو گئے ہمکو اور آپکو اُن تک جانا ہے اور اُن کو سمجھانا ہے کہ کتنی بڑی چیز کو انہوں نے کتنا چھوٹا سمجھا ہے اور کیسی سود مند چیز کو نقصان دہ جانا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ترکوں کی مدد اب کیوں کی جاتی ہے انہوں نے تو خلافت کو توڑ دیا۔ ہم سے پوچھئے کہ ان کی مدد کیوں کی جاتی ہے ؟ کیوں ہم چھوٹا نی سے ملا ہوا کارخانہ ان کو بھیج رہے ہیں۔ انہوں نے قلادۂ خلافت اپنے گلے سے اتار کر پھینک دیا۔ لیکن الحمد للہ کہ اب تک قلادۂ اسلام ان کے گلے میں ہے۔

اب میں علمائے کرام سے پوچھتا ہوں

اصلی کام

علمائے کرام کو تمام عالم پر نظامِ خلافت کی ضرورت کو آشکارا کرنا ہے اور ہندوستان میں مرکزی خلافت کمیٹی کو نائب خلافت بنانا ہے اور اسکے ذریعے سے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور اقتصادی اصلاح وغیرہ کرنا ہے۔ ہماری ابتدائی تعلیم۔ ہماری اعلیٰ تعلیم۔ کاروباری لوگوں اور دن بھر محنت مزدوری کرنیوالوں کو رات کو تعلیم دلانا۔ ہمارے یتامیٰ و بیواؤں کی نگہداشت، مساجد کی تعمیر مرمت و آبادی۔ غرضکہ ہماری ساری اسلامی زندگی کا نظام یہ تمام امور خلافت کمیٹیوں کے ذریعے سے درست ہوں گے اور انکو تعلیم دینا علمار کا منصب ہے۔ جب ہم سنتے ہیں کہ آریہ کسی یتیم بچے کو لے گئے۔ یا کوئی مسلمان بیوہ آوارہ ہوگئی تو ہمکو جوش آتا ہے لیکن محض جوش سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ جب تک ہم عملی طور پر کچھ کام نہ کریں ہم کو تو ہر یتیم کی فکر ہونی چاہیئے۔ اگر ہم بیواؤں کی خبر گیری نہ کریں گے تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی آوارہ بھی ہوجائے۔ ہم کو جلد جوش میں نہ آنا چاہیئے۔ بلکہ بغیر جوش کے کام کئے جانا چاہیئے جس طرح سمندر میں ایک جہاز چلتا ہے۔ اسے خیال نہیں ہوتا کہ سمندر کی سطح ہموار ہے یا نہیں؟ نہ اُسے طوفان کی پرواہ ہوتی ہے۔ میں نے یورپ کے سفر میں بار بار یہ نظارہ دیکھا ہے کہ موجیں جہاز کو تھپیڑیں مارتی ہیں لیکن وہ انکی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ سیدھا منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جس موج کا جی چاہے اُس سے ٹکرائے اور منہ کی کھا کر واپس

ہو جائے۔ وہ اسکی طرف سے بے التفاتی برتتا ہے۔ اسکی ساری توجہ منزل مقصود کی طرف ہوتی ہے اور بغیر وقت ضایع کئے ہوئے وہ آخرکار منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور ساحل مراد سے جالگتا ہے۔

موتمر اسلام

مؤتمر اسلامی منعقد ہونیوالی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ صحیح معنوں میں شاید یہ پہلا حج ہو۔ اس لئے کہ اس زنجیر کی آخری کڑی ہے کہ جسکی ابتدائی کڑی نماز باجماعت ہے۔ سر سے ایک بوجھ اُتارنے کے لئے ارض پاک حجاز کا سفر کرنا۔ گھبراہٹ میں طواف وسعی، صفا و مروہ وغیرہ سے فارغ ہونا۔ اور جلد سے جلد گھبرائے ہوئے وطن کو واپس آنے کا نام حج نہیں ہے۔ جس طرح نماز باجماعت، اور جمعہ اور عیدین کی نمازیں مسلمانونکو ایک دوسرے کے حالات سے باخبر کرنے، اور عالم اسلام کی سود و بہبود کی تدابیر سوچنے کا موقعہ دینے کے لئے حج بھی تمام مستطیع مسلمانوں کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ حج ہی کو اسلام کی سالانہ مؤتمر ہونا چاہئے۔ بہرحال ایک مؤتمر اسلامی منعقد کرنیکا خیال کیا جارہا ہے۔ اس مؤتمر میں ہمکو خلافت اور حکومت حجاز کا فیصلہ کرنا ہے اور تمام ممالک کے مسلمانوں کی خلافت کی طرف سے تنظیم کرنا ہے۔ جب تنظیم کا کام شروع ہوگا تو تمام پرجوش مسلمانونکو اس میں حصہ لینا پڑے گا۔ اور اگر ضرورت ہوگی تو مسعود الحسن صاحب چیرمین میونسپلٹی مراد آباد کو چیرمینی چھوڑنی پڑے گی اور مسلمان بچوں یتامیٰ اور بیوگان کی خبرگیری، مسلمان کاریگروں کی تعلیم کے لئے نائٹ اسکولوں

کا انتظام کرنا۔ ایک ایک بچہ، اور ایک ایک عمر رسیدہ جاہل کی تعلیم کا بندوبست کرنا۔ ایک ایک فقیر اور بھکاری کو روزی کے سر لگانیکا انتظام کرنا۔ ایک ایک مسجد کے لئے مؤذن اور امام مقرر کرنا۔ جو وہاں کے نمازیوں کے اخلاق کی اصلاح کریں اور انکو تعلیم دیں۔ مسلمان بچوں کو ابتدائی تعلیم دیکر انکو جامعہ ملیہ کے لئے تیار کرنا، یہ تمام کام ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ذمہ لینے ہوں گے۔ اور اسیطرح ہر بچے مسلمان کو تنظیم کے ہر شعبہ میں عملی حصّہ لینا پڑے گا۔ تاکہ مذہبی، تعلیمی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے عام مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔ اور جو ناگفتہ بہ حالت آج نظر آرہی ہے۔ اسکی اصلاح ہو سکے۔ علماء کا سب سے بڑا کام مسلمانوں کو اس تنظیم کی طرف متوجہ کرنا اور اسکو صحیح اسلامی طریقہ پر چلانے کی ہدایت کرنا ہے۔ کیا یہ منصب علماء کی شان سے گرا ہوا ہے۔ یا یہ کام بڑا نہیں ہے؟

علماء کے فتوے

ایک عالم نے فرمایا تھا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ علماء صرف فتویٰ دیا کریں۔ فتویٰ تو لونڈیاں بھی دے سکتی ہیں۔ اگر لونڈیاں فتوے دے سکتی ہیں تو پھر ایسے فتووں کی قدر و منزلت بھی کچھ نہ ہوگی۔ اگر علماء چاہتے ہیں کہ ان کے فتووں کی قدر ہو تو پھر یہ کام لونڈیوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ علماء کے فتووں کو ایسا ہونا چاہئے کہ ان کی خبر پہنچتے ہی بڑے سے بڑے دربار میں لرزہ پڑ جائے۔ اگر علماء اس کام کو چھوڑ کر قوم اور جماعتوں کی طرح چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگ جائیں گے تو وہ اپنے

منصب سے نیچے اتر آئیں گے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ وہ پھر بلند منصب پر جائیں۔ اور وہاں سے ہمارے قلوب پر اور ہمارے دماغوں پر حکمرانی کریں۔ علماء کا کام درباداری کرنا نہیں ہے، علماء تو علماء مجھ جیسے اُمّی نے بھی اپنے لئے لکھا ہے ؎

جوہر! اور حاجب و دربانکی خوشامد! کیا خوب!
عرش و کرسی پہ گزرہے ترے درباری کا!

علماء کس رفعت کو چھوڑ کر پستی کی طرف جانا چاہتے ہیں؟ ان کا ایک بڑا منصب دینی تعلیم ہے۔ لیکن وہ تعلیم نہیں جو چند مسجد کے مُلّا بنانے کے لئے کافی ہو۔ کوئی تعلیم، اور کوئی فن جو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہو۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ جس سے مسلمان بے بہرہ رہیں۔ اور علماء کو دینی مدارس کی اس طرح اصلاح کرنی چاہئے کہ ہم دینی علوم بھی حاصل کریں اور دنیا کے کاروبار کے لئے بھی تیار ہو جائیں اس کے لئے انکو علوم دینی نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم کی از سر نو جانچ کرنا پڑے گی اور دیکھنا ہو گا کہ وہ کیا چیز ہے جسکو وہ دین کے نام سے سکھاتے ہیں۔ میں داڑھی رکھنے کا قائل ہوں۔ اور خود داڑھی رکھتا ہوں لبیں کتروانیکا قائل ہوں اور خود لبیں کترواتا ہوں۔ یہانتک کہ پٹھے بھی رکھتا ہوں اور اسی وضع قطع کو پسند کرتا ہوں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ لیکن ہمارے علماء کو لحی و شوارب ہی کے جھگڑوں میں نہ پھنس جانا چاہئے۔ ان کا کام فقط ظواہر کو دیکھنا نہیں ہے، بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہمارے باطن کی اصلاح

کرنا ہے۔ اگر ہمارے باطن درست ہوں گے تو ہماری ظاہری شکل وصورت خود درست ہو جائیگی۔ میں علماء سے شکایت کرتا ہوں کہ انہوں نے داڑھی منڈوں کو نیچری اور کافر سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور انکی طرف سے لاپرواہی برتی۔ ان کا فرض تھا کہ وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑتے اور ان کے ساتھ رہتے ان کی جماعتوں میں شریک ہوتے اور انکو اپنی محبت اور مہربانی سے رام کرتے علماء کا کام فقط اچھوں کی صحبت میں رہنا نہیں ہے ان کو تو چکلوں اور شراب خانوں اور قمار خانوں تک میں جاکر انکی اصلاح کرنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ کفار میں مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپ نے انہیں کا تزکیۂ نفس کیا تھا۔ اور انہیں کو حکمت سکھائی تھی۔ ہمارے علماء بہت جلد داڑھی منڈوں اور انگریزی پڑھنے والوں سے بیزار ہو گئے۔ اس سے نہ علماء کا فائدہ ہوا نہ ڈاڑھی منڈوں کا اور نہ اسلام کا۔ علماء کا اثر لوگوں پر زائل ہوتا گیا۔ اور نئے تعلیم یافتہ بھی اسلام سے ناواقف ہو گئے۔ اور اسکی صحیح خدمت نہ کر سکے۔ آخر کار جب پے در پے اسلامی سلطنتوں کو شکستیں نصیب ہوئیں۔ اسوقت اسلام کا ایک بڑا معجزہ دیکھنے میں آیا۔ فراعنہ میں سے ایک فرعون کی قبر میں سے جو کوئی ڈھائی تین ہزار برس پہلے مرچکا تھا کچھ غلّہ نکلا تھا جس میں سے دو دانے ایک انگریز نے بو کر دیکھے ان میں سے ایک دانہ باوجود زمانے کے اسقدر بُعد کے بار آور ہوا۔ اور اس نے ثابت کر دیا کہ اس میں وہی اگلی سی قوت نمو موجود تھی۔ یہی حال انگریزی پڑھنے والے نیچریوں اور داڑھی منڈوں کا تھا

پیدا ہونے کے بعد ہمارے کان میں بھی اذان کی آواز دی گئی تھی۔ اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہمارے مرتے وقت بھی ہمارے ورد زبان اللہ کا نام ہوگا۔ یورپ، ایشیا پر اور کفر اسلام پر جب غالب آیا تو ہم نے یہ نہیں کیا کہ ہم اسلام سے متنفر ہو کر کفر کی طرف دوڑ گئے۔ بلکہ ہمکو یہ دیکھ کر کہ کفار کا غلبہ اس وجہ سے تھا کہ ان میں سچے مسلمانوں کی کچھ عادتیں موجود تھیں اور مسلمانوں میں سے وہ عادتیں مفقود ہو گئی تھیں، معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کفر اسلام سے بہتر ہے بلکہ صرف اسقدر ہے کہ مسلمان اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ اسی لئے ہم اسلام کی طرف بڑھے۔ اور فرعون کی قبر کے غلہ کے دانے کی طرح ہم میں بھی اسلام کی قوتِ نمو ثابت ہوئی، یہ خدا کی قدرت تھی اور گزشتہ جنگوں کا فیض تھا کہ اس نے ہمکو اور علماء کرام کو ملایا۔ اگر ہم علماء کی طرف جھکے تو علماء بھی ہماری طرف بڑھے۔ انکو بھی ضرورت پیش آئی کہ ترکوں کی مدد کریں۔ لیکن بیچارے جانتے نہ تھے کہ سُود خوار بنک کیسے ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے ترکوں تک روپیہ کیسے پہنچایا جا سکتا ہے اس لئے ہم دیوبند بلائے گئے۔ فرنگی محل بلائے گئے۔ ہماری مشترکہ مصیبت نے ہم کو ایک دوسرے کے ساتھ شریک کر دیا۔ اور یہ اسی شرکت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ ہم دونوں میں سچی دینداری بڑھی اور چند سال تک ہماری حالت کی اصلاح ہوتی رہی۔ لیکن بدقسمتی سے پھر افتراق پیدا ہو رہا ہے۔ علمائے کرام کو ہمیں مذہب سکھانا ہے۔ لیکن ان کو

آج غور کرنا چاہیے کہ وہ ہم کو کیا تعلیم دیں گے۔ کیا محض لحی و شوارب کے متعلق، مسائل فقہیہ کی یا دین کے بڑے بڑے اصولوں اور اخلاق کی اصلاح کی؟ میں نہیں چاہتا کہ وہ کتاب اللہ کی تعلیم کو چھوڑ کر، کسی اور کتاب کی تعلیم دیں۔ آج وہی ایک کتاب ہے جسکی شان میں کہا گیا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ الم ذلك الكتب لاريب فيه، یہ وہ کتاب ہے جسکی صحت میں، جس کے منجانب اللہ ہونے میں، ریب و شک کی گنجائش نہیں۔ دنیا میں آج کوئی صحیفہ نہیں جس کے ہر لفظ کے الہامی ہونیکا اسطرح ثبوت موجود ہو، یا جو ساڑھے تیرہ سو برس سے اسطرح بغیر ایک حرف کے ردو بدل کے ہم تک آیا ہو۔ ایک سچے جوشیلے مسلمان کی غیرت کا تو یہانتک تقاضہ تھا کہ اس نے حضرت جبرئیل کی وساطت تک کو قبول نہیں کیا، اور لکھد یا کہ ؎

زجبریلِ امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم
ہمہ گفتارِ معشوقیست قرآنے کہ می دارم

ہم اسی کتاب کی اسی گفتار معشوق کی تعلیم چاہتے ہیں، اسکے بعد اصح الکتب بعد القرآن، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور اسی قسم کی صحیح کتب حدیث کی تعلیم چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ علماء پہلے ان کتابوں کو پڑھیں اور پڑھائیں، اور اسکے بعد ہدایہ اور درمختار کی طرف متوجہ ہوں، متاخرین کو متقدمین پر ترجیح نہ دیں۔ سب سے پہلے اصلی سرچشمہ ہدیٰ کی طرف جائیں۔ میں غیر مقلد نہیں ہوں۔ حنفی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ

میرا یہ عقیدہ ہے کہ ممکن ہے کہ کسی مسئلہ میں مجھ جیسا جاہل بھی شاید صحیح ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ اور عالم نے ممکن ہے کہ غلطی کی ہو۔ اس لئے میرے لئے ضروری ہے کہ میں خود ہی کتاب اللہ اور سنت کی طرف جاؤں اور ان کی تعلیمات پر غور کروں۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ ممکن نہیں کہ حقیقت فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی، اور فقہ حنبلی کے باہر بھی ہو۔ ہم کو قرآن کے معنی اور حدیثوں کی درایت کے متعلق تجسس کرنا پڑے گا۔ اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش آج بھی ضروری ہے۔ میں آپ سے جدت کا طالب نہیں ہوں۔ میں تو خود دین میں بدعت کو ضلالت سمجھتا ہوں اور اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف نہ کہ صرف فقہ حنفی کیطرف مسلمانوں کو متوجہ کرانا چاہتا ہوں۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آج علماء سب سے پہلے دین کے موٹے موٹے اصولوں کی تعلیم دیں اور اُن پر مسلمانوں سے عمل کرائیں۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ ترکوں نے کس طرح اپنے علماء سے بیزار ہو کر قلادۂ خلافت کو اپنی گردن سے اتار دیا ہے۔ اور ان کے عمائدین سے کتنے اسلام سے دور جا رہے ہیں۔ میں علماء کرام کی خدمت میں صاف کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے بڑے بڑے اصولوں کو چھوڑ کر فروعات کی طرف زیادہ توجہ کی۔ اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہماری زیادہ گرفت کی اور ہماری بڑی غلطیوں کو اور ہمارے بڑے گناہوں کو نظر انداز کیا تو صرف یہی نہیں کہ مسعود الحسن صاحب اور عبد السلام صاحب ہی داڑھی منڈے رہیں گے بلکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں معظم علی صاحب کی

اور میری بھی داڑھی نہ منڈ جائے۔ ہم آپ کی آج بھی عظمت کرتے ہیں لیکن میں نئے تعلیم یافتوں کی دلی حالت آپ سے چھپاؤں گا اگر میں یہ نہ کہوں کہ آپ کی عظمت آج کس طرح کی جاتی ہے۔ آپ میں کے اکثر افراد کو یہ گروہ رحل کی ایک چوب خشک سمجھتا ہے۔ لیکن آپ وہ رحل ہیں کہ جس پر خدا کا قرآن رکھا ہوا ہے۔ اس لئے ہم اس رحل کو ٹھکراتے نہیں، بلکہ اسکی بھی عظمت کرتے ہیں، لیکن آپ کی عظمت ایک حامل شریعت جماعت کی طرح ہونی چاہئے۔ اور ہوگی اگر صحیح شریعت کی تعلیم دیں۔ خود اس پر چلیں اور ہم سب کو اس پر چلائیں۔

آپ میری اس گستاخی کو معاف فرمائیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں ایک بلند منبر پر سے آپ حضرات کو وعظ و پند کرنا چاہتا ہوں۔ جس طرح میں گواہی دیتا ہوں اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد عبدہ و رسولہ، کہ اللہ ایک ہے اور اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور اسکے ایلچی ہیں۔ اُسی طرح میں اسکی بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں ایک فاسق فاجر اور گنہگار مسلمان ہوں، بہت سے مسلمان اور آپ بھی میری عظمت کرتے ہیں لیکن "من آنم کہ من دانم،" خدا میری کمزوریوں سے خوب آگاہ ہے اور میں بھی اُن سے آگاہ ہوں۔ جیلخانے تک اور قید تنہائی میں بھی میرے نفس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اب بھی مجھے اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی رغبت دلاتا ہے اور ہزاروں بُری باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور بسا اوقات میں اسکی اتباع کرتا ہوں۔ میں اپنے اعمال کے متعلق یہ جانتا

کہ میں دوزخ کا مستحق و مستوجب ہوں، اور اگر پھر بھی جنت کا امیدوار، خدا کے دیدار اور اسکے رسول کی شفاعت کا متمنی ہوں تو اسی وجہ سے کہ اس نے فرمایا ہے کہ اسکی رحمت وسیع ہے اور اس سے مایوس ہونا نہ چاہئے۔ اگر جنت میں جاؤں گا تو صرف اسیوجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شفیع سمجھتا ہوں، اور خداوند کریم کو اپنا آمرزگار اور بخشنے والا جانتا ہوں، ورنہ میرے اعمال ہر طرح دوزخ کے مستوجب اور مستحق ہیں، آپ تو آپ میں کسی جاہل اور اُمّی، کسی فاسق و فاجر کو بھی پند و موعظت کرنیکا حق نہیں رکھتا۔ اسلئے آپ کو کیونکر وعظ دے سکتا ہوں۔ میری گستاخی کو معاف کیجئے۔ میں نے اپنے دل کی مجبوری سے آپ کے سامنے اس گستاخانہ طریقہ سے اپنا اور اپنے ہزاروں لاکھوں ساتھیوں کا دردِ دل کہا ہے۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین

(ہمدرد ۱۷-۱۸- فروری ۱۹۲۶ء)

(محمد علی خاندانی مسلمان بھی تھے، اور "نومسلم" بھی تھے، نومسلم اس اعتبار سے کہ انہوں نے اسلام کی تعلیم، اسکے فلسفہ، اسکے اصول، اسکی روح کو ذاتی مطالعہ، ذاتی تحقیق، اور ذاتی کاوش سے سمجھنے کی کوشش کی تھی، کم ازکم ان کے عہد کے خالص انگریزی خواں اصحاب میں ایسا آدمی مشکل سے ملیگا جس نے انکی طرح اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہو۔

انکی اس وسعت مطالعہ، اور سعی تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی ذہنیت مذہب کے مقابلہ میں بھی وہی تھی، جو صدر اوّل کے مسلمانوں کی تھی، وہ "وجدنا علیہ آبائنا" کے قائل نہیں تھے، اور امام شافعی کی طرح، ہر بڑے سے بڑے آدمی کے متعلق کہہ دیتے تھے۔ "نحن رجال وہم رجال" کسی کے فتوے پر صرف اسلئے، گردن نہیں جھکا دیتے تھے کہ وہ فلاں جلیل القدر ہستی کی طرف منسوب ہے۔ اسکی کنہ، اور علّت بھی وہ سمجھنا اور معلوم کرنا چاہتے تھے۔

یہ اسی ذہنیت کا نتیجہ تھا کہ وہ تقلید اعمی سے گھبراتے تھے، وہ چاہتے تھے، عہد حاضر کے نئے مسائل پر علماء غور کریں۔ اور نئی فقہ ترتیب دیں، وہ فقہ جس کا منبع و مخرج کتاب و سنت ہو۔ لیکن جس میں جمود نہ ہو۔ ان کا خیال تھا اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہر جگہ مصطفےٰ کمال پاشا پیدا ہوں گے اور ہماری شریعت ایک افسانۂ پارینہ بنکر رہ جائیگی۔

یہ مضمون محمد علی نے کامریڈ میں لکھا تھا۔ یہ اسکا ترجمہ ہے جو ہمدرد میں شایع ہوا تھا۔ مضمون میں سیٹھ یعقوب حسن صاحب کا ذکر ہے، یہ خلافت کے رہنماؤں میں سے تھے۔ علی برادران کے گہرے دوست، یہ مضمون دراصل سیٹھ صاحب اور مولینا منور الدین کی کتابوں پر تبصرہ کی تقریب میں لکھا گیا تھا۔ مؤلف)

گزشتہ جنگ کے تجربات نے جہاں مصطفےٰ کمال پاشا کی ترکی کو ایک ضرورت سے زیادہ دنیادار سلطنت بنا دیا ہے وہاں ان کا اثر مسلمانان ہند کی مذہبی زندگی پر بھی کافی ہوا ہے۔ مسلمانانِ ہند نے اس نام نہاد تنسیخ خلافت کو صاف اور صریح الفاظ میں برا کہا ہے، اور گو وہ یورپ بالخصوص برطانیہ کے ان پروپگنڈا کرنے والوں کے دھوکے میں نہیں آئے ہیں جو رات دن یہ کہہ کہکر ان کے کان بھرتے رہتے ہیں کہ انگورہ کے ترک بمشکل مسلمان کہلائے جا سکتے ہیں۔ اور ترک خود اسلام ہی کے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر بھی، وہ انگورہ کی ہر تحریک اصلاح کو بڑی گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر اس بات کو

جو وہاں سے نکلے اپنی حقیقی ترقی کا یقینی راستہ نہیں خیال کر لیتے۔ مغرب سے سبق حاصل کرنیکی ہماری بھی خواہش ہے مگر ہم اب اس غلامانہ نقالی کی منزل کو طے کر چکے ہیں جبکہ ہم صرف اسی میں خوش تھے کہ بندر کی طرح دوسروں کی نقل اتارا کریں اب تو ہمارا عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر ہے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر (جو اچھائی ہے اسے لے لو اور جو برائی ہے اُسے چھوڑ دو) ہمارا طرزِ عمل یہ نہیں ہے کہ ہر پرانی بات کو ترک کر دیا جائے، اور ہر نئی بات اختیار کر لی جائے۔ اسکے برخلاف ہم ہر قدیم چیز کا دقتِ نظر کے ساتھ امتحان کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ حقیقتاً وہ کس قدر پرانی ہے، آیا اسکی قدامت تیرہ سو سال پیشتر کے زمانہ تک پہنچتی ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے خلفاء راشدین اور اصحاب کبار کا زمانہ تھا یا اسلام کے صاف و شفاف چہرہ پر وہ صرف ایک بعد کا پیدا شدہ داغ ہے۔

دنیا بھر میں مسلمانوں کے عام تنزل کے مختلف اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ باوجود اس بات کے کہ اسلام نے مذہبی پیشوائی کی آڑ میں فریب کاری سے منع کیا ہے۔ اور پیشوایان دین کی کسی ایسی مخصوص جماعت کو تسلیم نہیں کیا ہے جو عامۃ المسلمین سے ممتاز ہو۔ اور جیسا کہ کہا جاتا ہے خدا اور انسان کے درمیان سلسلے اور ذریعے کا کام دے۔ پھر بھی ازمنہ متوسطہ سے علمار نے خود کو عوام سے کسی قدر الگ کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے آپ کو ایسا ہی خیال کرنے لگے کہ جیسے دیگر مذاہب کے پیر اور گرو ہوا کرتے ہیں اور جنہیں کلام مجید میں اربابا من دون اللہ بتایا گیا ہے اسلام "دنیاوی،، اور "روحانی"

کی تفریق گوارا نہیں کرتا۔ کیونکہ اسکے نزدیک تمام حیات یا روح ایک ہے، جو ناقابل تقسیم ہے۔ اور فلسفیانہ امتحان و تبصرہ کے لئے ہم خواہ اسکا کسی قدر تجزیہ اور قطع و برید کر دیں۔ اور اسکے ہر ہر پہلو کو اچھی طرح دیکھیں لیکن حقیقتاً وہ مختلف اجزائے ترکیبی سے بنا ہوا ایک ہی مرکب ثابت ہو گی۔ اور اسلام میں مذہب کے معنیٰ اسکے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ وہ اسی حیات کی تشریح ہے مسلمانوں کے علاوہ دیگر جماعتوں نے یہی غلطی کی، کہ انہوں نے خدا اور انسان کے درمیان پیروں اور مرشدوں کو داخل کر دیا۔ اور زندگی کی بعض باتوں کو مقدس اور بعض کو ناپاک اور خراب خیال کرنے لگے۔ جب تک کہ مسلمانوں کے نزدیک زندگی کی ہر بات مقدس تھی۔ اور جبتک کہ ہر مسلمان زندگی کے مندر میں خود ہی اپنا سب سے بڑا پیر و مرشد تھا۔ اسوقت تک دنیا اس کے لئے ایک صدف تھی جسے اس نے تلوار سے بھی کھولا اور قلم سے بھی۔ لیکن جس قدر وہ دیگر مذاہب کے لوگوں سے مشابہ ہوتا گیا اور کچھ آدمیوں کو اس دنیا کے لئے اور کچھ کو دوسری دنیا کے لئے مخصوص کرنے لگا۔ اسی قدر اسکی دنیاوی اور اُخروی نجات کے مواقع کم ہوتے چلے گئے۔

گزشتہ جنگ کے اختتام پر جبکہ تاریخ اسلامی نے اپنا دور پورا کیا اور مسلمان اس سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے جسے ان کے اسلاف نے اپنے زہد و اتقاء اور دلیری و شجاعت کی بدولت فتح کیا تھا تو مسلمانانِ ہند کے دلوں نے بھی ان اسباب کی جستجو شروع کی جو انکی گزشتہ ترقی اور موجودہ زوال کا باعث تھے۔

یورپ تو انہیں یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ یورپ کی تشریح حیات یا مذہب صحیح ہے اور مسلمانوں کی ترقی کو جس چیز نے روکا وہ ان کا قدیمی مذہب تھا۔ لیکن مسلمانوں نے بجائے اسکے یہ محسوس کیا کہ وہ اگر ترقی کر سکتے ہیں۔ تو صرف اسی صورت میں کہ وہ اپنے مذہب کی جانب پھر رجوع کریں۔ اور تنازع للبقار میں وہ اگر زندہ رہ سکتے ہیں تو صرف اسوقت کہ جب وہ زندگی کی وہی تشریح کریں جو قرآن پاک، اور احادیث نبوی نے کی ہے۔

انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ علماء کے ہر قول کو قرآن اور حدیث سمجھنا بھی غلطی ہے۔ اور دنیا و آخرت دونوں مقامات پر ان کے اعمال کا اندازہ ان کوششوں سے کیا جائیگا جو ان میں سے ہر شخص نے بطور خود اسلام کی کتب مقدسہ کی تشریح میں کی ہیں۔ نیز ان کوششوں سے جو ہر ایک نے ان کتب مقدسہ کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ علماء ایسے افراد قوم تھے جنہوں نے، اپنی زندگیاں انہیں کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اور اسلئے عام مسلمانوں کی شکرگزارانہ تعظیم کے مستحق تھے۔ لیکن یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا کہ انہیں قدیم روم کے پادری بنا دیا جاتا جو اپنے مذہب کی شریعت اور علم دین کے ٹھیکہ دار بن گئے تھے۔ اور جن کے پاس جانے پر ہر رومن مجبور ہوتا تھا۔ جب کبھی اسے کسی شرعی یا دینی بات کے معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ علم دین کے بھی ماہرین خصوصی ہونا ضروری

ہیں۔ اور علم دنیا کے بھی لیکن اسلام کسی طبقہ یا جماعت کا تو ذکر ہی کیا۔ کسی ایک فرد کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مذہب کی ضروری باتوں سے ناواقف رہے درحالیکہ مسلمانوں کا ایک فرقہ اپنی تمام عمر مذہبی مطالعہ کی نذر کر دے۔ اور ماسوا سے بالکل ناواقف ہو۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ مذہب صرف زندگی کی تشریح کا نام ہے۔ اور پیشوایان مذہب کو عوام سے علیحدہ کر دینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب زندگی سے غیر متعلق ہو جائے یہ حالت نہ پیشوایان مذہب کے لئے اچھی ہے نہ عوام کے لئے اور چیزونکی اس مہلک روحانی اور دنیاوی تفریق کی بدولت دونوں مبتلائے مصیبت ہوتے ہیں۔

(۲)

جامعہ ملیہ کے بانیوں نے گزشتہ جنگ سے سبق سیکھ کر، جو نصاب تعلیم جامعہ کے لئے تجویز کیا تھا اس میں یہی مقصد پیش نگاہ تھا کہ ہم اپنی درس گاہوں سے ایسے نوجوان پیدا کریں جو نہ صرف زمانۂ جدید کے معیار کے مطابق تعلیم و تہذیب یافتہ ہوں۔ بلکہ ایسے سچے مسلمان بھی ہوں جن کے دل نورِ اسلام سے منور ہوں۔ اور دماغ علوم اسلامی سے معمور، تاکہ وہ اسلامی مبلغین کی صف میں دوسروں کے سہارے کے بغیر کھڑے ہو سکیں، یہ بات محسوس ہو رہی تھی کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے اس قدر کم واقفیت ہے کہ وہ اسی میں خوش ہیں کہ تمام مذہبی معاملات کو علماء کے محدود حلقہ کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے اور وہ خود یا تو مذہب سے قطعاً بے نیاز رہیں

یا پھر ہر بات میں بلا چون وچرا کئے ہوئے ان علماء کے احکام پر آنکھیں بند کر کے عمل پیرا ہوا کریں، یہ صورتِ حالات نہ مسلمانوں کے لئے ٹھیک تھی نہ علماء کے لئے اور نہ خود اسلام کے لئے معاملات کی اس قابلِ افسوس حالت کی درستی و اصلاح کے لئے جامعہ ملیہ عالم وجود میں آئی۔ اور اسکی تعلیمی بنیاد کلام الٰہی کی پوری پوری واقفیت پر رکھنا ضروری خیال کیا گیا۔ اسی لئے تعلیمی تجاویز میں ایسی دفعات رکھی گئیں کہ قرآنِ پاک کی تعلیم ہر درجہ میں لازمی ہو تاکہ ایسے طلبا بھی جو اقتصادی یا دیگر وجوہ کی بنا پر ابتدائی تعلیم سے زیادہ حاصل نہ کر سکیں۔ با معنی کلام مجید ضرور پڑھ لیں اسکے علاوہ اس تجویز میں عربی زبان سے کسی حد تک واقفیت بھی ضروری خیال کی گئی تھی۔ اور ابتدائی درجوں میں بھی اسکا انتظام تھا۔ اگرچہ اسکا طرزِ تعلیم بالکل بدل دیا تھا۔ مبتدی کو صرف و نحو کے جنجال میں پھانسنے کی بجائے ابتداء میں اسے عربی زبان سکھانے کی کوشش کی گئی تھی تاکہ طالب علم کم وقت میں زبان سے ماہر ہو جائے اور اس طرح ہندوستانی مسلمان بھی اس قابل ہو سکے کہ وہ کلام مجید کو اسی طرح سمجھ لے جس طرح عرب کے بدو رسولِ پاک کے زمانے میں سمجھا کرتے تھے۔ جامعہ ملیہ کے مدرسوں میں ادبِ عربی کی درسی کتاب خود کلام اللہ کو رکھا تھا۔ اور اسکے علاوہ عقاید، فقہ متعلق بہ عبادات و اخلاق اور سیرۃ اور حدیث کی تعلیم بھی مقرر کی گئی تھی لیکن اس تجویز میں جتنا زور تعلیم قرآنی پر دیا گیا تھا اتنا دیگر مدارس میں جہاں نصاب نظامیہ پڑھاتے ہیں۔ نہیں دیا جاتا۔

اسی وقت یہ ضرورت بھی محسوس کی گئی تھی کہ ان لوگوں کو بھی علمار کی غلامانہ محتاجی سے آزاد کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہئیے جنکی عمر زمانۂ تعلیم کی حد سے متجاوز ہو چکی ہے۔ متعدد علماء سے اس بات کی درخواست کی گئی کہ مسلمانوں کی اس ہر وقت کی محتاجی کا علاج کریں جو اچھے خاصے بڑھے لکھے مسلمان کو بھی مجبور کرتی ہے۔ کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کو پوچھنے کے لئے بھی علمار کی خدمت میں دوڑا ہوا جائے۔ علاج کا طریقہ یہ تجویز کیا گیا تھا کہ فقہہ اسلامی کی ترتیب و تدوین کر دی جائے جو دنیاوی معاملات کے متعلق قوانین اور دینی عبادات کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ترتیب و تدوین کے لئے ضرورت تھی کہ علم فقہ میں بھی مہارت تامہ ہو۔ اور ترتیب دہی کے طریقوں سے بھی پورے طور پر واقفیت ہو۔ مگر افسوس کہ ہمارے مولوی صاحبان ایسے طریقوں سے قطعاً ناواقف تھے اور ان سے کسی ایسے کام کے لئے التجا کرنا جو ان کے پیش رو حضرات نے گزشتہ چار پانچ صدیوں سے نہیں کیا ہے صدا بصحرا کا مصداق تھا۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ بات باعث شرم نہیں ہے کہ آج ہمارے ذخیرۂ احادیث کی جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہے۔ کوئی باقاعدہ فہرست موجود نہیں ہے۔

۱۵ر نومبر ۱۸۳۹ء میں جب نوجوان سلطان عبد المجید تخت نشین ہوئے اور انہوں نے "تنظیمات" یا گل خانہ کے خط شریف کا اعلان کر کے اپنی تخت نشینی کو ممتاز بنا دیا۔ تو ترکوں نے اپنے نظم و نسق مملکت کے ہر شعبے میں اصلاح کی پالیسی شروع کی۔ اور دیگر اصلاحات کے دوش بدوش

دیوان سلطانی کے عدالتی فرائض شیخ الاسلام کے سپرد کر دیئے گئے۔ دیوانی قوانین کی ترتیب بھی اسی صورت میں ناگزیر ہو گئی اور بالآخر ۱۸۵۹ء میں "مجلہ" کا اعلان کر دیا گیا۔ جو ترکی کا اسلامی قانون دیوانی ہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے فقہ اسلامی کی ترتیب کی صرف ایک یہی کوشش ہوئی ہے۔ ہندوستان میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے تمام ذخیرہ کو دفاتر، ابواب، اور فصول و دفعات میں علیحدہ علیحدہ علیحدہ مدون کیا جائے۔ اور انہیں اسی طرح نمبر دئے جائیں جس طرح کہ ہندوستانی قانون کے نمبر ہیں۔ اور ایک نہایت ہی مکمل فہرست اس قسم کی بنائی جائے جیسی انسائکلوپیڈیا برٹینیکا کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم میں سے جن لوگوں کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے وہ ماہرین قانون یعنی وکلاء وغیرہ سے رجوع کرتے ہیں۔ پھر بھی ہر مہذب ملک کے قوانین اس طرح مرتب کر دیئے جاتے ہیں کہ ہر تعلیم یافتہ آدمی انہیں پڑھکر بہت کچھ سمجھ جائے۔ جو کچھ تلاش کرتا ہو ان کتابوں کی فہرستوں سے بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ ایک مسلمان جو اُردو پڑھ سکتا ہے اسی قسم کی منتظم و مرتب کتاب سے مسائل فقہ نہ معلوم کر سکے؟ مثلاً کوئی شخص نماز سنت کی آخری دو رکعات میں قرأت پڑھنا بھول گیا، یا اور کسی سہو کا مرتکب ہوا جسکے لئے اسے سجدۂ سہو کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اس نے نماز ختم کر دی اور سجدۂ سہو نہ کیا۔ اب وہ کیا کرے؟ ایسا انتظام کیوں نہیں ہے کہ اردو خواں مسلمان اپنے اس مسئلہ کا حل بہ آسانی خود ہی

دو تین منٹ میں معلوم کر لے، اور اسے اتنی سی بات کے لئے علماء کی خدمت میں نہ جانا پڑے جو بحالات موجودہ ہر تعلیمیافتہ شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ معمولی فرض نمازیں دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنی پڑتی ہیں اور یہ فرض کیا جاسکتا ہے گو ایسا ہے نہیں کہ تعلیم یافتہ مسلمان ان نمازوں کے متعلق احکامِ شریعت سے واقف ہیں اور انہیں ان مسائل کے لئے علماء کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مذہب اسلام میں تو تقریب نکاح سے لیکر تجہیز و تکفین تک کوئی شرعی رسم ایسی نہیں ہے جس کے لئے ایک پروہت یا پادری کی ضرورت ہو۔ لیکن اسکے باوجود آج کتنے مسلمان ایسے ہیں جو نکاح کے وقت قاضی، تجہیز و تکفین کے وقت غسال اور نماز جنازہ کے وقت پیش امام کی خدمات انجام دے سکیں۔

اور پھر حج کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ کم از کم ہندوستان کے حاجی تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے بھی مطوفین اور معلمین کی ہدایات کے محتاج ہیں۔ جو اچھی طرح سے حاجیوں سے روپیہ وصول کرتے ہیں لیکن گزشتہ حج کے موقعہ پر صوبہ نجد کے تقریباً ایک لاکھ حاجی آئے جنہیں شریف مکہ کی حرکتوں کی بدولت دس سال سے زیارتِ مکہ کا شرف نصیب نہیں ہوا تھا۔ اور بیت اللہ کے دروازے ان پر بند تھے اور ہمیں وفد خلافت سے اطلاع ملی ہے کہ ان میں سے بمشکل کسیکو مطوف کی خدمات کی ضرورت پڑی۔ یہی سبب تھا کہ تمام مطوفین ان "وہابی کافروں" سے اسقدر ناراض ہو گئے تھے، ہر نجدی زائر کے پاس ایک چھوٹی سی کتاب

تھی، جس میں تمام ضروری ہدایات موجود تھیں۔ لیکن حج کے تمام ارکان ادا کرنے کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب کافی نہیں ہو سکتی۔ جس چیز کی فی الحقیقت ضرورت ہے وہ ایک مرتب کتاب الحج ہے جس میں حج کے متعلق آیاتِ قرآنی سے لیکر جن پر مسلمانوں کے اس اہم فریضۂ مذہبی کا دار و مدار ہے، ان اختلافات تک کا ذکر ہو جو فروعات کے متعلق سنیوں کے چاروں فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یا شیعوں کے دونوں فرقوں میں موجو ہیں۔

مولینا منور الدین صاحب کی کتاب الحج کو جو اسی قسم کی دیگر تالیفات کے سلسلہ میں جن میں اسلام کا قانون وراثت بھی شامل ہے چھپی جلد ہے دیکھ کر ہمیں بالکل وہی مسرت حاصل ہوئی جو بادیۂ عرب کے اس پیاسے مسافر کو حاصل ہوتی ہے جو پانی کے دھوکے میں سرابوں کی طرف دوڑتے دوڑتے تھک کر تھک چکا ہو اور بالآخر اسے ایک حقیقی سبزہ زار ملجائے جس میں سرد اور خوشگوار پانی کا چشمہ بہہ رہا ہو۔ مولینا نے اس کتاب کو صرف ترتیب ہی نہیں دی ہے۔ بلکہ از ابتدا تا انتہا سب کچھ خود لکھا ہے۔ ہم نے کتاب الحج کو جو اس عظیم الشان سلسلہ میں جس کا نام فتاوائے عثمانی ہے اور جس کا نام نہایت مناسب طریقہ پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام حیدر آباد کے نام نامی پر رکھا گیا ہے۔ بغور پڑھا ہے۔ نیز کتاب المیراث کا قلمی مسودہ بھی دیکھا ہے۔

ہم بذاتِ خود فقہ اسلامی کے ماہر نہیں ہیں اس لئے مصنف کے علم فقہ کے متعلق رائے زنی نہیں کر سکتے۔ نہ ہمیں اتنا موقعہ مل سکا کہ تمام

جلدوں کو اچھی طرح پڑھتے، لیکن جس قدر بھی ہم نے پڑھا وہ ہمیں اس بات کا اطمینان دلانے کے لئے کافی تھا کہ یہی وہ طرز ہے جس میں فقہ اسلامی کی ترتیب دی جانی چاہیئے، اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر خواندہ مسلمان اس سے مستفید ہو سکے۔

فتاوائے عثمانی کے مصنف مولینا منور الدین صاحب شمس العلماء مولینا سید ضیاء الدین خان بہادر مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں، جو دہلی کے مشہور رئیس تھے اور پنجاب میں بعہدۂ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر مامور تھے۔ مولانائے مرحوم کو اپڈنبرا یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ آف لاز کی ڈگری بھی ملی تھی۔ مولینا منور الدین صاحب نے اپنے والد بزرگوار سے عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس تعلیم میں جو کمی تھی اسے آپ نے پنجاب یونیورسٹی کے بی اے تک کی تعلیم دہلی اور لاہور میں حاصل کر کے پورا کر دیا۔ اور آپ کی اسی مغربی تعلیم نے آپ کے دل میں فقہ اسلامی کی باضابطہ ترتیب کی خواہش و تمنا پیدا کی آج ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ بھی مشرقی علوم اور مغربی طرز ترتیب کا مجموعہ ہے۔ اس سے ہمارا منشاء ہرگز یہ نہیں ہے کہ مدرسۃ العلوم دیوبند یا اسی قسم کے دیگر مدارس کے فضلا کوئی مفید کام نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ صرف اس اندیشہ کا اظہار ہے کہ ہم ان سے کسی ایسے کام کی توقع نہیں کر سکتے۔ جو ہماری واقفیت میں کسی قسم کا اضافہ کرے۔ سر سید احمد خاں مرحوم کو بھی مغرب سے تعلق رہا تھا اگرچہ یہ تعلق اسقدر زیادہ نہ تھا کہ جس قدر ہمارے آجکل کے کالج کے گریجوایٹ طلبا کو جو

بغرض حصول تعلیم یورپ کو جایا کرتے ہیں۔ ہوا کرتا ہے۔ اور سر سید مرحوم ہی نے علوم اسلامی کی مغربی طرز پر باقاعدہ تحقیقات کے کام کی ابتدا کی اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ندوہ اور دار المصنفین کے بانی مولینا شبلی مرحوم نے جو دنیا کو اپنی تواریخی، علمی، اور ادبی تصانیف سے بہرہ اندوز کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ طالبان علم وفن کی ایک ایسی درس گاہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے جس نے سید سلیمان ندوی جیسے باکمال فاضل پیدا کئے۔ ان کا یہ کارنامہ بھی بہت بڑی حد تک سر سید اور سر ٹامس آرنلڈ کے اثرات کا رہین منت ہے۔ دار العلوم ندوہ نے علوم مشرقی میں طرز مغربی کا پیوند لگایا ہے اور اپنی نوعیت کی ایک ہی درس گاہ ہے۔

اسلامی نظام

(ہمدرد ۲ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(حجاز سے واپسی میں محمد علی کراچی اُترے۔ سیٹھ حاجی سر عبداللہ ہارون کے ہاں ٹھہرے وہاں "سندھ آبزرور" کے نمایندہ کو حسب ذیل بیان دیا۔

اس بیان میں انہوں نے تفصیل سے "اسلامی نظام" پر اپنے گرانبہا خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مضمون میں جس ہونے والی موتمر کا ذکر ہے وہ نہیں ہوئی پہلی مؤتمر کے بعد پھر کوئی مؤتمر بھی نہیں ہوسکی۔ پہلی مؤتمر کا تجربہ سلطان ابن سعود کے لئے کچھ زیادہ خوشگوار نہیں رہا پھر "نقش ثانی" کی دعوت کیوں دی جاتی؟

مولف)

اسلامی تاریخ کی گزشتہ تیرہ صدیوں کے زمانہ کے بعد جو تجربہ ہوا ہے اس نے ہمکو یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کے طریقے کو چھوڑ کر اور اسلامی جمہوری حکومت کی بجائے ملوکیت منظور

کر کے ہم نے ایک ایسی زبردست خطرناک غلطی کا ارتکاب کیا ہے جسکی وجہ سے ہم اس حالت کو پہونچ گئے ہیں کہ جزیرۃ العرب بھی مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہے۔ بنی اسرائیل تو اپنی ارض موعودہ فلسطین کے لئے صرف چالیس سال تک جنگلوں میں مارے مارے پھرے تھے لیکن ہماری چالیس نسلیں گزر گئیں اور اب تک مارے مارے پھر رہے ہیں اور ہم مسلمانوں کی ارض موعودہ فلسطین ہی نہیں بلکہ زمین کا پورا کرہ ہے جو ابتک اسلام کا نہیں ہے۔ ہماری ارض موعودہ اسوقت تک نہیں ملیگی جب تک ہم اپنے پہلے نقش قدم کا پتہ نہ چلائیں گے

اور سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا کا انتقام لیکر عالم اسلام سے بدعتِ ملوکیت کا خاتمہ نہ کر دیں گے۔ اور اپنے پہلے چار خلفاء راشدین کے عہد کی خالص جمہوری حکومت دوبارہ قایم نہ کر دیں گے۔

اس تلخ تجربے کی رہنمائی کی روشنی میں بالکل صاف اور غیر مبہم زبان میں مجلس خلافت نے اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء میں اپنا یہ اصول قرار دیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ مجلس مذکور علی کو حجاز کا آئینی بادشاہ بھی تسلیم نہ کریگی۔ کیونکہ ارض مقدس اسلامیہ کو، کسی بادشاہ یا سلطان، یا کسی شاہی رکن کے حرص واز اور خود مطلبی و خودغرضی کے قربان گاہ پر نذر نہیں چڑھایا جا سکتا۔

اس ہی زمانہ میں حکومتِ حجاز نے مجلس خلافت سے اپیل کی تھی کہ وہ شریفی خاندان اور نجدیوں کی آویزش میں مداخلت کرے۔

اگر ارض مقدس اسلامیہ کو ذاتی، خاندانی اور قومی رقیبانہ نبرد آزمائیوں کا میدان جنگ بنانا نہیں ہے تو لازمی ہے کہ حجازیوں کی ایک جمہوریت وہاں قایم

کرنی چاہیئے جسکی نگرانی اور رہنمائی تمام عالم اسلام کے ذمہ ہو۔ سلطان ابن سعود نے بہ نقطۂ نظر فوراً تسلیم کر لیا تھا لیکن علی اور اسکے شرکار جرم، تامل اور پس و پیش کرتے رہے۔ اسلیئے مجلس خلافت نے بغیر کسی فکر و تردد کے اپنی طاقتور آواز سے عالم اسلام میں سلطان ابن سعود کی حمایت کی جن سے توقع تھی اور جو قطعیت کے ساتھ وعدہ کر چکے تھے کہ وہ اسوقت تک عالم اسلام کے ایک معتمد کی حیثیت سے عمل کریں گے۔ جب تک کہ مکہ میں موتمر کا انعقاد نہ ہو اور موتمر حجاز کی جمہوری حکومت کی تشکیل کا فیصلہ نہ کر دے۔ حجاز کو اپنی رہبری اور امداد کے لیئے بادشاہوں اور سلطان کی تلاش نہ تھی بلکہ تمام عالم اسلام کے نمایندونکی ضرورت تھی۔

لیکن ہماری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جبکہ بغیر کسی اطلاع کے سلطان ابن سعود موٹر کار میں سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور بیک جنبش قلم خود ہی حجاز کے بادشاہ بن بیٹھے۔ حالانکہ مجلسِ خلافت کا وفد جدّہ میں موجود تھا اور اس کے کان میں ذاتی حیثیت سے بھی تنبیہہ کا کوئی لفظ نہ ڈالا گیا!

سلطان ابن سعود انگلستان کے منظور نظر شریف حسین ہی کے نقشِ قدم پر چلے۔ ہمیں شریف حسین کے متعلق یقین تھا کہ وہ ارض مقدس اسلامیہ کے بادشاہ بننے کا اعلان کرنے میں جس طرح پہلا شخص تھا اسی طرح اب آخری بھی وہی ہوگا۔ حالانکہ خود بڑے بڑے جلیل القدر مسلم سلاطین بھی اس ارضِ پاک کے خادم کے لقب ہی پر اکتفا کرتے رہے۔

خلافت کے اصول پر حجاز میں جمہوریت کے قیام کے متعلق ہم جس نتیجہ پر

پہنچے ہیں وہ کسی خاص بادشاہ یا سلطان کے حالات اور حالت سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ لیکن سلطان ابن سعود کے متعلق ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ اگر کسی بادشاہ اور ملوکیت کی حمایت میں کوئی مستثنیٰ صورت بھی نکل آئے تو یہ صورت بھی ابن سعود اور ان کے کٹر نجدیوں یا ان شامی مصری اور دوسرے حوصلہ بازوں کے لئے تو نہیں ہو سکتی جو ابن سعود کی ماتحتی میں حکومتِ حجاز کے آج رکن بنے ہوئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابنِ سعود ایسا شخص ہے جس میں بہت سے اوصاف ہیں اور وہ اسلام کے لئے بہت کچھ مفید بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے اپنی پوری طاقت سے اسکی شرافت و عظمت سے اپیل کی ہے کہ وہ نازک حالات میں اسلام کی مدد کے لئے نکلے لیکن اگر اسکی حوصلہ زائیاں اسے تمام عرب پر مع حجاز کے اپنی ملوکیت قایم کرنے کے متعلق آمادہ کرتی رہیں اور یہ کہ وہ اپنے بدلگام اور اکھڑ نجدیوں کو جو اپنے تنگ دائرہ سے باہر، ہر مسلمان کو مشرک اور کافر یقین کرتے ہیں۔ ملک گیری اور شاہی حوصلوں کی تکمیل کے لئے اسی طرح آلہ کار بنا تا رہا تو وہ خود اپنی ذات کو اور اسلام کو نقصان عظیم پہونچائیگا۔

اگر سلطان ابن سعود اپنے موعودہ الفاظ کی تاویل نہ کرتے اور اپنے عہد پر قایم رہکر تمام عالم اسلام سے مشورہ کرنے کی ایماندارانہ سعی کرتے اور اپنی خدمات ایک خادم اسلام کی حیثیت سے عالم اسلام کے سامنے پیش کر دیتے تو انہیں تقدس کی کسی احتیاج اور ضرورت کے بغیر ہی ان کی متوقع مرتبت و منزلت عزت و وقعت اس درجہ حاصل ہو سکتی تھی کہ حجاز کا بادشاہ بننے

کے بعد بھی نہیں ہو نیکی۔ لیکن بخد کے "پاگل ملاؤں" کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر اپنے عظیم لیکن کوتہ اندیشانہ عزایم کی وجہ سے وہ اپنا یہ حق ضبط کرا چکے۔ ان ملاؤں کے نزدیک ہر مزار کی بے حرمتی اور ہر قبر کے انہدام سے ہی اسلام وہ عظمت و شوکت حاصل کرے گا جو اسے قرونِ اولیٰ میں حاصل تھی۔

ابن سعود نے یقیناً پہلی موتمر اسلامیہ کو مدعو کیا لیکن ظاہر ہے کہ اس کارروائی سے اسے کچھ زیادہ مسرت حاصل نہ ہوئی۔ وہ مؤتمر میں شریک ہونیوالے عالم اسلام کے نمایندوں سے اپنی اور بخدی ملاؤں کی خواہش تسلیم کرانا چاہتا تھا اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس نے مؤتمر کے ارکان کی بہت بڑی تعداد کو نامزد کیا۔ اور ان ممالک واقوام کی نمایندگی کے لئے ان کے ارکان میں سے انتخاب کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا جنکی نمایندگی موتمر میں ہوئی۔ سلطان کے نامزد کردہ حضرات میں ہندوستان کے چار اہلحدیث یا وہابی اور بعض افراد بھی شامل کرلئے گئے جنکی اسناد مؤتمر میں ہرگز پیش نہیں ہوئیں۔ ایک مستثنیٰ امثال کے علاوہ اسناد ان میں سے کسی کے پاس تھی بھی نہیں۔ اس طرح اکثریت ان نامزد کردہ حضرات کی ہو گئی۔ اگر موتمر کے تمام دوسرے ارکان بھی متفق ہو جاتے تب بھی ہمارے لئے ان کو شکست دینا ممکن نہ تھا۔ لیکن جب ہماری کارروائیوں کو دیکھ لیا گیا کہ مؤتمر قاہرہ کی طرح، مؤتمر مکہ کا خاتمہ ناکامی و لغویت پر نہ ہو سکیگا، اور یہ کہ ٹرکی، افغانستان، مصر، اور یمن کی حکومتوں نے اپنے نمایندے بھیجے ہیں اسوقت اور صرف اسوقت سلطان کے نامزد کردہ حضرات کی خود ساختہ اکثریت بیکار ہوئی۔ ہم جن اکثر مسائل کے متعلق

موتمر میں زور دے رہے تھے۔ اسلامی حکومتوں کے نمایندے غیر ضروری خوف وحجاب کے ساتھ ان کے متعلق ہمارے شریک کار رہے۔ اگرچہ ہم ان کے اس طرز کو مناسب نہیں کہہ سکتے۔ البتہ یہ کہہ کر ان کے طرز کی ہم تشریح کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی حکومتوں سے مزید مشورہ کے بغیر، اپنی حکومتوں کو مسائل مذکورہ کے متعلق کسی خاص کارروائی میں شریک کرنا پسند نہیں کرتے۔

ہمارے نزدیک حجاز کی حکومت مسلمہ قانونی حکومت نہیں ہے کیونکہ یہ حکومت ان مواعید وعہود کی خلاف ورزی کے بعد قایم کی گئی ہے جو بالکل صاف تھے۔ اور جن کا متعدد مرتبہ اعادہ کیا جا چکا تھا۔ ہمارے نزدیک تو جس حکومت کا سنگ بنیاد قانون ہو وہ ہی حکومت کہلائے جانے کی مستحق ہو سکتی ہے۔ لیکن سلطان کی حکومت کہلائے جانے کی مستحق ہو سکتی ہے لیکن سلطان کی حکومت جو اسوقت حکمرانی کر رہی ہے دوسری اسلامی حکومتوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ اور ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ان حکومتوں کے نمایندوں نے اس حکومت کے سامنے ان مطالبات کو پیش کرنے میں کیوں تامل کیا جنکو ہم نے مرتب اور پیش کیا تھا۔ ان معاملات میں ہمیں اسلامی سلطنتوں کے نمایندوں سے کچھ زیادہ امداد نہیں ملی۔ لیکن۔ دوسرے طور پر تو وہ نجدیوں کی کسی قسم کی حمایت کو پسند نہیں کرتے تھے اور تمام مسلمان فرقوں کے لئے کامل مذہبی آزادی، آثار اسلامیہ کی دوبارہ تعمیر اور بزرگان دین کے مزارات کی اسطرح بحالی جس طرح شریعت اسلامیہ اجازت دے ان تمام مطالبات میں آزاد اسلامی سلطنتوں کے نمایندے بھی ہم سے کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ اس امر پر لحاظ

کرتے ہوئے کہ موتمر کو سلطانِ نجد نے مدعو کیا ہے، اور اس خطرہ کو بجا طور پر محسوس کرکے کہ مؤتمر کو سلطان اپنے نامزد کردہ اشخاص سے بھر دیں گے۔ مجلس خلافت اور جمعیت العلماء کے وفود حجاز کی آیندہ حکومت کا معاملہ اس سال کی موتمر پر چھوڑنے کے لئے رضامند نہ تھے۔

چنانچہ دونوں مجلسوں نے اپنے نمایندوں کے انتخاب سے قبل ہی فیصلہ کرلیا کہ موتمر میں اس مسئلہ پر بحث نہ کی جائے تاہم نجی طور پر سلطان کو مائل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی کہ وہ اپنے مواعید کا احترام کریں۔ اور حجاز کی ملوکیت سے دست بردار ہو جائیں سلطان ہمارے نقطۂ نظر سے بخوبی واقف ہیں اور ہمیں کامل اعتماد ہے کہ سلطان نے جو کچھ کیا ہے اس پر انہیں پچھتانا پڑے گا اور اس راہ سے انہیں اپنا قدم ہٹانا ہوگا۔ ہم نے اس مسئلہ پر دوسرے وفود سے تبادلہ خیالات کیا ہے اور مؤتمر جب آیندہ سال مکہ میں منعقد ہوگی جس کا انعقاد سلطان نجد کی دعوت پر نہ ہوگا بلکہ خود عالم اسلام نے جو قواعد وضوابط مؤتمر کے متعلق مرتب ومنظور کرکے اس کا سنگ بنیاد رکھا ہے ان کے مطابق ہوگا اور موتمر میں آیندہ مسلم ممالک واقوام کے ایسے نمایندے شریک ہوں گے جنکو ان ممالک نے واجبی طور پر نامزد کیا ہو یا ان اقوام نے صحیح طور پر منتخب کیا ہو اور اس طرح شریک نہ ہوں گے جسطرح امسال سلطان نجد نے بہت سے نمایندوں کو خود نامزد کرلیا تھا یعنی جب یہ نمایندے آزاد انسانوں کی طرح جمع ہوں گے تو ہمیں پوری توقع ہے کہ وہ ابن سعود سے مطالبہ کریں گے کہ وہ تخت سے دست بردار ہو جائیں۔ اور ایسی حکومت

کی بنیاد ڈالیں گے جو حجازیوں کی ہو گی۔ حجازیوں کے لئے ہو گی، اور حجازیوں کی بنائی ہوئی ہو گی۔ اور جسکی رہنمائی اور امداد عالم اسلام کے نمایندے کریں گے اس وقت خود سلطان کی کارروائی پر منحصر ہو گا کہ آیا وہ جمہوریت حجاز کے صدر اور دنیائے اسلام کی طرف سے مرکز اسلام میں چند برسوں کے لئے مندوب منتخب کئے جانے ہیں یا نہیں؟ ابتک تو سلطان کی کارروائیاں بدمشورہ پر مبنی ہیں اور ہم نے انکی کارروائیوں میں دانشمندی کی کوئی علامت بھی نہیں دیکھی جس کے متعلق ہمیں ان سے توقع ہو گئی تھی، تاہم میرا خیال ہے کہ وہ اسلام کی مرضی اور خواہش کو بخندہ پیشانی منظور کریں گے اور جس زیرکی و فراست سے انہوں نے ملوکیت اختیار کی ہے اس سے کہیں زیادہ وہ ملوکیت ترک کرنے میں زیرکی اور دانشمندی کا اظہار کریں گے۔

سلطان ابن سعود نے حجاز کی حکومت نہ عالم اسلام سے حاصل کی ہے نہ حجاز کے لوگوں سے، اور اگر انہوں نے یہ حکومت شریف کے خاندان سے نبرد آزمائی کر کے لی ہے تو وہ اس طرح یقیناً اس حکومت کے مستحق نہیں ہو سکتے کیونکہ شریف کا خاندان خود غاصبوں کا ایک خاندان تھا جس حد تک عالم اسلام کا تعلق ہے اس نے تلوار کے ذریعہ سے کوئی شائستہ فیصلہ نہیں کیا تھا۔ لیکن سیاسی چالوں اور تلوار کا ایسا مخلوط فیصلہ جیسا اس معاملہ میں ہوا کسی حالت میں بھی قطعی فیصلے کے طور پر منظور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ملک گیری کے حق یا سازش یا دونوں وجوہ سے، سلطان ابن سعود حجاز کے دعویدار بنتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مصر اور یمن کے حکمران اس ہی وجہ سے کیوں دعویدار نہ بنیں؟

اگر عراق اور شرق اردن میں شریفی ذریات کا تذکرہ ہم چھوڑ بھی دیں تاہم ارض مقدسہ اسلامیہ کے متعلق گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ذاتی اور خاندانی نبرد آزمائیوں کی رزمگاہ بنی رہے۔

آپکو علم ہے کہ میں نے کراچی کے جلسوں میں تقریریں کرتے ہوئے اور موتمر میں بھی بغیر کسی تامل کے سلطان نجد کا دلی شکریہ ادا کیا ہے کہ انہوں نے حاجیوں کے لئے امن و حفاظت کا انتظام کر دیا۔ ان پریشانیوں اور تکلیفوں کو جانے دیجئے جو خود نجدیوں نے پہنچائی ہیں۔ ملک کا وہ حقیقی امن جو نجدی فاتح، اور حجازیوں یا مصر، یمن، عراق اور شرق اردن کے آئندہ فاتحین کے درمیاں لڑائیاں شروع ہونے کی وجہ سے سال کے بارہ مہینے درہم برہم ہوتا رہے۔ اسکے بالمقابل اس امن کی جس کا تعلق ان رہزنوں اور لٹیروں سے جو حج کے زمانہ میں حاجیوں کو لوٹا کرتے تھے کوئی وقعت و قیمت نہیں۔

آج امن و حفاظت نجدی دور کی ایک نمایاں فضیلت معلوم ہوتی ہو لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب تک عالم اسلام کی مرضی کے مطابق ایک قانونی حکومت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ امن دیرپا نہیں ہو سکتا۔ بہر حال ہندوستان میں ذاتی تجربہ سے ہم بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ امن و حفاظت کی ہی کیسی گراں قیمتیں ادا کی جا سکتی ہیں۔

تیرہ سو سال گزرے جب مسلمانوں نے انکار کر دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے وراثت کے سلسلہ میں ان کی عزیز صاحبزادی کو فدک کی نخلبندی نہ کرنے دینگے وہ آج بھی اس بات پر رضامند نہیں ہو سکتے کہ تمام حجاز کو ابن سعود اور اسکی اولاد

کے حوالے کر دیں لیکن ابن سعود کو اس امر کی ترغیب دینا کہ وہ واپس ہو جائے ایسی مہمل حرکت ہو گی، جیسی کہ ماتم کرنا یا چلانا۔ یا حماقت کر کے اسلامی سلطنتوں سے درخواست کرنا کہ اسکے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں، اور برطانیہ عظمیٰ سے اس معاملہ میں مداخلت کی تجویز تو ایک عظیم معصیت ہے برطانیہ اب تک ہمارے معاملات میں بہت کچھ مداخلت کر چکی ہے اب تو ہم اس سے اس امر کے طالب ہیں کہ آیندہ وہ ہمارے معاملہ میں قطعاً مداخلت نہ کرے۔ جس بات کی ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم عالم اسلام کی رائے کو ایک نظام کے ساتھ نجدی سلطانوں اور ملاؤں کی حکومت کے متعلق مخالف بنائیں۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ مجلس خلافت ہندوستان میں، ہندوستانی مسلمانوں کی کثیر جماعتوں کی امداد سے اس عظیم خدمت کو انجام دے سکے گی۔

اسوقت جس چیز کی ضرورت ہے، وہ مسلمانوں کے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے۔ جو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا ہو، اور جس وقت تحریک خلافت کو ایک دفعہ پھر منظم کر دیا جائیگا تو اس سے عالمِ اسلام کی رہنمائی ہو گی۔ جیسا کہ جنگ عمومی کے بعد ہوا تھا۔ موتمر اور اسکی مجلس تنفیذیہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کے ایک نظام کا سلسلہ قایم ہو گیا ہے، اور یہ مختصر سا بیج مستقبل میں، ایک از سر نو قایم کردہ خلافت کی جڑ ہو گا۔ جو خلافت راشدہ کے نمونہ پر قایم ہو گی۔ اسلام کا یہی سب سے بہتر نظام ہے اور ہمیں بجائے اس کے کہ ہم دوسرے چھوٹے چھوٹے نظام قایم کریں۔ اسکے قیام کی طرف متوجہ

ہوجانا چاہیئے۔ اب ہمیں اپنے اس بڑے مینارے کو اُٹھانے میں چاروں طرف سے لگ جانا چاہیئے۔ جسکی ابتدا ہندوستان سے ہو۔ اور انشاء اللہ بہت جلد ہم یہ دیکھیں گے کہ اس عمارت کی چوٹی تاج خلافت سے مزین ہو گی، اور یہ خلیفہ متحدہ عالم کی آزادی رائے سے منتخب ہوگا۔

یہ میرا خواب ہے، اور ان لوگوں کا ہے جو مقامات مقدسہ کی آزادی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ لیکن مؤتمر سے جس کا جلسہ حال میں ختم ہوا ہے باوجود تمام خامیوں کے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے ایک عالمگیر انقلاب کی ابتداء کر دی ہے، جو انقلاب فرانس اور انقلاب روس سے کہیں زیادہ شریفانہ ہے۔ کیونکہ اس میں نہ تو خونریزی کا ڈر ہے نہ خطرات کا اندیشہ۔ اسلام امن و سلامتی کا دعوے دار ہے اور ایک مرتبہ پھر جب ہم عالم اسلام کو منظم کرلیں گے تو ہمیں دنیا میں امن اور ترقی کے دور کی توقع ہو گی۔

میں جانتا ہوں کہ آج ہندوستان نفاق و شقاق میں مبتلا ہے، اور فرقہ وارانہ تنازعات اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ آج بھی ہندوستان میں سیکڑوں ہندو پارسی، سکھ اور دوسرے غیر مسلم موجود ہیں جو ہماری طرح مستقبل کے منتظر ہیں۔ اور ہمارے اس مقصد کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں جس کے لئے ہم اپنے مادر وطن ہندوستان سے تقریباً تین ماہ ہوئے باہر گئے تھے۔ اگر اسلام کا نظام مربوط نہیں ہے تو ہمیں دنیا میں امن اور اسکی ترقی مفقود نظر آتی ہے۔ مقامات مقدسہ کی زیارت سے ہم اس ضرورت کو اور بھی محسوس کر کے آئے ہیں کہ حجاز میں اسلام کا مرکز

ہونا چاہئے۔ لیکن ہم اسلام کی اسوقت اور کچھ مدد نہیں کر سکتے" جبتک کہ ہم ہندوستان کو اسکی آزادی کی جنگ کے لئے اچھی طرح منتظم نہ کرلیں۔

مؤتمر اسلامی سے ہم اس خیال کو لیکر واپس ہوئے ہیں کہ بغیر ہندوستان کی آزادی کے اسلام کی ترقی ناممکن ہے، اور یہ ناممکن ہے جبتک کہ ہندوستان کے تمام فرقوں میں مذہبی رواداری نہ پیدا ہو جائے جسے مہاتما گاندھی ہندو مسلم اتحاد کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس طرح کہ میں نے ہندوستان سے جاتے وقت کہا تھا کہ کوئی شخص اپنی زبان سے جھوٹی باتیں کہتا ہوا حج کے لئے نہیں جاتا۔ اسی طرح آج بھی میں حج سے واپسی پر کہتا ہوں کہ کوئی شخص حج سے واپس آکر جھوٹ نہیں بولتا۔

ہر معنے میں میں ابتک نوچنجر ہوں اور میرا مسلک ہندو مسلم اتحاد ہے جو آج ملک کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمیں جنگِ آزادی کے لئے مہاتما گاندھی کی قیادت میں تیار ہو جانا چاہئے۔ جیساکہ ہم نے پانچ سال پہلے ملک کی واحد قومی انجمن، انڈین نیشنل کانگریس کو مضبوط کر کے کیا تھا۔

مکہ معظمہ میں اسلامی حکومتوں کا ایک نمایندہ بھی ایسا نہیں تھا جس نے ہندوستان میں ہماری نااتفاقی پر ملامت نہ کی ہو۔ اور جس نے ہم سے یہ درخواست نہ کی ہو کہ ہم ہندوستان میں وہی اتحاد قایم کریں جو پانچ سال قبل تھا۔ وہ سب یہی کہتے تھے کہ "ہندوستان میں تم لوگوں کی قوت سے ہمیں تقویت تھی۔ تم میں اگر اتحاد ہے تو ہم بھی متحد ہیں۔ خدا کے واسطے

اگر تم اپنے لئے نہیں تو ہمارے لئے۔ ہندوستان میں متحد اور مضبوط ہو جاؤ"

میں اپنے تمام ملکی بھائیوں، خصوصاً مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان سے باہر مسلمانوں کی ان التجاؤں پر غور کریں میں کسی جماعت سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے دوسرے کے سامنے ہتھیار ڈالدے۔ کیونکہ یہ کوئی ہتھیار ڈالنا نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی قوت اور طاقت کے باوجود دوسری قوم کے سامنے اپنے مطالبات کو واپس لے سکتی ہے۔ بہر حال وہ دوسرے کے ساتھ وہ تو کر سکتی ہے جو اس سے اپنے لئے خواہش کر سکتی ہے۔ کم سے کم ہمیں اس سنہری اصول پر عمل کرنا چاہئے اور خدا کا نام لے کر امن اور ترقی کے حصول کے لئے قدم اُٹھانا چاہئے۔

ہماری مطبوعات

ادب اور انقلاب:- از ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری۔ ڈی۔ لٹ (پیرس)

اردو کے ادبی انقلاب کے سب سے بڑے علم بردار کے اُن مقالوں کا مجموعہ جنھوں نے ہماری تنقید نگاری میں نئے باب کا اضافہ کیا اور ترقی پسند تحریک کی بنا ڈالی۔ اور ہمارے شاعروں اور ادیبوں کے دل ونگاہ کو وسعت بخشی۔

قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد۔ رنگین گردپوش۔ کتابت۔ طباعت کاغذ اعلیٰ۔

مقالات محمد علی۔ (حصہ اوّل) مرتبۂ رئیس احمد جعفری

محمد علی۔ ہندوستان کا آتش نواز عیم جب تک زندہ رہا۔ اپنی شعلہ سامانیوں سے محفل کو لذت سوز سے، لطف تپش سے جلنے اور جلتے رہنے کے کیف سے روشناس کراتا رہا۔ یہ اُسی کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ درحقیقت یہ بیسویں صدی کی مکمل تاریخ ہے۔

قیمت تین روپے بارہ آنے مجلد۔ رنگین ٹائیٹل

گرداب۔ از احمد ندیم قاسمی۔

گرداب میں ندیم اپنے آپ کو ایک نئے اور نرالے رنگ میں پیش کر رہا ہے ان افسانوں میں اُس نے پربتوں اور میدانوں کی کھلی دُنیا سے نکل کر موجودہ پُرشور تہذیب سے گونجے ہوئے شہروں کی زندگی کا جائزہ لیا ہے۔

ضخامت تقریباً چار سو صفحات۔ قیمت تین روپے بارہ آنے۔
مجلد۔ رنگین گردپوش۔

لہریں۔ از ڈاکٹر شفیق الرحمان۔

شفیق الرحمن کے افسانے نوجوانوں کے افسانے ہیں جو زندگی کو ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح متعفن اور بدرنگ نہیں بنانا چاہتے۔ اڑتے ہوئے لمحوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔ کھیلتے ہیں اور ان میں سے اکثر زندگی کے روشن پہلو کے ترجمان ہیں۔ ضخامت تقریباً چار سو صفحات
مجلد۔ رنگین گردپوش قیمت تین روپے بارہ آنے

زندگی کے نئے زاویئے :- از رئیس احمد جعفری۔

یہ وہ افسانے ہیں۔ جو انسانی کردار، انسانی ذہنیت، انسانی نفسیات، اور انسانی سرشت کا نیا رُخ پیش کرتے ہیں۔ یہ افسانے نہیں زندگی کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں۔ کاغذ و طباعت بہترین۔ مجلد

قیمت :- تین روپے۔

ٹیگور اور اُن کی شاعری :- از مخدوم محی الدین ایم۔ اے۔

ٹیگور کی شاعرانہ عظمت سے کون واقف نہیں۔ اُن کی شاعری نے بین الاقوامی مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ یہ شاعر مشرق پر اردو میں سب سے پہلی کتاب ہے۔

قیمت ڈیڑھ روپیے۔

رنگ محل۔ از حضرت ساغر نظامی۔

رنگ محل ساغر نظامی کی رُومانی نظموں، غزلوں اور گیتوں کا تازہ مجموعہ ہے۔ کاغذ اور طباعت اعلیٰ۔ مجلد۔

قیمت :- تین روپیے بارہ آنے

یقین و عمل – از عبدالقدوس ہاشمی

برطانوی جمعیت فلاسفہ کے صدر وائیکونٹ سموئیل کی تصنیف کا اردو ترجمہ۔ اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔

قیمت :- دو روپیے چار آنے۔ مجلد۔

کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ

ہماری مطبوعات

	پائی	آنے	روپیے
مضامین عبدالماجد دریابادی۔	۰	۱۲	۳
رئیس الاحرار محمد علی۔	۰	۱۲	۲
مردوں کی مسیحائی۔	۰	۴	۳
یقین و عمل۔	۰	۴	۲
روحِ اقبال۔	۰	۴	۴
محسوسات ماہر۔	۰	۰	۳
نغمات ماہر	۰	۰	۳
رنگ محل	۰	۱۲	۳
ٹیگور اور اُن کی شاعری	۰	۸	۱
جمہوریہ چین	۰	۱۲	۱
سیاست جاپان	۰	۱۰	۰
اقبال کے خطوط جناح کے نام	۰	۵	۰
اقبال کا تصور زمان و مکان	۰	۱۲	۰
گرداب	۰	۱۲	۳
زندگی کے نئے زاویئے	۰	۰	۳
مقالات محمد علی (حصہ اول)	۰	۱۲	۳
لہریں	۰	۱۲	۳
منٹو کے افسانے اور ڈرامے	۰	۰	۳
کاروانِ علم	۰	۱۲	۲

ملنے کا پتہ

اِدارہ اِشاعت اُردو عابد روڈ حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اِسٹیم پریس حیدرآباد دکن